پیام تعلیم

سرکار دو عالم

مرتبہ

محمد حسین حسان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں یہ کتاب نہایت سہل زبان اور دل نشیں اندازِ بیان میں لکھی گئی ہے۔ بچوں کے لئے سیرۃ پر اور بھی اچھی اچھی کتابیں ہیں مگر اس کتاب میں خاص بات یہ ہے کہ عرب کا جغرافیہ تفصیل سے لکھا گیا ہے آں حضرت کے اخلاق کے بیان پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ ویسے بھی عام کتابوں سے اس میں معلومات بہت زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی صوبوں کے مدرسوں میں سرکاری طور پر نصاب میں شامل ہے اور بہت سے اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ پانچویں اور چھٹی جماعت کے طلبہ کے لئے موزوں ہے۔

دوسرا ایڈیشن قیمت آٹھ آنے

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کی سب سے بڑی قومی
انجمن آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کے صدر۔ ان کے
بارے میں اس پرچے میں ایک مضمون بھی ہے

پچھلے مہینے ۱۹ مارچ کو راجہ رایاں راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنة بالقابہ کے اعزاز میں جامعہ کی طرف سے اوکھلے میں چاء کی دعوت کی گئی تھی مہاراجہ بہادر تو بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے تھے۔ اپنے صاحبزادوں کو بھیج دیا تھا۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے اس میں سامنے کے رخ (دائیں سے) امیر جامعہ جناب ڈاکٹر انصاری صاحب مدظلہ، شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب، رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر، ڈاکٹر سر اکبر حیدری (جامعہ کے دو بچوں کے ساتھ) جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی، عالی جناب نواب سر محمد اکبر خان صاحب آف ہوتی، جناب سر محمد یعقوب صاحب، صاحبزادگان مہاراجہ بہادر اور حضرت ثقة الاسلام بلبلۂ باد کوبا کھڑے ہیں۔

پیامِ تعلیم دہلی

قیمت سالانہ
عہ

فی پرچہ
۴ر

جلد ۱۹ | مئی سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان جامعی ندوی۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی۔ایچ۔ڈی۔
جامعہ پریس

بچوں سے باتیں

منیجر صاحب سے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ یوپی کے محکمہ تعلیم میں بھی پیام تعلیم باقاعدہ منظور ہو گیا ہے۔ ریاست حیدرآباد میں محکمہ تعلیم کے افسروں نے اس رسالے کی جس طرح سرپرستی فرمائی ہے اس کی وجہ سے ہماری ہمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یوپی میں بھی محکمہ تعلیم کے افسران اس رسالے کی طرف توجہ فرمائیں گے تاکہ ہم سے بچوں کے لئے نمونے کا رسالہ بنا سکیں۔

پچھلے پرچے میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ بچیوں کے فائدے اور دلچسپی کی چیزیں بھی بڑھائی جائیں گی۔ اس پرچے میں ہم وعدے کے مطابق محترمہ بیگم صاحبہ عبدالغنی کا ایک مضمون شایع کر رہے ہیں۔ ابھی تک محترمہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر عباد الرحمٰن صاحب اور بیگم صاحبہ غلام السیدین صاحب اور دوسری بہنوں نے ہماری درخواست کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے۔ البتہ محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ کا ایک خط ہمیں ملا ہے، ہم اسے خط کتابت میں شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنی محترم بہن کی تمام باتوں سے اتفاق ہے لیکن کامیابی کی صورت یہی ہے کہ سب بہنیں اس معاملے میں ہماری مدد کریں۔ ہم اُن سے دوبارہ درخواست کرتے ہیں کہ ہماری اس گذارش پر توجہ فرمائیں مضمون بھیجیں، اور ہمیں اس بارے میں مفید مشورے دے کر شکر یئے کا موقع عنایت فرمائیں۔

تمھاری آپا جان اپنے خط کے جواب کا اب تک انتظار کر رہی ہیں اب وہ کچھ ناراض سی ہیں۔ ناراض ہونے کی بات بھی ہے، سوائے کلکتے کے سلطان احمد صاحب کے کسی نے اُن کے خط کا جواب نہیں دیا۔ ہم جب اُن کے پاس مضمون کے لئے جاتے ہیں تو وہ پہلا سوال یہی کرتی ہیں اور ہم بہت شرمندگی کے ساتھ نہیں کہہ دیتے ہیں۔ ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں پیام تعلیم سے اُن کی دلچسپی میں کمی نہ آ جائے۔ کیا اچھا ہو کہ اس پرچے کو دیکھتے ہی تم فوراً آپا جان کے خط کا جواب دے دو، جواب سے پہلے اُن کا خط ضرور دیکھ لینا یہ مارچ کے پرچے میں چھپا ہے۔

پیام تعلیم کی موجودہ ترقی سے بچے اور بڑے سب خوش ہیں ہمارے پاس بہت سے خط رسالے کی تعریف میں آئے ہیں، ان میں دو ایک خط ہم نے شائع بھی کر دیئے ہیں۔ ان خطوں سے ہماری ہمت بہت بڑھ جاتی ہے اور ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ پیام تعلیم کی ترقی کے لئے ہم جو کچھ کر رہے ہیں آسے سب پسند کرتے ہیں۔

اگلے پرچے میں چند اچھے اچھے مفید اور دلچسپ مضمون چھپیں گے جنھیں تم بہت پسند کرو گے۔ ان میں سے ہر ہٹلر (از ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی) (۲) ایجادوں کا بادشاہ (۳) نپولین اپنے بچپن میں (۴) شہد کی مکھی (نظم از نیر صاحب) (۵) ادیس ابابا کے اسکول اور ۶ منا بھیا اور ننھی بٹیا۔ خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت اچھی اچھی کہانیاں اور دوسرے مضمون ہیں۔

نظموں کے انعامی مقابلے میں تاریخ بڑھا دینے پر بھی صرف سات بچوں اور بچیوں نے حصہ لیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مس جمیلہ عبداللہ لاہور (۲) عمر کامل دہلی (۳) صالحہ خاتون دہلی (۴) فیروز سہراب حیدرآباد (۵) امان اللہ خاں وزیرستان (۶) عزیزۃ النساء صدیقہ اورنگ آباد (۷) منصور گنگ درنگل ان میں فیروز سہراب اول اور عزیزۃ النساء صدیقہ دوم آئی ہیں دونوں کو انعام کی کتابیں بھیج دی جائیں گی۔

۱۳۔ اپریل کو جامعہ میں قومی ہفتہ بہت اہتمام سے منایا جاتا ہے اس دن جامعہ کے سب نوکروں کو چھٹی دے دی جاتی ہے اور جامعہ کے استاد اور شاگرد سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، اب کے بھی ایسا ہی ہوا۔ تمام نوکروں یہاں تک کہ بھنگی تک کو سارے دن کی چھٹی دے دی گئی۔ اور جامعہ کے چھوٹے بچوں اور بڑے لڑکوں نے اپنے استادوں کے ساتھ اپنے اپنے بورڈنگوں کی خوب صفائی کی، کچھ لوگوں کے ذمے باورچی خانہ کا انتظام تھا۔ انھوں نے پہلے باورچی خانہ صاف کیا چولھوں کی مرمت کی۔ اور پھر کھانا پکایا۔

شام کو ساڑھے سات بجے جلسہ شروع ہوا۔ اس کا انتظام اس مرتبہ تعلیمی مرکز کے بچوں نے اپنے ذمے لیا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹے بچے کی صدارت میں جو مدرسے کی انجمن کا نائب صدر تھا جلسہ شروع ہوا۔ تقریریں بھی چھوٹے بچوں نے کیں۔ ان تقریروں میں ہندوستان کی

تاریخ شروع سے کر جلیانوالہ باغ کے حادثے تک ترتیب سے بیان کی گئی۔ ہر ایک بچے نے ایک ایک عہد کی مختصر تاریخ بیان کی مثلاً آریوں سے پہلے کا عہد آریوں کا عہد، مسلمانوں کا عہد اور انگریزوں کا عہد، ثانوی کے ایک طالب علم نے جلیانوالہ باغ کے حادثے کی تفصیل بتائی۔ اور بتایا کہ آزادی کے کیا معنی ہیں۔ آخر میں بچوں نے ایک ترانا پڑھا۔ یہ مولوی شفیع الدین صاحب نیر کی ایک حمد تھی۔ جو بچوں کے تحفے میں شایع ہو چکی ہے کچھ تو خود یہ نظم بہت اچھی ہے اور پھر بچوں نے ایسی لے میں پڑھی کہ جلسے میں چھوٹے اور بڑے سب متاثر تھے ہم اپنے محترم بھائی نیر صاحب کو ایسی اچھی نظم لکھنے پر اور ماسٹر عبدالغفار مدھولوی صاحب کو اس نظم کے انتخاب پر مبارکباد دیتے ہیں جلسہ ختم ہونے پر کھانا کھایا گیا۔ کھانے میں سب ملازم تعلیمی بھشتی، بیرے باورچی وغیرہ سب شریک تھے۔ اور استادوں اور لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا رہے تھے۔

---

۱۹ اپریل کو پانچ بجے جامعہ کے ورزشی کھیلوں کا مقابلہ ہوا۔ سر عبدالرحیم پریسیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی نے انعام تقسیم کئے۔

کھیل کا میدان خوب آراستہ تھا، مہمانوں کے لئے شامیانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ مجمع کافی تعداد میں تھا۔ ان میں امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مدظلہٗ، مولینا شوکت علی، بیگم محمد علی، مسز کیلیے بوڈاپسٹ کے مفتی چودھری خلیق الزماں حاجی محمد ابراہیم۔ مسٹر غلام محمد اور نواب قدیر الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مہمانوں کے لئے چاء اور پھلوں کا بھی انتظام تھا۔

لڑکوں میں مختلف قسم کے مقابلے ہوئے۔ ان میں استادوں کی دوڑ سب سے دلچسپ رہی۔ قریب قریب سب استادوں نے اس میں حصہ لیا۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب بہرحال اول آئے بعض نوجوان استادوں نے دوڑ جیتنے کی بہت کوشش کی لیکن چند تجربہ کار استادوں نے اُن کا راستہ روک لیا۔ یہاں تک کہ جناب شیخ الجامعہ صاحب جیتنے کے نشان تک پہنچ گئے۔ یعنی اول آگئے۔ اس کے بعد دوسری دلچسپ چیز رسہ کشی تھی۔ اس میں استادوں اور طالب علموں کا مقابلہ تھا بھلا یہ مقابلہ ہی کیا۔ ہمارے استادوں میں ماشاءاللہ اکثر بھاری بھر کم اور بھر علم اور تجربے کار وزن۔ لڑکوں نے جامعہ کے سابق طالب علم ڈاکٹر محمود حسین خانصاحب کو اپنی طرف ملا لیا تھا۔ لیکن اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا۔ پہلے پہل تو کچھ کھینچا تانی رہی لیکن دو تین ہی منٹ میں تمام لڑکے مع محمود حسین خاں صاحب کے کئی گز تک گھسٹتے ہوئے چلے آئے۔ اساتذہ کی ٹیم کے کپتان حضرت مولانا سید محمد شرف الدین صاحب ٹونکی تھے اور اُن ہی کو اچھا سا انعام ملا۔

انعام تقسیم کرنے کے بعد سر عبدالرحیم نے ایک مختصر تقریر بھی کی اور فرمایا کہ یہ دیکھکر انھیں مسرت آمیز تعجب ہوا کہ بچوں کو مختلف کھیلوں کے اس خوش اسلوبی سے تربیت دی گئی تھی۔ مجھے جامعہ کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی رہی وہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور اُن کے ساتھیوں کا ایثار اور بے غرض خدمت ہے۔ جامعہ نے ایک نمونے کی تعلیم گاہ کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر لی ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ ملک میں اس نمونے کی بہت سی جامعین قائم ہو جائیں گی۔

اس کے بعد امیر جامعہ سر عبدالرحیم، شیخ الجامعہ اور مسٹر کیٹ کے چیرز کے بعد جلسہ بہت کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔

ہمیں افسوس ہے کہ کتان والی دلچسپ کہانی کا باقی حصہ ہمارے کاتب صاحب (جو آج کل چھٹی پر ہیں) شاید اپنے ساتھ لے گئے ہیں وقت کے وقت اس کی خبر ہوئی۔ اس لئے مجبوراً یہ باقی حصہ جون کے پرچے میں شائع ہوگا۔ امید ہے کہ جناب اسرائیل احمد خاں صاحب اور پیام بھائی ہمیں معاف فرمائیں گے

مضامین کی کثرت کی وجہ سے اس مرتبہ ہم کئی مضمون اور خریداروں کی فہرست شائع نہ کر سکے امید ہے کہ تمنائی صاحب اور دوسرے مضمون نگار بھائی معاف فرمائیں گے۔ یہ مضمون اگلے نمبر میں شائع ہوں گے۔ خریداروں کی فہرست بھی اگلے پرچے میں ضرور شائع ہوگی۔

آہ! مولانا راشد الخیری

از جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر استاد ماڈرن ہائی اسکول نئی دہلی

آؤ بچو! سناؤں ایک خبر — جس کو سن کر ہوا ہے ٹکڑے جگر

شہر دہلی، ہے جس کا نام بڑا — ساری دنیا میں جس کا ہے چرچا

جہاں گذرے ہیں ایسے اہلِ کمال — جن کی دیکھی نہیں جہاں نے مثال

یہیں رہتے تھے اک بزرگ ابھی — نام تھا اُن کا راشد الخیری

نیک دل، نیک نام، مردِ شریف — وضع دار اور خوش مزاج و ظریف[۱]

اُردو لکھنے میں نیک نام تھے وہ — رہتے اِس دھن میں صبح و شام تھے وہ

نثرِ اُردو کے تھے وہ ایک امام — تھا ترقی کا اس کی شوق مدام[۲]

صاحبِ طرز[۳] اک ادیب تھے وہ — تھے انوکھے بڑے عجیب تھے وہ

فکر اُن کی بلند اور عالی[۴] — میٹھی میٹھی زبان ٹکسالی[۵]

کھینچتے خوب تھے وہ نقشۂ غم — تھا بیان اُن کا سر بسر[۶] ماتم

اُن کا مضمون جو کوئی سنتا — فرطِ غم[۷] سے وہ اپنا سر دھنتا

---

۱ لطیفہ کہنے والا۔ خوش طبع۔ ۲ ہمیشہ ۳ یعنی اردو نثر لکھنے کا انھوں نے ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جو سب اردو لکھنے والوں کے طریقوں سے الگ تھا ۴ اونچی۔ بلند ۵ مستند اور صحیح زبان۔ جسے اہل زبان صحیح جانتے ہوں ۶ سراسر ۷ فرط معنی زیادتی یعنی غم کی زیادتی۔

ہند کی بیبیوں کی خدمت بھی ہو سکی جس قدر اُنھوں نے کی
کچھ کتابیں لکھیں عجب پیاری کچھ رسالے بھی کر دیئے جاری
اُن کے مداح[1] سارے اہلِ زباں اُن کا ممنون طبقۂ[2] نسواں
آہ! دنیا سے وہ سدھار گئے چھوڑ کر ہم کو اشکبار[3] گئے
اُن کی بیوقت موت سے اِس دم بزم اُردو بنی صفِ ماتم
سچ ہے بس موت پر نہیں چلتا وقت آیا ہوا نہیں ٹلتا
کسی شاعر نے یہ کہا ہے خوب شعر اُس کا یہ مجھ کو ہے مرغوب[4]
کیا بھروسا ہے زندگانی کا آدمی بُلبلہ ہے پانی کا
ایک دن سب یہاں سے جائینگے داغ دے کر جہاں سے جائینگے
جب کہ دنیا کا ہے یہی دستور پھر مرا دل ہے کیوں غموں سے چور
میں ہوں اس فکر اور اِس غم میں اچھے لوگوں کی ہے کمی ہم میں
اور اگر ہے کوئی گذر جاتا کوئی اُس کی جگہ نہیں آتا
مرنے والوں کا ایک ہے پیغام کرے دنیا میں آدمی کچھ کام
موت سے اُن کی ہم نصیحت لیں ہم بھی کام ایسا کچھ جہاں میں کریں

جائیں تو اس طرح سے جائیں ہم
مدتوں سب کو یاد آئیں ہم

---

[1] تعریف کرنے والا [2] عورتوں کا طبقہ [3] رونے والا۔ یہاں مراد ہے روتا ہوا [4] پسند۔

گھونسلے میں ہاتھ نہ ڈالو

از بدیع الحسن خانصاحب رنگون

"بچو! چڑیوں کے گھونسلے میں کبھی ہاتھ نہ ڈالنا" آؤ میں تمھیں ایک قصہ سنائی
ایک گاؤں میں حامد اور محمود نام دو بچے رہتے تھے دونوں میں بہت
دوستی تھی مدرسے ساتھ ساتھ جاتے۔ ساتھ ہی کھیلتے اور ساتھ ہی سیر
کو جاتے۔ اُن دونوں کو چڑیوں کے پالنے کا بہت شوق
تھا۔ طرح طرح کی ترکیبوں سے چڑیوں کے بچے پکڑ لاتے اور اُنھیں بڑی
دلچسپی اور توجہ سے پالتے۔

ایک دن دونوں گاؤں سے باہر ایک باغ میں پہنچے حامد کی نظر
ایک درخت پر پڑی جس کے تنے میں اونچائی پر ایک
سوراخ تھا۔ پاس ہی ایک چڑیا بیٹھی تھی حامد نے
کہا: محمود بھیا اس درخت میں ایک سوراخ نظر
آرہا ہے۔ ایک چڑیا بھی پاس ہی بیٹھی ہے ہو نہ ہو
اس میں گھونسلا ہے بچے بھی ضرور ہوں گے

آؤ نکال نہ لیں؟ محمود نے کہا "بات تو ٹھیک ہے مگر درخت میں نیچے کوئی شاخ بھی تو نہیں چڑھیں گے کیسے؟"

حامد: "میرے کندھے پر کھڑے ہو جاؤ سوراخ تک پہنچ ہی جاؤ گے۔" حامد کو اور کیا چاہیئے تھا۔ جھٹ اُچک کر محمود کے کندھے پر سوار ہو گیا ادھر بے چاری چڑیا مارے ڈر کے اور اونچی شاخ پر جا بیٹھی اور شور مچانا شروع کیا کہ یہ ظالم میرا گھر تباہ کئے دیتے ہیں۔

حامد نے جوں ہی بچے نکالنے کے لئے سوراخ میں ہاتھ ڈالا کہ کسی نے زور سے چٹکی لی اور وہ ایکا ایکی دھم سے نیچے آرہا۔ محمود تم جانو بچہ تو تھا ہی گھبرا گیا۔ حامد کو ہلایا ڈلایا مگر وہ تو بے ہوش ہو چکا تھا محمود نے اوپر دیکھا تو ایک کالا سانپ سوراخ سے سر نکالے اپنی زبان اندر باہر کر رہا تھا۔

محمود زور سے چلایا "لوگو دوڑنا۔ سانپ نے کاٹ لیا!" آواز سن کر بہت سے لوگ آس پاس سے بھاگے بھاگے آئے۔ مگر سب گنوار کوئی جانے نہ بوجھے۔ وہ تو کہو خیریت ہو گئی اور حامد کی قسمت میں زندگی لکھی تھی۔ کہ اتفاق سے ایک ڈاکٹر صاحب اُدھر سے گذر رہے تھے اُن کے پاس سانپ کے کاٹے کی دوا تو تھی نہیں مگر خدا کا نام لے کر انھوں نے جھٹ پٹ زخم سے اوپر دو تین جگہ باندھ دیا اور زخم کو نشتر سے چیر کر خون نکال دیا۔ اس سے حامد کی جان تو بچ گئی۔ مگر بہت دنوں بعد جا کر اچھا ہوا۔ ماں باپ کو

بھی بہت پریشانی ہوئی۔

اب دونوں دوستوں نے تمام چڑیوں کو پنجرے سے آزاد کر دیا ہے۔ اور قسم کھائی ہے کہ کبھی گھونسلے میں ہاتھ نہ ڈالیں گے۔
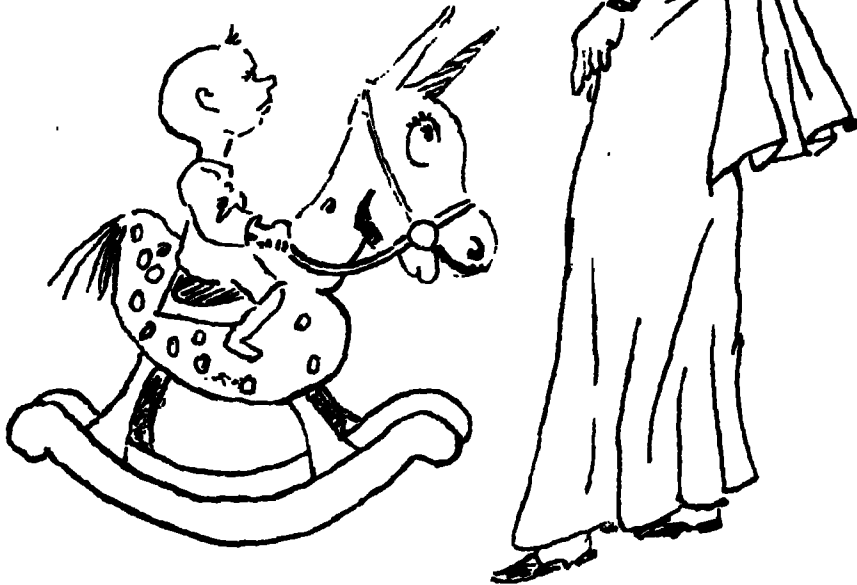
پنڈت جواہرلال

از رفیق احمد صاحب زکریا

پنڈت موتی لال کا نام تم نے اپنے بزرگوں سے
سُنا ہو گا یہ الہ آباد ہائی کورٹ کے مشہور وکیل اور ملک کے
سچے قومی خدمت کرنے والے تھے۔ اُن کے دل میں قوم
کی خدمت کی لگن تو شروع سے تھی مگر جب سے اُنھوں نے
اپنے پیارے وطن کی خاطر وکالت یا یوں کہوں کہ لاکھوں
روپے سالانہ کی آمدنی پر لات ماری اُس وقت سے تو
انھیں دن رات یہی دُھن رہتی تھی کہ کسی طرح ہماری
قوم دوسری آزاد قوموں کی طرح آزاد اور اپنی قسمت
کی آپ مالک ہو۔

پنڈت جی نے اس راستے میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں
مصیبتیں سہیں لیکن جو قدم آگے بڑھ چکے تھے وہ پیچھے
نہیں ہٹے۔ اور زندگی کے آخری گھڑیوں تک وہ اپنے
ملک ہی کی خدمت میں لگے رہے۔

پنڈت جواہرلال ان ہی موتی لال جی آں جہانی
کے اکلوتے سپوت ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں الہ آباد کے ایک
محلے میر گنج میں پیدا ہوئے ان کی تربیت اور تعلیم کا
انتظام انگریزی ڈھنگ پر کیا گیا پانچ برس کی عمر میں
انگریزی اُستانیاں مقرر کی گئیں، گیارہ سال کی
عمر تک یہ ان ہی سے پڑھتے رہے۔ پنڈت موتی لال جی
ان کی تندرستی کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اسی لئے ۱۸۹۶ء
میں انھیں اپنے پورے خاندان کے ساتھ کشمیر لے گئے

۱۹۰۰ء میں پنڈت موتی لال جی نے ان کی تربیت
ایک ایسے استاد کے سپرد کی جو بہت نیک دل اور سادہ
مزاج تھے اور جنھوں نے ان تین باتوں کو اپنی زندگی
کا اصول قرار دے لیا تھا یعنی۔ سب مذہبوں کے لوگوں
سے یکساں بھائی چارے کا برتاؤ۔ ہر انسان سے پریم
محبت اور دوستی، اور نیک کام۔ اس اچھے استاد کی نیک
دلی اور سادہ زندگی کا پنڈت جواہرلال پر بہت اچھا
پڑا اور یہ تینوں باتیں ان کی طبیعت میں جڑ پکڑ گئیں۔

۱۹۰۵ء میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ
انگلستان گئے اور وہاں کے مشہور پبلک اسکول ہیرو
(Harro.) میں داخل ہوگئے ۱۹۰۷ء
میں یہاں سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم
کیمبرج کے ٹرنیٹی کالج میں پائی۔ یہاں ان کے ساتھیوں
میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، جناب تصدق احمد خاں صاحب
شروانی مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمود۔ جناب عبد المجید خواجہ
صاحب اور چیف جسٹس سر شاہ محمد سلیمان خاص طور سے
ذکر کے قابل ہیں ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی حیثیت سے
ملک میں عزت اور شہرت حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں پنڈت
جواہرلال نے ام اے اور بیرسٹری کی ڈگری لی اور
یورپ کے ملکوں کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان واپس
آگئے اور الہ آباد ہائی کورٹ میں بیرسٹری شروع کر دی۔

۱۹۲۰ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس کام میں آپ کا جی نہ لگتا تھا۔ اس زمانے میں وہ قومی کاموں میں بہت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

۱۹۱۶ء میں دلی کے مشہور کشمیری خاندان میں جواہر مل کول کی لڑکی کملا کول سے ان کی شادی ہوئی ۱۹۱۷ء میں ان سے ایک لڑکی اندرا پیدا ہوئی یہ آج کل سوئزرلینڈ میں پڑھ رہی ہے۔ کملا نہرو بڑی نیک بی بی تھیں۔ انھوں نے قومی کاموں میں اپنے شوہر کا بڑے جوش سے ساتھ دیا ہر طرح کی تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھائیں یہاں تک کہ ان کا نازک جسم ان تکلیفوں کا بوجھ نہ سہار سکا ایک عرصہ تک بیمار رہیں اور فروری ۱۹۳۶ء میں جرمنی میں انتقال کیا۔

پنڈت جی نے ۱۹۱۲ء سے اب تک ۲۴ سال میں قوم و ملک کے لئے جو کام کئے ہیں ان کی تفصیل کی اس مختصر سے مضمون میں کہاں گنجائش پھر بھی ہم ان کا تھوڑا تھوڑا حال بیان کریں گے۔

وہ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کی سب سے بڑی قومی انجمن کانگریس کے باقاعدہ ممبر بنے ۱۹۱۴ء میں انھوں نے اس زمانے کے مشہور قومی خادم مسٹر گوکھلے کی اپیل پر افریقہ کے ہندوستانیوں کے لئے پچاس ہزار روپے جمع کئے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں صوبہ متحدہ کے غریب کسانوں کی اصلاح کا کام کیا۔ اسی زمانے میں مہاتما گاندھی کی تحریک میں شریک ہوگئے۔ بیرسٹری چھوڑ دی اور اپنی ساری زندگی قومی کاموں کے لئے وقف کر دی۔ ۱۹۲۱ء میں انگریزی حکومت نے قومی کاموں کے سلسلے میں چھ مہینے کی سزا دی لیکن چند ہفتوں کے بعد چھوڑ دئے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں پھر اٹھارہ مہینے کی سزا ہوئی ۱۹۲۳ء میں جیل سے چھوٹے اسی سال پنجاب کی ریاست نابھہ میں سکھوں پر سخت ظلم کئے جا رہے تھے پنڈت جی اس کی تحقیقات کے لئے نابھہ روانہ ہوگئے۔ ریاست کے افسروں کی طرف سے انھیں ریاست میں داخل ہونے سے حکماً روکا گیا اور جب یہ حکم انھوں نے نہ مانا تو گرفتار کر لئے گئے مقدمہ چلا اور ڈھائی سال کی سزا دے دی گئی لیکن بعد میں راجہ کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں ان کی بیوی شریمتی کملا نہرو زیادہ بیمار ہوگئیں تو انھیں لے کر سوئٹزرلینڈ گئے ۱۹۲۷ء میں روسی حکومت نے انھیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور یہ وہاں تشریف لے گئے وہاں سے واپسی کے بعد روس کے حالات پر ایک کتاب لکھی ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک ہندوستان کی مختلف قومی انجمنوں کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں وہ کانگریس کے سالانہ اجلاس (لاہور) کے صدر منتخب ہوئے اور یہ سب سے بڑی عزت تھی جو ہندوستان اور ہندوستانی قوم اُن کے سامنے پیش کر سکتی تھی، اپریل ۱۹۳۰ء میں حکومت نے انھیں پھر چھ مہینے کی سزا دی ۱۴۔ اکتوبر کو رہا ہوئے لیکن صرف ۷ دن جیل سے باہر رہے۔ ۱۹ اکتوبر کو پھر گرفتار کئے گئے ابکی انھیں دو سال کی سزا دی گئی۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں حکومت نے پھر گرفتار کیا اور ڈھائی سال کی سزا دی۔ ۳۰۔ اگست ۱۹۳۳ء میں اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے رہا ہوئے۔ ۱۵۔ جنوری ۱۹۳۴ء میں بہار میں زلزلہ آیا پنڈت جی زلزلے کے علاقے میں خود تشریف لے گئے

اور بابو راجندر پرشاد کے ساتھ وہاں مزدوروں کی طرح کام کیا۔ بہار سے کلکتے گئے وہاں دو تین تقریریں کیں ان تقریروں کی وجہ سے پھر گرفتار کئے گئے اور جیل میں پہونچا دیئے گئے اس زمانے میں شریمتی کملا نہرو برابر بیمار رہیں۔ اگست ۱۹۳۵ء میں حالت زیادہ نازک ہوئی تو رہا کر دیئے گئے لیکن ۷۔ دن کے بعد پھر جیل واپس بھیج دیئے گئے۔ اور کملا نہرو کو جرمنی بھیجنے کا انتظام کیا گیا وہاں جب اُن کی حالت دن بدن خراب ہونے لگی تو ۳۔ ستمبر کو پنڈت جی رہا کر دیئے گئے اور ۴۔ ستمبر کو ہوائی جہاز سے جرمنی روانہ ہو گئے۔ ۸۔ فروری کو شریمتی کملا نہرو کا انتقال ہو گیا۔

پنڈت جی ابھی جرمنی ہی میں تھے کہ ملک نے دوسری بار انھیں کانگریس کا صدر چنا مارچ میں وہ ہندوستان تشریف لائے اور ۱۲۔ اپریل کو لکھنؤ میں کانگریس کے سالانہ جلسے کی صدارت کی۔

تم نے اس مختصر سے بیان سے اندازہ لگایا ہوگا کہ اس ۴۴ برس کے عرصے میں ان کا زیادہ وقت جیل ہی میں گزرا۔ تمھیں یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ جیل کی زندگی بھی پنڈت جی نے بہت مفید کاموں میں گزاری اپنی بیٹی اندرا کو انھوں نے جیل ہی میں بیٹھ کر خط لکھے تھے۔ یہ خط کتابی صورت میں بھی چھپ گئے ہیں ان میں سے ایک حصے کا اُردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے تمھیں موقع ملے تو انھیں ضرور پڑھنا۔ ان میں دنیا کی تاریخ بیان کی گئی ہے نہایت سادہ اور دلچسپ انداز میں۔ انھوں نے اپنی آپ بیتی بھی لکھی ہے، سنا ہے کہ اس کا ترجمہ مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے بہت جلد شائع ہوگا۔

پنڈت جواہر لال کی زندگی شروع میں بہت عیش آرام سے گزری۔ کسے یقین تھا کہ شہزادوں کی زندگی بسر کرنے والا جواہر قوم کی خاطر اس طرح مصیبتوں کی آگ میں کود پڑے گا۔ اور اپنے لئے وہ راستہ اختیار کرے گا جس میں شروع سے آخر تک کانٹے ہی کانٹے ہیں اور منزل بہت دور! واقعہ یہ ہے کہ اپنے ہم وطنوں کی محتاجی غریبی اور مفلسی کی مصیبت اور سب سے بڑھ کر غلامی کی ذلت کے احساس نے یہ راستہ اختیار کرنے پر انھیں مجبور کر دیا ہے۔

اس مضمون کے آخر میں ہم اُس رائے کو نقل کرنا چاہتے ہیں جو مہاتما گاندھی نے پنڈت جی کے متعلق ظاہر کی ہے۔

"بہادری میں کوئی اُن سے بڑھ نہیں سکتا وطن کی محبت میں کوئی ثانی نہیں۔
ان میں ایک بہادر آدمی کی سی تیزی اور پڑھے لکھے سمجھ دار آدمی کی سی سمجھ بوجھ ہے وہ ایک ہیرے کی مانند پاک و صاف ہیں۔ سچائی سے انھیں عشق ہے۔ اور اس میں شبہے کی مطلق گنجائش نہیں وہ ایک بے داغ اور بہادر سپاہی ہیں قوم ان کے ہاتھ میں محفوظ ہے"

طلسمی بانسری

آج میں اپنے عزیز عابد حسین صاحب عرف للن میاں مرحوم کا ایک ڈرامہ بھیج رہا ہوں خدا بخشے للن میاں بہت ذہین اور ہونہار تھے اور اگر بے رحم موت انہیں اس قدر جلد ہم سے جدا نہ کر دیتی تو وہ ملک اور قوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے انہیں بچوں کے ناٹک Children's Play لکھنے کا خاص شوق تھا اگر یہ ناٹک بچوں کو پسند آیا۔ تو ان کے لکھے ہوئے کئی دوسرے ناٹک بھی پیش کروں گا۔

یہ ناٹک گرم Grimm کی ایک کہانی میجک فڈل (Magic Fiddle) کو سامنے رکھکر لکھا گیا ہے۔ (اظہر)

(از جناب سید عابد حسین صاحب مرحوم لکھنوی)

ایک کوتوال، دو سپاہی، چند لڑکوں کی ایک جماعت،

(سین، گاؤں کی ایک سڑک۔ چند طالب علم ہنستے کھیلتے چلے جاتے ہیں، دوسری طرف سے ایک فقیر بھیک مانگتا آتا ہے)

دے دے خدا کی راہ میں بابا! ہمت ہے گر دینے کی
چاہے اگر تو مانگ لے مجھ سے ہمت ہے گر لینے کی
دیدے خدا کی راہ ....

سب لڑکے۔ قہقہہ لگاتے ہیں، کوئی بڈھے فقیر کا منہ چڑھاتا ہے۔ کوئی اس کی نقلیں اتارتا ہے، فقیر سڑک پر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

ڈرامے میں کام کرنے والے۔
ایک بڈھا فقیر، ایک نیک دل لڑکا، ایک مسافر

ایک خوبصورت بھولا بھالا لڑکا گاتا ہوا آتا ہے

ہر ایک طرف گرم ہے بازار خدا کا

لڑکا۔ ہر ملت و مذہب ہے خریدار خدا کا

ہر پھول میں ہر رنگ میں خوشبو ہے اسی کی

کیا کیا ہے نہ پھولا ہوا گلزار خدا کا

ہر ایک طرف گرم ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(اپنی جیب سے چمکدار پیسے نکالتا ہے۔ اور دیکھ کر آپ ہی آپ ہنستا ہے)

بڈھا فقیر۔ سلام۔ چھوٹے میاں سلام! آپ تو ایسے خوش ہیں کہ پھولے نہیں سماتے۔

لڑکا۔ کیوں نہ خوش ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے نہ تو دنیا کی کوئی فکر ہے اور نہ کوئی تکلیف، میری جیب بھری ہے (پیسے بجاتا ہے) بس اتنا سا کام ہے کہ ان پیسوں کو خرچ کردوں۔

بڈھا فقیر۔ اچھا چھوٹے میاں! بھلا آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں؟

لڑکا۔ (مسکرا کر) دیکھئے کیسے چمکدار پیسے ہیں! جیسے ابھی ٹکسال سے نکلے ہوں۔۔۔۔ ایک۔۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین۔۔۔۔۔ چار۔۔۔۔ پانچ۔۔۔۔

بڈھا فقیر۔ ارے میاں! مجھ غریب دکھیا کے حال پر ترس کھاؤ۔ در در پھرتا رہا۔ مگر ابھی تک ایک ڈبل نہیں ملا اللہ کے نام پر خدا کے واسطے کچھ اس غریب کو بھی دے دو!

لڑکا۔ شوق سے۔ ایک۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین۔۔۔۔

بڈھا فقیر۔ (خوش ہو کر) اللہ تمھیں سلامت رکھے بڑی عمر والا بچہ ہے سخی کا دل ناریل کے مانند ہے کہ ظاہر میں سخت مگر اندر سے نرم۔ اور بخیل کا دل بانس کے مانند ہے کہ ظاہر میں سخت اور اندر سے خالی۔ سنو میاں! مجھ غریب کی زبان میں خدا نے ایسا اثر دیا ہے۔ کہ جو کہہ دوں وہی ہو جائے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہر پیسے کے عوض ایک خواہش پوری ہوگی۔

لڑکا۔ پہلی خواہش یہ ہے۔ بابا کہ مجھے ایک بانسری مل جائے جب میں اسے بجاؤں تو ہر شخص ناچنے لگے۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ کوئی بدمعاش مجھے ہرا نہ سکے، تیسری یہ کہ ہر شخص میری مرضی کے مطابق کام کرے۔

بڈھا فقیر۔ (کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے تھیلے سے ایک بانسری نکالتا ہے۔)

لو یہ ہے بانسری۔ اس سے تمھاری دوسری دونوں خواہشیں بھی پوری ہو جائیں گی۔

لڑکا۔ سلام! شکریہ

بڈھا فقیر۔ سلام! بیٹا جیتے رہو۔

(بڈھا چلا جاتا ہے۔ ایک مسافر آتا ہے، لڑکا بانسری بجاتا ہے۔ مسافر ناچنے لگتا ہے۔ جتنی تیز بانسری بجاتا ہے اتنی ہی جلد جلد مسافر ناچتا ہے)

مسافر۔ بند کرو۔ بند کرو۔ خدا کے لئے بند کرو، میں اب زیادہ ناچنا نہیں چاہتا۔

لڑکا۔ (بانسری بجاتے ہوئے) خود کیوں نہیں رک جاتے

مسافر۔ بند کرو۔ خدا کے واسطے۔ میرا دم پھول رہا ہے۔ ارے میں مرا۔۔۔ مرا (لڑکا بانسری بجائے جاتا ہے)

مسافر۔ اگر تم بجانا بند کرو، تو میں اشرفیوں کا ایک توڑا حوالے کروں۔ رحم کرو، میاں! رحم کرو (لڑکا بانسری بجانا بند کر دیتا ہے)

لڑکا۔ (ہنسکر) واقعی آپ اتنا اچھا ناچتے ہیں کہ دل بند کرنے کو نہیں چاہتا۔ مگر آپ کی خاطر منظور ہے۔

مسافر۔ خیر اشرفیوں کا یہ توڑا لو۔

لڑکا۔ شکریہ (دل میں) خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے۔ جس نے مجھے یہ دولت بخشی، شاید یہ اسی خیرات کا بدلہ ہو جو میں نے اس بڈھے فقیر کو دی تھی۔

مسافر۔ (کچھ دور جا کر پھر لوٹتا ہے) اچھا اب خیریت

دہائی ہے حضور کی! دہائی ہے۔ (زمین پر گر پڑتا ہے)

کوتوال۔ (دوڑ کر) ارے! کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟

مسافر۔ (آہستہ آہستہ) حضور! میں مر گیا۔ میرا مال لٹ گیا۔

کوتوال۔ کیا اسی لڑکے نے تمھیں لوٹ لیا؟

مسافر۔ حضور! کیا اس کے پاس بانسری ہے؟

کوتوال۔ ہاں۔

اسی میں ہے کہ سیدھے ہاتھ سے واپس کردو۔ (غصہ ہو کر) میں کہتا ہوں کہ میرا توڑا مجھے واپس کردو۔

(چھیننے کی کوشش کرتا ہے لیکن لڑکا اسے مضبوطی سے پکڑے رہتا ہے)

اچھا! وہ دیکھو کوتوال صاحب آرہے ہیں کانسٹبل بھی ساتھ ہیں (چلا کر اور اپنے ہاتھ بڑھا کر) مدد! مدد!!

مسافر۔ یہی لڑکا ہے۔ اسی نے میری اشرفیوں کا توڑا لے لیا ہے۔

لڑکا۔ نہیں جناب! اس نے خود مجھے یہ تھیلی دی ہے میں بانسری بجا رہا تھا، لیکن اس نے بڑی خوشامد کی کہ میں اسے روک دوں، اور اس کے بدلے میں اس نے مجھے یہ رقم دی ہے۔

مسافر۔ (ہنس کر) واہ! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے چوری اور سینہ زوری۔

کوتوال۔ (کانسٹبل سے) گرفتار کرلو اور حوالات میں بند کردو۔ (کانسٹبل رسی باندھتا ہے)

مسافر۔ (قہقہہ لگاکر) سمجھے میاں! ہر فرعونے راموسیٰ۔

لڑکا۔ (مسافر سے) بیوقوف! سانچ کو آنچ کہاں کیا تیرے الزام لگانے سے میں چور بن سکتا ہوں۔ (دل میں) کسی طرح ایک بار بانسری پھر بجاؤں۔ اور اسے مزا چکھاؤں۔

(کوتوال سے) جناب میری ایک عرض ہے۔

کوتوال۔ میں پوچھنے والا ہی تھا۔ کہو؟

لڑکا۔ میں ایک مرتبہ بانسری بجانا چاہتا ہوں۔

مسافر۔ (خوشامدانہ لہجے میں) حضور نہیں! خدا کے واسطے رحم کیجئے۔ بانسری بجانے کی اجازت نہ دیجئے۔

کوتوال۔ (کچھ سوچ کر) کوئی ہرج نہیں بجاؤ۔

(لڑکا بانسری بجاتا ہے۔ اور سب ناچنے لگتے ہیں)

کوتوال۔ بند کرو۔ اگر تم بند کردو تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔

(لڑکا بانسری بجانا بند کر دیتا ہے۔ کانسٹبل رسی کھول دیتا ہے اور کوتوال ہانپتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے)

لڑکا۔ (مسافر سے) بولو۔ یہ اشرفیوں کا توڑا تمھیں کہاں سے ملا؟ سچ بتاؤ ورنہ میں ...... پھر بجاتا ہوں۔

مسافر۔ نہیں! نہیں!! اب نہ بجانا۔ میں نے یہ ایک رئیس کے ہاں سے چرایا ہے۔

کوتوال۔ (کانسٹبل سے) گرفتار کرلو اس موذی کو لڑکے ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ کہ تم نے ایک سچی بات کا سراغ لگانے میں مدد دی۔

لڑکا۔ جناب! یہ اس بانسری کی برکت ہے۔ اور سچ پوچھیے تو یہ اُن پیسوں کی برکت ہے۔ جو میں نے خیرات کئے تھے۔

(کوتوال، کانسٹبل مسافر کو لے جاتے ہیں اور وہی بڈھا فقیر آتا ہے۔ دونوں گاتے ہیں۔)

دے دے خدا کی راہ میں بابا! ہمت ہے گر دینے کی
چاہے اگر تو مانگ لے اس سے جو ہمت ہے گر لینے کی
دیدے خدا کی راہ میں ....

لطیفے

ہم پیام تعلیم میں ہر مہینے ایک صفحہ لطیفوں کے لئے خاص کردینا چاہتے ہیں۔ اور یہ انتظام مستقل رہیگا۔ بچے اچھے اچھے لطیفے چن کر بھیجیں۔ جس بچے کے لطیفے سب سے اچھے ہوں گے وہ پیام تعلیم میں شائع کئے جائیں گے۔ اور اُسے اچھا سا انعام بھی دیا جائے گا۔ جون کے پرچے کے لئے اچھے اچھے لطیفے بھیج دو۔

(ایڈیٹر)

ایجادوں کی کہانی

(از جناب مرزا سیفی دہلوی)

اس سے پہلے ہم تمہیں مسلمان بادشاہوں کی چند دلچسپ باتوں کا حال سنا چکے ہیں۔ آج ایک اور مفید اور دلچسپ مضمون ایجادوں کی کہانی بھی سنو۔ اس کہانی کے پڑھنے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ ہر کام کی طرح کسی چیز کی ایجاد یا دریافت میں بھی علم، ارادے، ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے، کولمبس میں اگر ہمت اور ارادہ نہ ہوتا تو وہ نئی دنیا (امریکہ) کو کبھی دریافت نہ کر سکتا تھا۔ درختوں سے پھل ٹپکا ہی کرتے ہیں اور ہم تم روز سیب یا دوسرے پھلوں کو زمین پر گرتے دیکھتے ہیں کبھی اس طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔ اسحاق نیوٹن بھی اگر عالم، فلسفی اور سائنس داں نہ ہوتا تو اس کے دل میں کبھی وہ خیال نہ پیدا ہوتا۔ جس نے علم کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اسی طرح دوسری ایجادوں کا حال ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض عجیب وغریب باتیں اس طرح ایکا ایکی معلوم یا دریافت ہو جاتی ہیں کہ پہلے سے اُن کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اُن کو سمجھنا۔ اُن سے کام لینا۔ اور اُن کے ذریعے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا، بغیر علم، عقل اور تجربے کے کس طرح ممکن ہو۔ اچھا آؤ اب دلی کے مرزا سیفی صاحب کی زبانی یہ دلچسپ کہانی سنو!

(ایڈیٹر)

(۱) تم نے اپنے اسکول کی کسی کتاب میں پڑھا ہوگا۔ کہ یورپ والوں کو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے عرصے سے ہندوستان جیسے دولتمند ملک کی تلاش تھی نہر سویز اس وقت تک کھلی نہ تھی، خشکی کے راستے بہت دشوار تھے۔ یورپ کا ایک مشہور جہاز ران کولمبس نامی اپنے چند ٹوٹے پھوٹے جہاز لے کر جینوا (اٹلی) سے سیدھا مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا خیال تھا زمین گول تو ہے ہی، میں سیدھا مغرب کی طرف جانے سے ہندوستان پہنچ جاؤں گا لیکن اتفاق کی بات وہ دو مہینے بعد ۱۱ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو ہندوستان کی بجائے، ایک بالکل نئی سرزمین (امریکہ) پر جا اُترا۔ جس کے نام سے بھی پرانی دنیا والے اس وقت تک بے خبر تھے۔ آج اسی امریکہ سے ہزاروں من سونا کھود کر نکالا جا چکا ہے۔ اور وہی امریکہ آج دنیا کا سب سے دولتمند ملک شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سر اسحاق نیوٹن انگلستان کا ایک بہت بڑا سائنس داں اپنے باغیچہ میں بیٹھا تھا سامنے درخت میں سے ایک سیب ٹوٹ کر زمین پر آن پڑا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ سیب درخت سے ٹوٹ کر زمین پر کیوں گرا؟ آسمان پر یا اِدھر اُدھر کیوں نہ چلا گیا ضرور زمین میں کوئی ایسی طاقت ہے کہ ہر چیز کو اپنی ہی طرف کھینچ لیتی ہے۔ سوچتے سوچتے اور بہت سے تجربے کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ زمین کے علاوہ چاند سورج اور ستارے سب اسی آپس کی کھینچ تان[1] کی بدولت اپنا اپنا مقررہ کام انجام دے رہے ہیں۔ جس دن یہ کھینچ

---

[1] اسے اصطلاح میں کشش ثقل کہتے ہیں
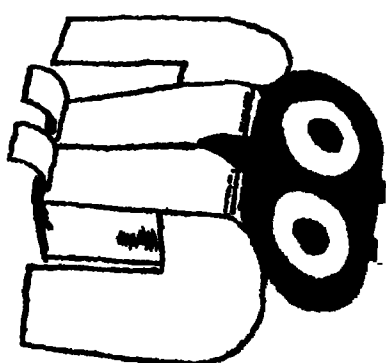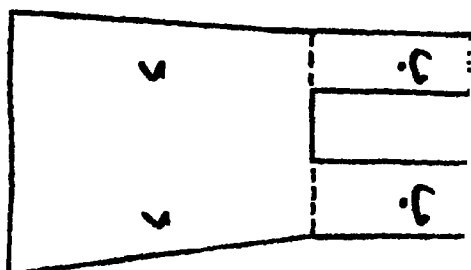
اُلّو

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک عکس اتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا اصلی نقشے سے مقابلہ کرکے اسے بالکل درست کر لو۔

۳۔ جہاں جہاں سیاہی بھری ہے وہاں تم بھی رنگ یا سیاہی بھر دو اور اُسے خوب سوکھ جانے دو

۴۔ باہر والی لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو

۵۔ "ا" اور "ب" کے درمیان کے حصوں کو ٹھیک زاویۂ قائمہ پر کاٹو۔

۶۔ نقطے والی اور لکیر والی لکیروں کو موٹی سوئی سے کھرچ دو

۷۔ نقطے والی لکیروں کو نیچے کی طرف اور بڑے ٹکڑے والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑ دو

۸۔ "ا" کے حصوں اور "ب" کے حصوں کو ان کی پشت کی طرف چپکا دو۔

۹۔ "د" کے حصوں کو "ج" کے حصوں پر چپکا دو۔

۱۰۔ "ج" کے پشت والے حصوں کو "ب" پر چپکا دو

۱۱۔ اب چونچ اور پروں کو اسی طرح بناؤ جیسا تم تصویر میں دیکھ رہے ہو۔

۱۲۔ مرکز "س" کے حصوں پر چپکا دو۔

(۷)

شترمرغ

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک ٹھیک عکس اتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا اصلی نقشے سے مقابلہ کرو اور غلطیوں کو درست کرو۔

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو تم بھی سیاہی یا رنگ سے رنگ دو۔ انہیں خوب سوکھ جانے دو

۴۔ اپنے عکس کی باہر باہر کی لکیروں کو کاٹ لو۔

۵۔ نقطے والی اور ٹکڑے والی لکیروں پر موٹی سوئی سے کھرچ دو۔

۶۔ باریک نقطوں والی لکیروں کو نیچے کی طرف اور ٹکڑے والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑ دو

۷۔ "ا" کی پشت کو "ب" پر چپکاؤ۔

۸۔ "ج" بیچ حصے کی پشت کو "د" پر چپکا دو۔

۹۔ "ذ" کی پشت کو "س" پر چپکا دو۔

۱۰۔ "ظ" کی پشت کو "ص" پر چپکا دو۔
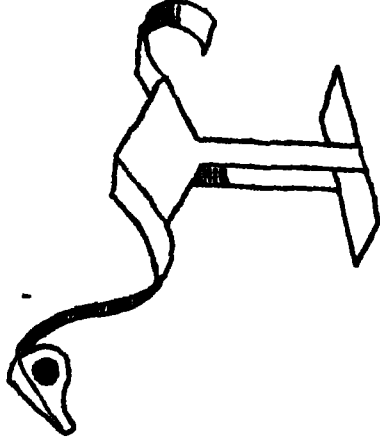
۱۱۔ "ع" کی پشت کو "ق" پر چپکا دو۔

۱۲۔ اب گردن اور قدم بناؤ۔ گردن کو پنسل اور انگوٹھے کے درمیان رکھ کر خم کر دو۔ بدن سے گردن کے بیچ تک پنسل کاغذ کے اوپر اور انگوٹھا کاغذ کے نیچے رہے۔ گردن کے بیچ سے سر تک پنسل کو کاغذ کے نیچے اور انگوٹھے کو اوپر رکھ کر کھینچو

۱۳۔ اسی طرح دم بھی بناؤ اور اپنے شترمرغ کا تصویر سے مقابلہ کرو

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک ٹھیک عکس اتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا اصل نقشے سے مقابلہ کرو۔ اور غلطیوں کو درست کر لو

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو نرم پنسل یا سیاہی سے بھر لو اور انھیں خوب سوکھ جانے دو

۴۔ باہر کی لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو۔

۵۔ جہاں جہاں پوری لکیریں ہیں انھیں بھی قینچی سے کاٹ لو۔

۶۔ تمام نقطے والی اور ٹکڑے والی لکیروں کو کھرچ لو۔

۷۔ جہاں نقطے والی لکیریں ہیں، وہاں کاغذ کو نیچے کی طرف موڑو اور جہاں ٹکڑے والی لکیریں ہیں، وہاں اوپر کی طرف موڑو

۸۔ "ا" کو "ب" پر چپکا دو۔

۹۔ "م" کو "ع" کی پشت پر چپکا دو۔
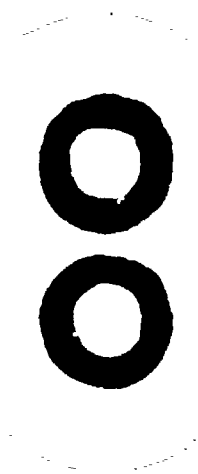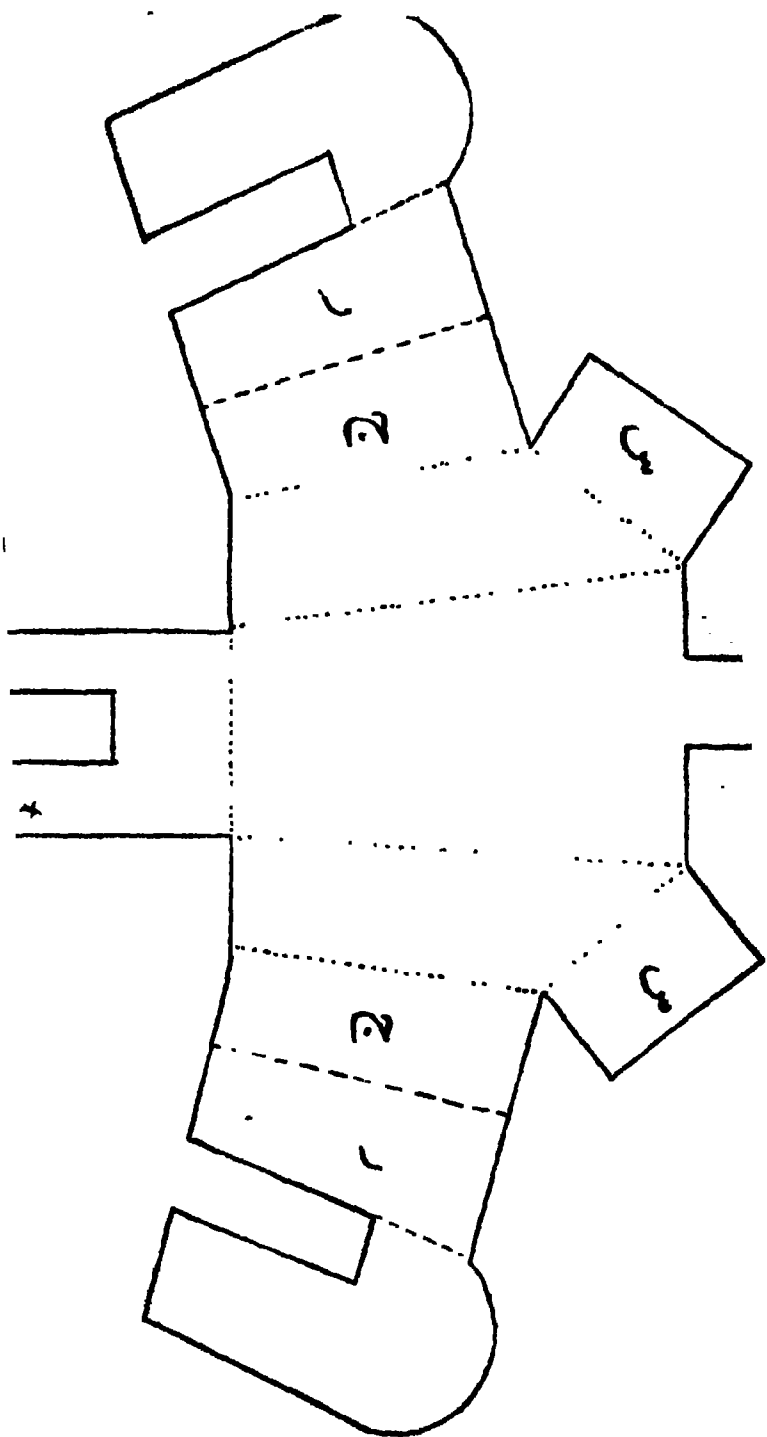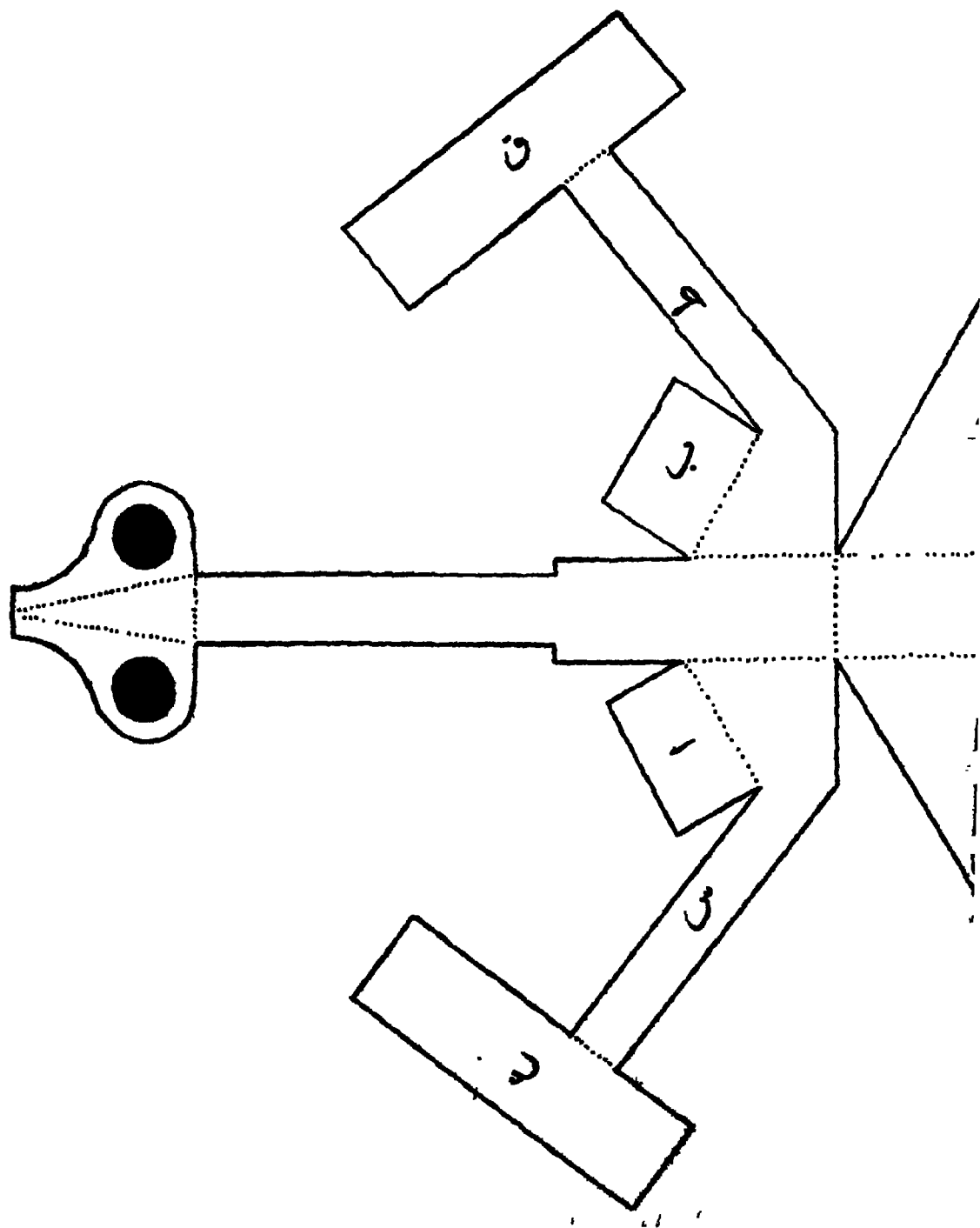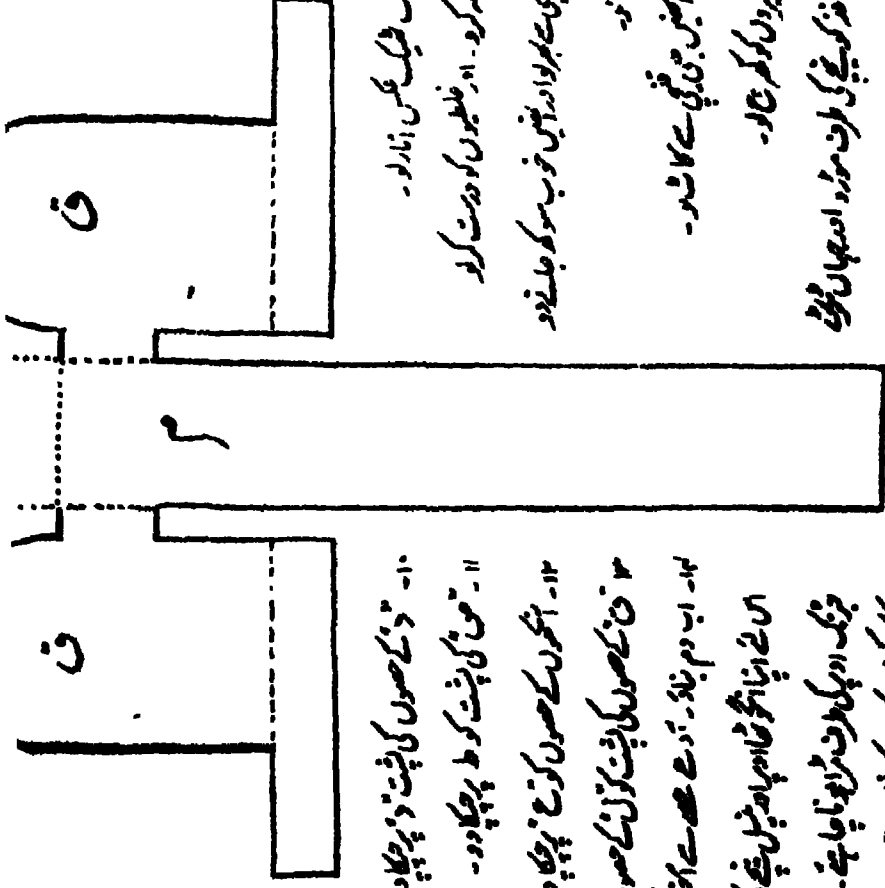
۱۰۔ "د" کے حصوں کی پشت "ذ" پر چپکا دو (اصل تصویر سے مقابلہ کر لو)

۱۱۔ "ص" کی پشت کو "ط" پر چپکا دو۔

۱۲۔ آنکھوں کے حصوں کو "ع" پر چپکا دو

۱۳۔ "ق" کے حصوں کی پشت کو "ل" کے حصوں پر چپکا دو (اصل تصویر سے مقابلہ کر لو)

۱۴۔ اب دم بناؤ۔ "ذ" کے حصے سے آخر تک دم نیچے کی طرف ہونی چاہئے اس لئے اپنا انگوٹھا اوپر اور پنسل نیچے رکھ کر کھینچو۔ دم کا دوسرا آدھا حصہ آخر تک اوپر کی طرف مڑا ہونا چاہئے۔ اس لئے انگوٹھا نیچے اور پنسل اوپر رکھ کر کھینچو تاکہ دم کی شکل انگریزی حرف "S" کی طرح ہو جائے

۱۵۔ اب اپنے کنگرو کا چھپی ہوئی تصویر سے مقابلہ کرو۔ اور کوئی غلطی ہو تو ٹھیک کر لو۔

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک عکس اُتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا اصلی نقشے سے مقابلہ کرو اور غلطیوں کو درست کر لو۔

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو رنگ یا سیاہی سے رنگ لو اور انہیں خوب سوکھ جانے دو۔

۴۔ تمام باہر کی لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو۔

۵۔ سیاہ لکیروں کو بھی جہاں تک وہ کھنچی ہوئی ہیں کاٹ لو۔

۶۔ نقطے والی اور ٹکڑے والی لکیروں کو سوئی سے کھرچ دو۔

۷۔ تمام نقطوں والی لکیروں کو نیچے کی طرف اور ٹکڑے والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑ دو۔

۸۔ "ب" کی پشت کو "ا" کی پشت پر چپکا دو۔

۹۔ "ج" کی پشت والے حصے کو "د" پر چپکا دو

۱۰۔ "ذ" کی پشت کو "س" پر چپکا دو۔

۱۱۔ "ص" کی پشت کو "ط" پر چپکا دو۔

۱۲۔ "ع" کو ق پر چپکا دو

۱۳۔ "ل" کی پشتوں کو "ع" کی پشت پر چپکا دو۔

۱۴۔ کانوں کی اصلی جگہ پر جو تم تصویریں دیکھتے ہو۔ گوند یا لئی لگا دو

ج

د

(۸) قطبی بھالو
(۹) کنگرو

کی طاقت ان سے چھین لی گئی۔ اسی دن ساری دنیا لوٹ پوٹ ہو جائے گی۔ کبھی کبھی تم نے کوئی تارا ٹوٹ کر گرتے دیکھا ہوگا۔ غالباً اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کھینچنے کی قوت کمزور پڑ گئی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر زمین کی طرف کھنچ آیا۔

(۳) یونان کے کسی بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک تاج خالص سونے کا بنوایا تھا۔ جب وہ بن کر تیار ہو گیا۔ تو بادشاہ کو شبہ ہوا کہ جتنا سونا دیا گیا تھا اتنا ہی اس تاج میں موجود ہے یا کچھ کم۔ اس بات کی تحقیق کے لئے اپنے تمام امیروں وزیروں کو جمع کیا۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ بات کس طرح معلوم کی جائے سب اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ سب سے بڑا عقلمند حکیم ارشمیدس نامی ایک روز حمام میں غسل کرنے گیا۔ وہاں حوض میں اُسے سونے کے آبخورے (کٹورے) پانی پر تیرتے دکھائی دیئے۔ جن کا کچھ حصہ پانی کے اندر ڈوبا ہوا تھا۔ اور کچھ اوپر تیر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر تاج کا اصلی سونا معلوم کرنے کی تدبیر اس کی سمجھ میں آ گئی۔ کہتے ہیں یہ بات معلوم ہوتے ہی خوشی میں وہ ایسا بے خود ہوا کہ بے تحاشا حمام سے "میں نے پالیا۔ میں نے پالیا" کہتا ہوا ننگا باہر چلا آیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ اس نے پہلے تاج میں پانی بھر کر دیکھا، اب جتنا پانی اس تاج میں سمایا تھا، اس کا وزن معلوم کیا تو تاج کے اصلی وزن کے برابر تھا، بس اس دن سے "وزن مخصوص" معلوم کرنے کا طریقہ دریافت ہو گیا۔

(۴) شیشے اور کانچ کے ہزار ہا قسم کے برتنوں، جھاڑ فانوس وغیرہ کا کچھ دنوں پہلے کوئی نام بھی نہ جانتا تھا اتفاق کی بات اہل فونیشیا کے ایک قافلے نے رات کے وقت ایک جنگل میں پڑاؤ کیا۔ کھانا پکانے اور سردی سے بچاؤ کے لئے آگ سلگائی۔ صبح کو چلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس جگہ انھوں نے رات بھر آگ جلائی تھی۔ وہاں زمین پر کانچ کے بڑے بڑے ٹکڑے سورج کی روشنی میں پڑے چمک رہے تھے۔ معلوم ہوا اس زمین میں کانچ کے ذرے تھے جو آگ کی گرمی سے پگھل کر کانچ کی شکل میں جم گئے۔ وہ لوگ ان ٹکڑوں کو تحفہ کچھ کر اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اسی دن سے دنیا کانچ یا شیشہ کے نام سے واقف ہو گئی۔ پھر کیا تھا۔ آہستہ آہستہ ہر جگہ شیش محلوں میں آئینہ بندی ہونے لگی۔ اور ہزاروں قسم کے ڈاکٹری اوزار اور دوسری آرائش کی چیزیں روزانہ ڈھلنے لگیں۔

(۵) ایک روز کا اتفاق سنئے۔ کسی تھیٹر کا منیجر بہت رات گئے اپنے دفتر میں بیٹھا۔ دوسرے روز شہر میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ اشتہار وغیرہ لکھ رہا تھا اس کے کمرہ کی کھڑکی میں سے ہوا کا جھونکا آیا۔ میز سے ایک کاغذ اڑ کر پانی کے ٹب میں جا پڑا۔ منیجر اپنا کام ختم کر کے اٹھا۔ کمرہ کی کھڑکی بند کی، پانی میں سے کاغذ اُٹھایا، میز پر جاذب بچھا تھا۔ اس پر گیلے کاغذ کو رکھ کر اوپر سے استرہ تیز کرنے کا پتھر رکھ دیا۔ تاکہ دوبارہ ہوا میں نہ اڑ جائے اور لیمپ گل کر کے اطمینان سے سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ اس کے لکھے ہوئے اشتہار کے حروف پتھر پر بجنسہٖ موجود تھے۔ اور روشنائی لگانے سے دوسرے کاغذ پر ویسے ہی اتر آئے تھے۔ یہ معلوم کر کے منیجر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اُسے اپنے ٹکٹوں اور اشتہاروں وغیرہ کے لکھنے اور چھاپنے میں بہت محنت کرنی پڑتی تھی لو صاحب — اب مسٹر سینی فیلڈر نے لیتھو یا پتھر کا چھاپہ

بھی ایجاد کرلیا۔ یہ ۱۴۵۰ء کی بات ہے۔ اس سے پہلے لکڑی اور سیسہ کے حرفوں سے چھاپنے کا طریقہ ۱۴۳۸ء سے جاری تھا آج لاکھوں کتابیں دنیا میں اس چھاپہ کے طفیل محفوظ ہیں اور لوگ اس صنعت کی بدولت کروڑوں روپیہ کما کر مالا مال ہو رہے ہیں۔

(۷) ایک اور صاحبزادے کی کہانی تم نے اپنی اُردو کی کتاب میں پڑھی ہوگی۔ ان کا نام تھا جارج اسٹیفن۔ یہ قوم کے لوہار یا خدا معلوم کیا تھے۔ مگر بچپن سے انہیں مشینوں کے کل پرزے درست کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ بھی ایک رات اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھے چار کے واسطے پانی گرم کر رہے تھے۔ اتفاقاً پانی ضرورت سے زیادہ کھول گیا۔ اور کیتلی کا ڈھکنا بھاپ کے زور میں اُچھل اُچھل کر اوپر ہوا میں ناچنے اور گر گر پڑنے لگا۔ پہلے پہل یہ صاحبزادے بھی ڈر کر اُچھل پڑے اور سمجھے کہ کمرے میں کوئی بھوت گھس آیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ بات اُن کی سمجھ میں آگئی کہ کمرے میں ان کے سوا اور کوئی بھوت نہیں، اور یہ صرف بھاپ کی طاقت کا کرشمہ ہے۔ پھر کیا تھا اب تو انھوں نے بھاپ کے بھوت کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اسی بھوت نے ایک طرف پانی پر دخانی جہاز اور دوسری طرف خشکی پر بہت سی مشینیں جاری کردیں۔ ان ہی جارج اسٹیفن نے اپنی انجنیری کے کمال سے ۱۸۱۴ء میں ریلوے انجن بنا کر کھڑا کردیا۔ بلکہ ۱۸۲۵ء میں میلوں تک ریل بھی دوڑا دی۔ اور اس غیر معمولی بھوت کو قبضہ میں کرنے کے طفیل بہت دولت بھی جمع کرلی۔

(۸) ایک اور صاحب کی سنئے۔ یہ بھی ایک روز رات کو کمرہ بند کئے انگیٹھی کے پاس اکیلے بیٹھے تاپ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی ایک قمیص انگیٹھی کے اوپر کھونٹی پر ٹنگی تھی آستین میں جو انگیٹھی کی گیس بھری۔ تو وہ کمرے میں چکر لگانے لگی۔ اوّل اوّل یہ بھی بڑے چکر میں آئے۔ کہ کھڑکیاں سب بند ہیں۔ نام کو ہوا کا گذر نہیں۔ پھر میری قمیص پر یہ کس جن نے قبضہ کرلیا۔ سوچتے سوچتے آخر کچھ سمجھ میں آگیا۔ اب کیا تھا۔ چلو حضرت انسان کو بھی چیل کوؤں کی طرح آسمان پر اُڑنے کی سوجھنے لگی۔ لو صاحب پہلے محض غبارہ ہی ہوا میں اُڑا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بیلون بننے لگے، کل کی بات ہے کہ جنگ عظیم میں زیپلن صاحب نے وہ اُدھم مچائی کہ خدا کی پناہ۔ آج جدھر دیکھو ہوائی جہازوں کی دوڑیں ہیں اور ہوائی مقابلہ۔ جگہ جگہ ہوائی ڈاک کے اسٹیشن بن رہے ہیں

(۸) امریکہ میں تھامس اڈیسن کا نام آج بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ انھوں نے ابھی چند سال ہوئے قریب قریب نوّے برس کی عمر میں انتقال کیا ہے۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے موجد شمار کئے جاتے ہیں۔ بجلی اور بجلی کے متعلق بہت سی ایجادیں انھوں نے کر ڈالیں۔ زمانۂ حال کی ایک سو سے اوپر ایجادوں کا سہرا ان کے سر ہے۔ اور اپنی ان ہی ایجادوں کی بدولت وہ امریکہ میں کروڑپتی بن گئے۔ بجلی کے دیو کو قبضے میں لانے کا خیال بھی اول اول عجیب اتفاق سے پیدا ہوا تھا۔ کوئی صاحب بہت لمبی پتنگ اڑا رہے تھے۔ یکایک ان کی پتنگ بادلوں میں پھنس گئی۔ اور انہیں اپنے ہاتھ کے پاس دو تین مرتبہ ڈور پر بجلی سی دوڑتی ہوئی معلوم ہوئی بس پھر کیا تھا۔ بجلی بنانے اُسے قبضہ میں رکھنے اور اس سے طرح طرح کے کام لینے کے متعلق تجربے شروع ہوگئے بجلی کی روشنی، بجلی کے پنکھے، ٹیلیفون، ٹیلیگراف (تار برقی)

وائرلیس ٹیلیگراف (لاسلکی) ریڈیو، فوٹوگرافی، سینما ٹاگرافی (بولتا فلم) وغیرہ وغیرہ جیسی مشہور و معروف ایجادیں اڈیسن صاحب کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں۔ ٹڈے کو دیکھکر ساؤنڈ باکس اور گراموفون کی ایجاد کا خیال بھی آپ ہی جیسے بیدار مغز شخص کا کام تھا۔ ٹڈا اس جھلی منڈھے ہوئے کھلونے کو کہتے ہیں جس میں تانت باندھ کر دوسرا سرا سرکنڈے پر گھمانے سے مینڈک کے ٹرانے کی سی آواز نکلتی ہے۔ بعد میں لاؤڈ اسپیکر یا آلۂ صوت بھی اسی اصول کو سامنے رکھکر بنایا گیا ہے۔ غرض ان میں سے ہر ایک ایجاد کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔

(۹) ایجادوں کا کام کچھ یورپ و امریکہ والوں ہی پر ختم نہیں۔ کسی زمانہ میں ہندوستان اور عرب والوں نے بھی بہت سی ایجادیں کر ڈالی تھیں۔ بارود خاص عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ اس سے وہ پہاڑوں اور سرنگوں کے اڑانے میں مدد لیتے تھے۔ بھنگ بھی عربوں کی دریافت ہے۔ اسے عربی میں حشیش کہتے ہیں، اور سب سے پہلے اس کا اثر حسن بن صباح نے اپنے مریدوں پر آزمایا تھا۔ اس لئے اس فرقے والوں کو حشیشین کہنے لگے۔ بعد میں طبیب و جراح علاج میں سہولت کے لئے اپنے مریضوں کو دینے لگے جس طرح آجکل ڈاکٹر شراب استعمال کراتے ہیں۔

(۱۰) اسی طرح ہندوستان میں بھی اکثر ایجادیں ہوئی تھیں۔ بھلا نورجہاں بیگم کا نام کس نے نہ سنا ہوگا۔ یہ اکبر بادشاہ کے اکلوتے بیٹے نورالدین جہانگیر بادشاہ کی چہیتی ملکہ تھی۔ کہتے ہیں گلاب کا عطر اس کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ بات یہ تھی کہ شاہی حمام میں خوشبو کے لئے گلاب کے پھولوں سے حوض کو بھر کر گرم پانی سمویا جاتا تھا۔ ایک روز اتفاق سے ملکہ کو حوض کے پانی پر ایک قسم کی چکنائی سی تیرتی ہوئی نظر آئی، سونگھ کر دیکھا تو اس میں گلاب کے پھولوں کی خوشبو مہک رہی تھی۔ خیال کا آنا تھا کہ اسی وقت حکم دے دیا "آج سے . . . . . غسل سلطانی کے لئے گلاب کا عطر کھینچا جایا کرے"۔ بس پھر کیا تھا سینکڑوں من گلاب کے پھولوں کا عطر روزانہ کھنچنے لگا۔ گویا دیکھتے دیکھتے عطر کا ایک زبردست کارخانہ قائم ہو گیا۔ اور اسی بہانے ہزاروں خدا کے بندے پلنے اور مالا مال ہونے لگے۔

پیامی بچو! تم یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا میں ایجادوں کا سلسلہ اب بند ہو گیا۔ نہیں علم کا سمندر بے تھاہ ہے۔ جتنا اس میں غور کرو اور غوطے لگاؤ اتنا ہی اسے وسیع پاؤ گے۔ سر اسحاق نیوٹن جیسا عالم فاضل بھی آخر میں کہہ اٹھا کہ علم الٰہی کے سامنے میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے بیٹھا کنکریوں سے کھیلتا ہو۔ تم نے سنا ہوگا اسی جنگ عظیم میں جرمنی نے ایسا ایسا عجیب و غریب سامان جنگ تیار کیا کہ دنیا حیرت میں رہ گئی معمولی سی بات ہے کہ زمانہ جنگ میں سمندری راستے بند ہونے کے سبب ہندوستان اور جاوا وغیرہ سے شکر جانا بند ہو گئی تو سنا جرمنی نے فوراً چقندر وغیرہ سے قند تیار کر لی۔

تم نے دیکھ لیا کہ لوگ بطخوں کے پنجے اور پروں کو دیکھ کر کشتیوں کے چپو اور بادبان بنا سکتے ہیں۔ مچھلی کو دیکھ کر آبدوز کشتیاں تیار کر سکتے ہیں۔ چیل کوؤں کو دیکھ کر ہوائی جہاز اور ٹڈے کو دیکھکر گراموفون ایجاد کر سکتے ہیں، پھر کیا وجہ کہ تم اپنی عقل سے کام لے کر کوئی نئی یا پرانی چیز نہ بناسکو کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔

کسان

محمد ظہور الحق صاحب متعلم ابتدائی پنجم تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

تم نے کسان کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ تم میں سے جو گاؤں میں رہتے ہیں وہ تو کسان کو خوب جانتے ہوں گے کسی کسان سے اُن کی جان پہچان بھی ہوگی ہمارے ملک میں کسان بہت زیادہ رہتے ہیں۔ بہت سے آدمیوں نے بتایا ہے کہ ان کھیت میں کام کرنے والوں کی تعداد ۱۰۰ میں سے ۸۰ ہے۔ اور باقی ۲۰ آدمی اور دوسرے کام کرتے ہیں۔

تم کہوگے ہمیں ان باتوں سے کیا مطلب کسان کوئی قطب صاحب کی لاٹ تو ہے نہیں کہ اس کو دیکھنے اور اس کی باتیں سننے کو جی چاہے

ہاں بچو! بالکل ایسی ہی بات ہے۔ کسان

قطب صاحب کی لاٹ نہیں۔ نہ اُس کی باتیں سننے میں کوئی مزا آتا ہے اور نہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے پھر بھی وہ کام کا آدمی ہے، اسی لئے ہم اس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

تم کسان کا کام تو جانتے ہی ہو گے۔ صبح شام دونوں وقت تم اس کی محنت کا پھل چکھتے ہو یہ غلے، یہ دالیں، یہ ترکاریاں، سب اسی کی محنت سے تو پیدا ہوتی ہیں۔ اور تم ان سے اپنے لئے مزے مزے کے کھانے پکاتے ہو، تم کہو گے کہ یہ سب چیزیں تو ہمارے ابا جان یا بھائی صاحب بازار سے خرید لاتے ہیں ٹھیک ہے۔ مگر بازار میں کہاں سے آتی ہیں، دوکانوں میں تو پیدا نہیں ہوتیں، کھیت ہی سے آتی ہیں۔ کسان محنت کر کے جو کچھ پیدا کرتا ہے وہ بازار میں لا کر دوکانداروں کے ہاتھ مہنگا سستا بیچ جاتا ہے۔ اور پھر دوکاندار ہمارے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ ہم اُن سے کھانے پکاتے ہیں، اچھی اچھی مٹھائیاں بناتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم انہی چیزوں کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں اگر ہمیں ایک وقت بھی روٹی نہ ملے تو دن میں تارے نظر آجائیں۔

مگر تمہیں یہ سُن کر تعجب ہوگا۔ کہ یہ کسان جو ہمارے لئے اتنی محنت کرتا ہے، ہماری زندگی کا سہارا بنتا ہے، خود بڑی تکلیف میں رہتا ہے، نہ تو اُس کے پاس ہماری طرح بڑے بڑے مکان ہوتے ہیں۔ نہ ہماری طرح اس کے پاس اچھے اچھے کپڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ تو بڑی چیزیں ہیں اُسے پیٹ بھر کھانے کو بھی نہیں ملتا، اُس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہوتی ہے۔ اُسی میں وہ خود رہتا ہے اپنے بیوی بچوں کو رکھتا ہے۔ اور اُسی میں اپنے گائے بیل بھی باندھ لیتا ہے۔ بے چارے کے پاس بستر تو کہاں سے آیا۔ چارپائی تک نہیں ہوتی۔ موٹے کھدر کی ایک میلی سی چادر ہوتی ہے۔ اُسی کو بچھا لیتا ہے۔ سردی کے وقت اُسی کو اوڑھ بھی لیتا ہے۔ ہمارے ایک استاد نے ایک کسان کے گھر کا حال ہمیں سنایا تھا، کہتے تھے" ایک دفعہ میں ایک گاؤں میں گیا ہوا تھا۔ رات کو ایک کسان کے گھر ٹھیرنے کا اتفاق ہوا۔ کسان ہوتا تو غریب ہے۔ مگر مہمان کی خاطر بہت کرتا ہے۔ خود تو خیر زمین پر سوتا تھا، مگر

میرے لئے کہیں سے ایک چارپائی مانگ لایا۔ اُسی جھونپڑی میں ایک طرف کو میں بھی چارپائی پر لیٹ رہا۔ رات کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا کسان اپنی چادر میں لپٹا زمین پر پڑا ہے۔ اُسی کے آس پاس اُس کے بیوی بچے بھی لیٹے ہیں۔ قریب ہی مجھے کچھ تھوں سوں کی آواز آئی، پلٹ کر دیکھا تو میری چارپائی کے پاس ہی ایک بیل بھی بندھا تھا۔ مجھے یہ دیکھکر بہت ہی افسوس ہوا۔

سردیوں کا زمانہ تو اُس کے لئے بہت ہی تکلیف کا زمانہ ہوتا ہے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے جن کے گلوں میں کُرتا تک نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو پھٹا پُرانا، میلا کچیلا، سردیوں کے دنوں میں اِدھر سے اُدھر ٹھٹھرتے پھرتے ہیں۔ بارہ مہینے بیمار رہتے ہیں۔ غریب کسان کے پاس پیسے کہاں سے آئیں کہ اپنے بچوں کی دوا دارو کرے اور اگر کبھی کسان ہی خود بیمار پڑ جائے تو پھر گھر کا خدا ہی حافظ۔

اب تم کسان کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے، اُس کی مصیبتوں کا حال سن کر تمہیں اس سے ہمدردی بھی پیدا ہو گئی ہوگی۔ اگر ہمیں موقع ملا تو ہم تمھیں بتائیں گے کہ کسان کی حالت ایسی کیوں ہے، تم بھی اس پر غور کرنا، ہم بھی سوچیں گے۔

کبوتروں کے کرتب

از جناب سید نصیر احمد صاحب بی، اے (جامعی)

تم نے طرح طرح کے کھیل تماشے دیکھے ہوں گے، روپے یا پیسے سے کئی روپے بنانا۔ خالی ٹوکری سے کبوتر یا کوئی اور جانور نکالنا۔ تاش کے پتوں سے طرح طرح کے کھیل۔ جادوگر تو ایسے ایسے تماشے دکھاتے ہیں، کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے، پھر جانور بھی مختلف کرتب دکھاتے ہیں، اُن کو ایسی اچھی طرح سے تمام باتیں سکھائی جاتی ہیں کہ کبھی غلطی نہیں کرتے۔ ریچھ بائسکل کی سواری کرتا ہے۔ بندر موٹر چلاتا ہے، ہاتھی لکھنوی اور ہر قسم کے سلام کرتا ہے۔ یہ سب کرتب دیکھ کر سچ سچ عقل حیران رہ جاتی ہے، لیکن کل ہی میں نے طوطوں کے ایسے کرتب دیکھے ہیں کہ واہ واہ۔ پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے میں سب حالات لکھتا ہوں۔

میں، میرے بہت سے بزرگ اور ساتھی ایک جگہ جمع تھے، باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک آدمی وہاں آیا، اُس کے پاس ایک پنجرہ تھا اُس میں چار پانچ طوطے تھے، اور ایک کبوترا اُس نے کہا "بابو صاحب میں اپنے طوطوں کے کرتب دکھانا چاہتا ہوں"، ہم نے سوچا یوں ہی وقت ضائع ہوگا۔ اس لئے اُس سے کہہ دیا "میاں اس وقت جاؤ پھر دیکھا جائے گا"۔ لیکن اُس نے پھر کہا "آپ دیکھئے تو سہی۔ طوطے ایسے ایسے تماشے دکھائیں گے کہ طبیعت خوش ہو جائے گی"، خیر اس کے اصرار پر ہم مان گئے۔ اس نے ایک بڑا سا کپڑا فرش پر بچھایا۔ ایک طرف دروازہ کھول کر پنجرہ رکھ دیا، دوسری طرف خود بیٹھ گیا، اور ایک تھیلا اپنے پاس رکھ لیا۔ سارا انتظام کرنے کے بعد اُس نے تاش نکالا۔ اور پتے کپڑے پر بکھیر دیئے

پھر وہ اٹھا اور کچھ اشارہ کیا۔ ایک طوطا پنجرے سے باہر آگیا۔ اُس نے کہا اے سبز طوطے پان کی دُگی لے آؤ، طوطے نے پتے اُلٹ پلٹ کئے اور پان کی دُگی لے آیا۔ اس نے پھر کہا پھول کا بادشاہ لاؤ، چنانچہ وہ پھول کا بادشاہ لے آیا۔ ہمیں بہت ہی تعجب ہوا، اس آدمی نے ہم سے کہا شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ میں نے پتوں پر خاص نشان لگا رکھے ہیں آپ خود ہی کوئی پتا اس سے منگوائیے، چنانچہ ہم نے جو پتا منگوایا طوطا وہی اٹھا لایا، ہم نے پھر اس آدمی کے کہنے پر چپکے سے ایک پتے پر نشان لگا کر اُسے دوسرے پتوں میں ملا دیا، ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب طوطا چند منٹ کے بعد وہی پتا ڈھونڈھ لایا۔ اس کے بعد اس آدمی نے تاش تو اٹھا لیا اور بہت سے دھیلے، پیسے، اکنیاں، اور روپے وغیرہ فرش پر ڈال دیئے۔ اب کے ایک دوسرا طوطا پنجرہ سے باہر آیا۔ اُس آدمی نے کہا پیسہ اٹھا لاؤ۔ طوطا پیسہ لے آیا۔ اُس نے کہا دونی لاؤ، وہ دونی لے آیا۔ اُس نے ہم سے کہا بابو صاحب اس سے کسی خاص سال کا سکہ لانے کے لئے کہئے۔ ہم میں سے ایک صاحب نے کہا کہ ۱۹۲۰ء کی اکنی لے آؤ، چنانچہ طوطا چند منٹ کی تلاش کے بعد اکنی ہمارے پاس لے آیا، پھر اس نے کھرے اور کھوٹے سکے الگ الگ کئے اسی صفائی سے جیسے کوئی بڑا ماہر ہو،

اس کے بعد ایک چھلا نکالا گیا، اس کی گولائی ۱½ انچ ہوگی۔ اس آدمی نے زمین پر چھلا رکھ دیا اور کہا نکلو میرے پہلوان، پنجرے سے ایک طوطا نکلا، دبلا پتلا، بہت سے پر بھی ندارد، اس پہلوان کو دیکھ کر ہمیں بے اختیار ہنسی آگئی، صاحب وہ چھلے سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا، پھر اُڑا اور چھلے میں سے نہایت صفائی سے گذر گیا، پھر الٹا سیدھا اور بل کھا کر مختلف طریقوں سے چھلے میں سے گذرا، اور جب اس کا کام ختم ہو گیا تو پنجرے میں واپس چلا گیا۔

اب اس آدمی نے تھیلے سے ایک چھوٹا سا تانگہ نکالا، گھوڑے کی جگہ میاں کبوتر جوڑے گئے اس آدمی نے آوازیں لگانا شروع کیں "کوئی

سواری ہے دہلی دروازہ کی اکبری دروازہ کی"
جب اس نے دو تین مرتبہ یہ آوازیں لگائیں تو
تو ایک طوطا بڑی سنجیدگی سے پنجرے میں سے باہر
آیا اور تانگے پر بیٹھ گیا، اس آدمی نے پھر یہ آواز لگائی
ایک سواری چاہیئے اسٹیشن کی" اس پر دوسرا طوطا
پنجرے میں سے نکلا اور تانگے میں بیٹھ گیا، اس کے
بیٹھتے ہی کبوتر نے دوڑنا شروع کیا۔ اور اس
کپڑے کے تین چار چکر کاٹے، جب وہ کھڑا ہو گیا
تو طوطے پنجرے میں واپس چلے گئے، ہمیں اتنا لطف
آیا اور اتنا تعجب ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔
طوطوں کا سدھانا بہت مشکل ہے یہ لفظ
اور جملے تو رٹ لیتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں سنا تھا
کہ وہ ایسے ایسے حیرت میں ڈالنے والے کمال
بھی دکھا سکتے ہیں۔ اس آدمی نے نہ معلوم ان پر
کتنی محنت اور وقت صرف کیا ہوگا۔ سچ ہے
محنت اور ہمت سے سب کچھ ہو سکتا ہے،

بچہ:- اماں اماں دیکھو وہ آدمی گھوڑا بنا رہا ہے۔ سب کچھ بنا چکا اور
اب پیروں میں کیلیں ٹھونک رہا ہے۔

سڑک پر مت چلو

(از جناب اویس احمد صاحب ادیب ایم، اے، بی، اے آنرس)

ماں:۔ احمد بیٹے! سڑک پر نہیں چلا کرتے آؤ ہمارے ساتھ پٹری پر آجاؤ۔

احمد:۔ کیوں امی جان اس میں کیا حرج ہے

ماں:۔ حرج تو بہت کچھ ہے خدا نہ کرے اگر موٹر یا گاڑی کے نیچے آگئے۔ تو بس کچل کے رہ جاؤ گے۔

احمد:۔ امی جان اس وقت تو سڑک خالی پڑی ہے۔ دیکھو گاڑی یا موٹر کا کہیں دور تک پتہ نہیں۔

ماں:۔ ہاں اس وقت نہیں۔ مگر تمہیں معلوم ہے کہ موٹر کتنی تیز سواری ہے دم بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ تم تو خیر ابھی کس شمار میں ہو تیز سے تیز دوڑنے والے مرد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اچھا ادھر آجاؤ کہیں موٹر نہ آتی ہو۔

رشیدہ:۔ اچھا بھیا۔ پٹری پر آجاؤ نا، دیکھو یہاں کسی طرح کا ڈر نہیں،

احمد:۔ ابھی آیا آپا جان (پٹری پر آجاتا ہے) اچھا میں یہاں اپنی گیند سے کھیلتا چلوں!

ماں:۔ نہیں میرے لال! یہ جگہ کھیلنے کی ہے؟

احمد:۔ کیوں؟

ماں:۔ تم گنید کو اچھالو گے یا اُسے زمین پر مارو گے تو وہ اُچک کر سڑک پر چلی جائے گی۔

احمد:۔ تو میں اُسے دوڑ کر اُٹھا لاؤں گا۔

رشیدہ:۔ اور اگر اتنے میں موٹر آگئی تو دب کر رہ جاؤ گے

ماں:۔ اور کیا میں بھی اسی لئے منع کرتی ہوں۔ (ایک موٹر تیزی سے گزرتی ہے) دیکھا تم نے یہ موٹر کتنی جلدی یہاں آئی۔ وہ پہنچی۔ ارے وہ غائب! تم سڑک پر ہوتے تو اتنی جلدی اور اس قدر تیز بھاگ کر بچ سکتے تھے؟

احمد:۔ میں پٹری کو اب بھی پسند نہیں کرتا وہ چوڑی تو ہے نہیں!

ماں:۔ بے شک چوڑی نہیں مگر خطرناک بھی نہیں ہے، سڑک چوڑی ضرور ہے مگر خطرناک بھی بہت زیادہ ہے۔ بیٹا! میری اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا سڑک پر کبھی نہ چلنا!!

مختلف ملکوں کے بچّے

ننھّا کاک

(محمد حسین حسّان)

ننھا کاک دور! بہت دور! قطب شمالی یعنی اسکیمو لینڈ میں رہتا ہے یہ عجیب وغریب ملک ہے، جدھر دیکھو برف ہی برف پہاڑ بھی بالکل سفید روئی کا گالا۔ ان پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں بھی برف سے ڈھکی ہوئی، میدانوں میں کہیں زمین نظر نہیں آتی۔ جہاں کہیں ہوا سے برف پگھل گئی ہے۔ وہاں بھی کوئی دو تین فٹ نیچے سفید کائی سی دکھائی دیتی ہے۔ دریا جمے ہوئے سمندر دور تک برف سے ڈھکا ہوا، اسکیمو لینڈ میں یہ حالت ہر جگہ کوئی چھ مہینے سے زیادہ رہتی ہے۔ لیکن موسم بہار کے مختصر زمانے میں برف تھوڑا سا پگھل جاتا ہے۔ اور پھول اور گھاس کو نیچے سے سر اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اچھا آؤ ذرا کاک کا جاڑوں کا گھر تو دیکھیں۔ یہ کچھ ایسا زیادہ اونچا نہیں ہوتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے برف کی بہت بڑی آدھی گنبد بنائی ہو۔ یا پیالہ الٹ دیا ہو کاک کے ماں باپ نے برف کی سلیں کاٹ کر اور انھیں جوڑ کر بنایا ہے، گھر کے سامنے کاک کے بھائی بہن اپنے چاروں جھبرے کتوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، وہ خوب ہنس رہے ہیں، شور مچا رہے ہیں۔ برف پر ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے موٹے موٹے اونی کپڑوں میں سے منہ نکالے جھانک رہے ہیں اُن کے چہرے زرد ہیں اور جب وہ اپنے لمبے لمبے کالے بال چہرے پر سے

ہنساتے اور بچھے لٹکاتے ہیں تو اُن کے موتی جیسے سفید دانت بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اسکیمو لوگ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل ہیں۔ خوب ہنستے رہتے ہیں۔

اب اتنے قریب آ گئے ہیں تو آؤ ذرا اندر سے بھی کاک کا گھر دیکھ لیں۔ ہمیں ایک نیچی سُرنگ میں گھٹنوں کے بل چلنا ہے یہی دروازہ ہے۔ بھئی واہ کیا عجیب گھر ہے۔ جیسے ہم مرغی کے بہت بڑے انڈے کے آدھے چھلکے میں ہوں۔ دیواریں اور فرش برف کے، ایک طرف لمبا سا چبوترہ نکلا ہوا یہ بھی برف کا اس پر سیل مچھلی اور ریچھ کی بہت نرم کھالیں پڑی ہوئی۔ بس یہی اُن کا بستر ہے کاک اپنے گھر کو اگلو کہتا ہے۔

(چراغ)

اسکیمو کھانا پکانے کے لئے چولھا نہیں جلاتے جو

دیگچی

کیاک

کا کام وہ پتھر کے بنے ہوئے پیالے سے لیتے ہیں، اس میں سیل مچھلی کا تیل جلتا ہے، یہ چراغ، روشنی، کھانا پکانے اور گھر کو گرم رکھنے کے کام آتا ہے۔ کاک کی ماں اسی چراغ

SLEDGE سلیج

پر سیل کا شوربا پکا رہی ہے کاک کو یہ شوربا بہت پسند ہے۔ اُسے سیل کا گوشت اور چربی بھی بہت مرغوب ہے

چربی تمام اسکیمو قوم کو پسند ہے، چربی والا گوشت اُن کے جسم کو گرم رکھتا ہے، اسکیمو ریچھ، لومڑی، بھیڑیئے اور چھچھوندر بھی کھاتے ہیں، کبھی کبھی اود بلاؤ اور جنگلی پرندے بھی پکڑ کر چٹ کر جاتے ہیں۔

کاک کو بہار کا موسم بہت پسند ہے۔ اس زمانے میں اسکیمولینڈ کے بعض حصوں میں سنتے اور مختلف قسم کے بیر پائے جاتے ہیں اسکیمو انھیں خشک کر کے سردیوں کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ وہ سردیوں کے لئے مچھلی اور گوشت بھی سکھاتے ہیں، اس لئے کہ بہار کے موسم میں شکار بہت افراط سے مل جاتا ہے۔ کاک اور اس کے بھائی بہن اپنے ماں باپ کو شکار میں ہر طرح مدد دیتے ہیں۔ اس موسم میں یہ سیل کی کھال کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں، ایسے گھر کو وہ ٹاپک کہتے ہیں۔ کاک اپنی چھوٹی سی کیاک میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑتا ہے، یہ اس کا من بھاتا مشغلہ ہے۔ جاڑوں میں وہ لمبی سلیج (برف پر چلنے والی بے پہیے کی گاڑی) پر بیٹھ کر برف کے میدانوں کا چکر لگاتے ہیں۔ یہ گاڑیاں کتے کھینچتے ہیں۔

ہمارا بچپن کا مشغلہ

(از محترمہ بیگم عبد الغنی صاحبہ)

اپنے بچپن کے زمانے میں ہم شہر کیمبل پور میں (جو پشاور سے کوئی ۵۰ میل ادھر ہے) رہتے تھے۔ مجھے اس زمانے میں باغبانی کا بہت شوق تھا۔ ہمارا مکان بھی ایسی زمین پر بنا تھا جہاں پہلے باغ لگا تھا۔ اس لئے یہ جگہ باغبانی کے لئے تھی بھی بہت مناسب میں نے پیاری اماں جان اور بھائی جان سے تقاضے کرکے گلاب، چنبیلی موتیا، گیندا، سورج مکھی، گل داؤدی، اور گلِ عباس وغیرہ کے بیج، پودے اور ٹہنیاں منگوائیں۔ پھر مالی کو بلوا کر زمین کھدوائی اور اپنی مرضی کے مطابق مختلف پھولوں کے لئے علیحدہ کیاریاں بنوائیں۔ ایک طرف چھوٹی سی کیاری باورچی خانے کی ضرورت کی چیزوں کے لئے خاص کردی، مثلاً ہرا دھنیا پودینہ۔ لال مرچ، ٹماٹر، لہسن پیاز وغیرہ۔

گلاب کے پودے میں یہ خاص بات ہے کہ اس کی ٹہنی کو تم زمین میں گاڑ دو۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس میں جڑیں نکل آئیں گی۔ میں نے گلاب کی ٹہنی میں قلم لگا کر اُسے زمین میں گاڑ دیا۔ چنبیلی کے چھوٹے چھوٹے پودے مٹی سے ڈھکی ہوئی جڑوں سمیت لگائے گئے۔ گل عباس وغیرہ کے بیج بودئے گئے۔

باورچی خانے والی کیاری میں پودینے کی ٹہنی جڑ سمیت کنجڑے کے یہاں سے منگا کر زمین میں دبادی گئی۔ ہرے دھنیئے (کشنیز) کے خشک بیجوں کو پہلے زمین پر خوب مَسلا کہ اُن کے دو دو ٹکڑے ہوگئے۔ اور پھر انہیں بودیا گیا۔ لہسن کی گری موٹی طرف نیچے کرکے زمین میں گاڑ دی، پیاز کی گانٹھ کا استعمال کے قابل حصّہ کاٹ لیا گیا۔ اور جڑوں والا حصّہ زمین میں دبادیا گیا۔ ٹماٹر کے بیج بوئے۔ اور لال مرچ کی پود منگا کر لگائی گئی۔ کیونکہ مرچ کا پودا اسی وقت پھلتا ہے، جبکہ اس کی پود ایک جگہ سے اُکھاڑ کر دوسری جگہ لگائی جائے۔

ان شروع کے کاموں میں بہت محنت کرنی پڑی جب ان سے فارغ ہوگئی تو بڑی بے چینی سے ان کے اُگنے اور ہوا میں لہلہانے کا انتظار کرنے لگی۔ دن مشکل سے کٹتا رات میں بھی یہی دھیان رہتا کہ دیکھیں ہمارا باغ کب ہرا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں مَیں ان کیاریوں کی، مرغیوں اور دوسرے جانوروں سے جی جان سے حفاظت کرتی۔ کسی کیاری پر کانٹے دار سوکھی ٹہنیاں ڈالتی، کہیں ۔ ۔ ۔ باڑ لگاتی اور کسی پر ٹوکرا رکھدیتی۔ اکثر پانی وغیرہ بھی دیتی رہتی۔

تم خوب محنت کرکے امتحان دیتے ہو، اور نتیجہ نکلتا ہے تمہاری مرضی کے مطابق۔ یعنی درجے میں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوجاتے ہو تو سچ بتاؤ تمھیں کتنی خوشی ہوتی ہے، بس کچھ ایسا ہی حال میرا ہوا۔ جب چند ہی دنوں میں ایک ایک کرکے سب کیاریاں ہری ہوگئیں اب

تو میرے دن کا بہت سا حصہ اپنے ننھے منے باغ کی خدمت میں ہی گذرتا تھا۔ اصل میں زمین تھی بہت اچھی اوپر سے ہوئی خوب دیکھ بھال اور خدمت بس تھوڑے ہی دنوں میں پودے لہلہانے لگے اور اپنے معمولی قد سے کہیں زیادہ بڑھے، پھیلے اور پھولے، اور میں خود اپنے باغ کو یوں لہلہاتا ہوا دیکھ کر سچ مچ پھولی نہیں سماتی تھی!!

جون جولائی میں سورج مکھی کے پھول کھلے معمولی پھولوں سے بہت بڑے اور خوبصورت ایک ایک پھول کوئی ڈھائی فٹ قطر کا، ٹہنیاں دیواروں سے بھی اونچی نکل گئی تھیں۔ بڑے بڑے سبز پتے۔ میں ہر وقت ... اُن پھولوں کو دیکھتی رہتی تھی، اس لئے اُن کے بارے میں ایک عجیب بات معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ یہ پھول ہر وقت سورج کی طرف ٹکٹکی لگائے رہتا۔ صبح کے وقت اُس کا مُنہ پورب کی طرف ہوتا اور جوں جوں سورج چکر کھاتا قطب نما کی سوئی کی طرح پھول بھی اُسی رُخ گھومتا جاتا آخر شام کو سورج ڈوبتے وقت پچھم کی طرف اُسے بڑی حسرت سے تکتا رہ جاتا، پھر صبح کو پورب کی طرف مُنہ پھیر لیتا۔ جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ مجھے خیال ہوا کہ رات میں بھی یہ اسی طرح گھومتا ہوگا۔ میں رات کے مختلف حصوں میں جاگ کر اُسے دیکھتی، چنانچہ مختلف وقتوں میں اُس کے مختلف رُخوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ زمین کی گردش[1] کے ساتھ آہستہ آہستہ یہ بھی گھومتا ہے (لیکن باوجود گھنٹوں ٹکٹکی لگا کر دیکھتے رہنے کے میں اُسے رُخ بدلتے یا ایک طرف سے دوسری طرف حرکت کرتے نہ دیکھ سکی) چند دنوں میں مجھے اتنی مشق ہوگئی کہ میں رات کے وقت اور دن میں جب آسمان پر بادل چھایا ہوتا، سورج مکھی کے پھولوں کا رخ دیکھ کر بتا دیتی، گویا یہ پھول گھڑی کا کام دینے لگے۔ یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ پھول سورج ہی کی طرف اپنا مکھڑا کئے رہتا ہے۔ اس لئے اس کا نام ہی سورج مکھی رکھ دیا گیا۔ ایک اور خیال میرے دل میں آیا کہ اُسے سورج سے محبت ہے، اسی لئے یہ سخت گرمی کے زمانہ میں کھلتا ہے۔ اور اسی لئے اس نے سورج کی شکل پائی ہے۔ اس کی پتیوں کی شکل سورج کی کرنوں جیسی ہے بشاید سنہرا رنگ بھی ان کرنوں ہی کا آگیا ہے میں سوچتی ہوں کہ کیا عجب جو یہ پھول سورج ہی کی اولاد ہو۔ اور سورج اس کی ماں اُستانی یا سہیلی ہو؟

(باقی اگلے پرچہ میں دیکھنا)

[1] گھومنا۔ چکر
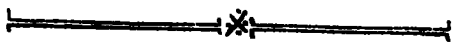
گانے والی چڑیاں

(از حضرت جلیل قدوائی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

جس طرح کوئی پیاری سندر چیز دیکھ کر آنکھیں خوش ہوتی ہیں اسی طرح میٹھی بولیاں اور سہانے راگ کانوں کو بھلے لگتے ہیں۔ صبح کے وقت کسی باغ میں گئے ہو؟ رنگ برنگ کے پھولوں کے ساتھ وہاں چڑیاں بھی چہچہا رہی ہوں تو مزا ہی اور آتا ہے۔ کبھی تم نے غور کیا ہے کہ بہت سی چڑیاں ایسی ہیں جن کا گانا اور اڑنا گاتے جانا اور اڑتے رہنا۔ بس یہی کام ہے۔

آم کا موسم آیا اور کوئل نے کوکنا شروع کیا۔ ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پہ جا پہنچی۔ اِس ڈال سے اُڑ کر اُس ڈال پر گئی۔ سارا دن پھدک پھدک کر ہی گزارتی ہے یا گھنے پتوں میں چھپ کر بیٹھ جاتی ہے اور کوکوکو کرتی رہتی ہے۔ سناٹے میں اس کی آواز کانوں کو بہت بھلی لگتی ہے۔ اس کی آواز تو سنائی دیتی ہے مگر وہ خود نظر نہیں آتی۔ ایسی چنچل اور شریر ہوتی ہے کہ چھپی ہوئی بیٹھی رہتی ہے۔ لڑکے اس کی آواز کی نقل کرتے ہیں اور اُسے ڈھونڈھتے ہیں، اسے لڑکوں کے ستانے میں مزا آتا ہے، کوئل ہر وقت خوش اور مگن رہتی ہے ہنسنا کھیلنا کوئی اس سے سیکھے۔ آواز پہ بولتی ہے۔ تم کوکو کرکے دیکھو برابر جواب دے گی کوکو کرتی رہے گی۔

کوئل کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ ایسی کالی جیسے کاجل یا کالا کوا۔ وہ اپنا گھونسلا نہیں بناتی۔ انڈے کوے کے گھونسلے میں دے آتی ہے۔ کوا کوئل کے انڈوں کو اپنے ہی انڈے سمجھ کر سیتا رہتا ہے جب بچے نکل آتے

۱۸ مارچ کو مکتبے میں عالی جناب مہدی یار جنگ کی دعوت تھی یہ تصویر اسی موقع کی ہے دائیں طرف عالی جناب مہدی یار جنگ بہادر جناب شیخ الجامعہ صاحب کے ساتھہ تشریف فرما ہیں اسی طرف دوسری میز پر جناب نجف علی خان صاحب پولیٹکل سکریٹری ریاست حیدر آباد تشریف رکھتے ہیں۔
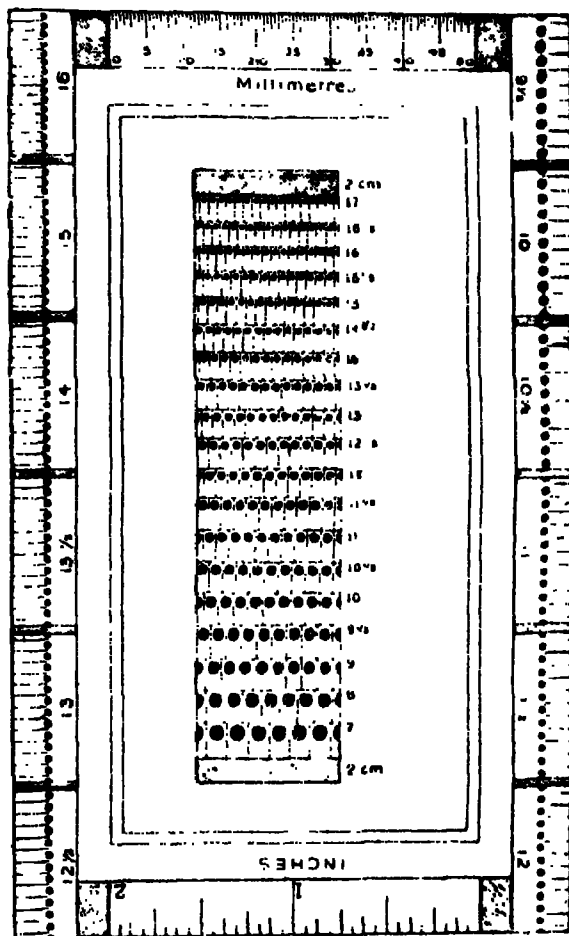
ہیں تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس کے نہیں کوئل کے بچے ہیں۔ وہ اُنہیں ٹھونگیں مار کر نکال دیتا ہے۔

برسات سے پہلے ایک اور چڑیا گاتی رہتی ہے اسے پپیہا کہتے ہیں، تم نے کبھی کسی چڑیا کو پی کہاں کی رٹ لگاتے سُنا ہے۔

پپیہا

اندھیری رات کے سناٹے میں۔ یا پو پھٹنے سے پہلے پھیکی پھیکی چاندنی میں اس کی آواز ہوا میں گونجتی ہے یہ پپیہے کی ہوک ہے۔ پپیہا خوب مست ہو کر تان لگاتا ہے۔ اس کی آواز میں تڑپ ہوتی ہے جیسے اُس کا کلیجہ پھٹا جا رہا ہو۔

کوئل اور پپیہے کے سوا اور بھی گانے والی چڑیاں ہیں۔ ان میں سے ایک شاما بھی ہے۔ شاما گرمی کے دنوں میں گاتی ہے۔ جیٹھ کے مہینے میں دوپہر کو بڑی کڑی دھوپ پڑتی ہے۔ اور چاروں طرف سناٹا ہوتا ہے۔ اس وقت شاما سب سے الگ کسی ہرے بھرے گھنے پیڑ پر بیٹھ کر اپنا راگ چھیڑتی ہے۔ اس کا راگ بڑا سریلا ہوتا ہے خود بھی گاتے وقت مست ہو جاتی ہے۔

شاما بہت سی باتوں میں کوئل سے ملتی ہے۔ اس کا گانا کوئل سے بہت ملتا جلتا ہے اس کے پر کوئل کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ گلا بھی کالا ہوتا ہے۔ پروں پر صرف ایک سفید لکیر ہوتی ہے۔ اس کا سینہ پیلا پن لئے ہوئے لال ہوتا ہے۔ شاما کی دُم میں دو تہیں ہوتی ہیں۔ اوپر کی تہ کالی اور نیچے کی سفید۔ یہ زمین پر کم اترآتی ہے اور ریت پر بڑے مزے سے جلدی جلدی چلتی ہے۔

کوئل، پپیہے اور شاما کی طرح مینا، بلبل اور فاختہ بھی گانے والی چڑیاں ہیں۔

مینا کوے کی طرح ہوتی ہے مگر اُس سے چھوٹی اس کی چونچ چمپئی یا نارنجی رنگ کی ہوتی ہے۔ نارنجی اس رنگ کو کہتے ہیں جو نارنگی کے چھلکے کا ہوتا ہے مینا کے کان ایسے ہوتے ہیں جیسے مرغی کے۔ مگر ان کا رنگ زرد یا پیلا ہوتا ہے۔ پیر بھی اسی رنگ کے۔ لوگ اسے چاہ سے پالتے اور بولنا سکھاتے ہیں بہت جلد بولنا سیکھ جاتی ہے۔ آدمی کی بولی کی نقل خوب اُتارتی ہے۔ جب بولتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بول رہا ہے۔ یہ بھیگے چنے بڑے مزے سے کھاتی ہے پھل پھلاری بھی

بلبل ہمارے ملک کی چڑیا نہیں۔ یہاں جو چڑیا اس نام سے مشہور ہے اُسے گل دُم کہنا چاہئے۔ یہ چھوٹی سی سیاہ چڑیا ہوتی ہے۔ اس کی دُم کے نیچے بالکل گچھے یا پھول کی طرح سُرخ پر ہوتے ہیں اسی لئے اسے گل دم کہتے ہیں گُل کے معنی پھول کے ہیں۔ اسے بھی لوگ شوق سے پالتے ہیں۔ اور پنجرے میں رکھتے یا اڈّے پر بٹھاتے ہیں لانبے سیاہ دھاگے کا ایک سرا اڈے میں اور دوسرا سرا چڑیا کے پیر میں باندھ دیتے ہیں۔ گل دم اُڑتی ہے۔ اُچھلتی ہے اور پھر اڈے پر بیٹھ جاتی ہے۔ اُڑ کر بھاگ نہیں سکتی۔ اس کی آواز میں ایک طرح کا بانکپن پایا جاتا ہے گاتے وقت پر پھیلاتی اور دُم اوپر کو اُٹھا لیتی ہے۔

کھا لیتی ہے۔

جنگلی مینائیں بھی ہوتی ہیں مگر ان کی بولی میں کوئی اور کمی بات نہیں ہوتی یہ کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں۔ جنگلی مینا کسان کی بڑی دوست ہوتی ہے کسان کھیت میں ہل چلاتا ہے اور مینائیں زمین کو چونچ سے کرید کرید کر کیڑے کوڑے کھا جاتی ہیں۔

فاختہ کبوتر کی شکل کی مگر اس سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا اوپر کا رنگ خاکی یا بہت ہلکا سُرمئی ہوتا ہے۔ پیٹ سفید ہوتا ہے۔ اس رنگ کو فاختہ کے نام سے فاختئی بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑی بھولی اور خوب صورت چڑیا ہے۔ فاختہ بھی جنگلی اور شہری ہوتی ہے۔ جنگلی فاختہ شہری فاختہ سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کے نر کے پروں پر

سیاہ چتیاں ہوتی ہیں۔

فاختہ ذرا الگ تھلک اور کچھ سوچ بچار میں رہتی ہے۔ یہ ببول کے درخت پر زیادہ بیٹھتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کو اُسے گاتے ہوئے سُنا
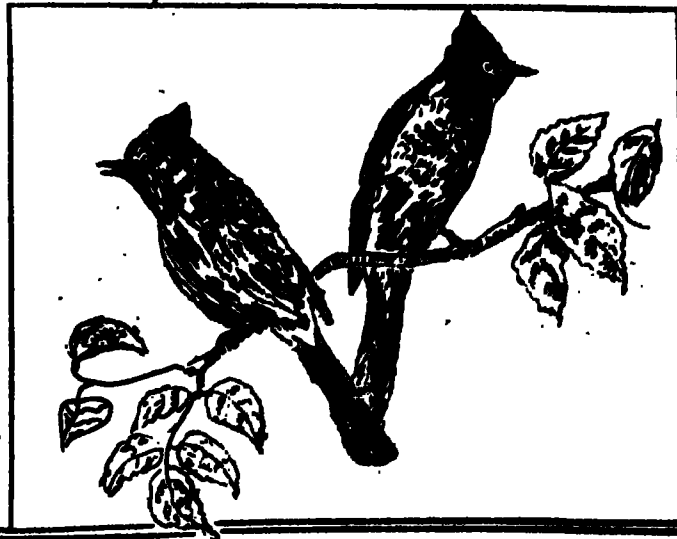
جاسکتا ہے اس کے گانے میں درد ہوتا ہے۔ یہ کچھ اس طرح کہتی ہے "اُٹھ رے بیٹو چنے پور پور پور" کہتے ہیں یہ چڑیا پہلے ایک بڑھیا تھی اور پسائی کا کام کرتی تھی، اس کا لڑکا بیٹو بڑا نکما اور کاہل تھا، ایک دن بڑھیا چنے پیسنے کو لائی اسے شک ہوگیا کہ لڑکے نے چنے چرا کر کھالئے غصے میں ترازو کا ایک باٹ اُٹھا کر جو مارا تو وہ اچانک مرگیا۔ چنے تول کر دیکھے تو پورے اُترے تب تو بڑھیا غم سے پاگل ہوگئی بیٹو کو پکار پکار کر جگانے لگی مگر وہ جاگنا تھا نہ جاگا۔ اُس وقت سے بڑھیا مارے غم کے چڑیا بن گئی اور اب تک بھٹکتی، بیٹو کو ڈھونڈھتی اور پکارتی پھرتی ہے +

ضروری بات

پیام تعلیم خریدنے والے بچے اور دوسرے حضرات سے گذارش ہے کہ خط لکھتے وقت اپنا نمبر خریداری اور پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھا کریں۔ شکایتی خط یا ایسے خط جن کا تعلق انتظام سے ہو منیجر کے نام بھیجیں اور مضامین اور مضامین کے بارے میں خط ایڈیٹر کے نام۔ بہت سے بچے، اور بڑے ان باتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ جس کی وجہ سے انتظام میں بہت وقت ہوتی ہے۔ اور انھیں بھی اکثر جواب دیر سے ملتا ہے۔ علاوہ اس کے ہم پیام تعلیم پوری احتیاط سے بھیجتے ہیں پھر بھی آپ کے پاس نہ پہنچے۔ تو ہمیں خط بھیجنے کے ساتھ اپنے یہاں کے ڈاک خانے والوں سے بھی پوچھیں۔

(منیجر)

معلومات

سلطان مالدیپ کے شاہی خزانے میں بڑے بڑے گڑھے بنے ہوئے ہیں۔ جن کا منہ کھلا ہوا ہے۔ ان گڑھوں میں سونا چاندی اور جواہرات پڑے ہیں۔ کسی شخص کی مجال نہیں کہ شاہی خزانے میں قدم رکھ سکے، اس لئے کہ بڑے بڑے کالے ناگ اس خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں۔

پروفیسر لیفرائے کا بیان ہے کہ صرف مکھیوں کی وجہ سے ہندوستان میں ستر لاکھ موتیں ہوئیں کیوں کہ ان ہی کی وجہ سے ہیضہ اور پلیگ پھیلے۔

ارجنٹائن میں ایک قسم کی چیونٹی ہوتی ہے جو انسان کے گوشت کو بہت پسند کرتی ہے۔ ایک بار ایک عورت اپنے بچے کو پالنے میں لٹا کر کسی کام سے باہر چلی گئی، واپس آکر دیکھا تو بچہ ہڈیوں کا پنجرہ رہ گیا تھا۔ اور سارا گوشت یہ چیونٹیاں کھا گئی تھیں میڈیرا کے جزیرے میں آج کل پرندوں کا نام و نشان نہیں پہلے یہاں ان کی بہتات تھی، ہوا یہ کہ کسی طرح یہ نامراد چیونٹی اس جزیرے میں جا پہنچی اور ان غریبوں کا صفایا کر دیا۔

ہندوستان میں ہر سال تقریباً دس کروڑ آدمی ملیریا میں مبتلا ہوتے ہیں ان میں سے کئی لاکھ تو مر جاتے ہیں اور ساڑھے سات کروڑ آدمی بیس دنوں کے بعد اپنے کام کاج کے قابل ہوجاتے ہیں۔ ان مریضوں کے علاج پر جو خرچ ہوتا اور ان مریضوں کی بیماری کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اسّی کروڑ روپیہ کیا گیا ہے۔

عام طور پر پرندے اپنے بچوں کو دانہ وغیرہ کھلانے کے لئے اپنی چونچ ان کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر ایک پرندہ اپنا منہ کھول لیتا ہے حلق میں دانے رکھ دیتا ہے۔ بچہ حلق میں داخل ہو کر تمام دانے کھاتا ہے، اور خود بخود باہر آجاتا ہے۔

امریکہ کے ایک شہر فلنکس میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے، اس کے نیچے کے جبڑے میں تمام دانت ہیں اور بہت مضبوط۔ اوپر کے جبڑے میں دونوں طرف کی داڑھیں بھی ہیں۔ اس کے جسم میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔

(مصباح)

کتا میلوں سے اپنے مالک کے جسم کی بو سونگھ کر اس کا پتہ لگا لیتا ہے۔

شیر بہت بھوکا ہوتا ہے۔ تو اپنی داہنی ہڈی کی پسلی کو سونگھ لیتا ہے، اس سے کچھ دیر کے لئے اسے تسکین ہو جاتی ہے۔

بندر زہریلے کھانے کی بو سونگھ کر زور سے شور مچانے لگتا ہے اور اس کی آنکھیں یک لخت نیلی پڑ جاتی ہیں۔

انڈے دینے والے جانوروں یا پرندوں کے بظاہر کان نہیں ہوتے مگر سنتے خوب ہیں۔

خرگوش اپنے بچوں کو چاٹ کر کئی دن کے لئے اپنی پیاس بجھا لیتا ہے۔ (شنکر سنگھ صدر مدرس مدرسہ ملک)

خط استوا کے قریب ایک سمندری پرندہ اتنا تیز اڑتا ہے کہ اس کے اڑان کی رفتار کا صحیح اندازہ نہ لگایا جاسکا۔ ایک اور

پرندے کی اڑان کا اوسط ۲۴ میل فی گھنٹہ ہے، اگر یہ متواتر اسی تیزی سے اڑتا رہے تو سولہ گھنٹے میں انگلستان سے وسط افریقہ پہنچ سکتا ہے۔

جرمنی کا ایک جولاہا مئی ۱۹۳۳ء سے اب تک ایک منٹ کے لئے نہیں سویا۔ ڈاکٹروں نے بہت تدبیریں کیں مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا، باوجود اس کے وہ اپنا روزمرہ کا کام عام انسانوں کی طرح کرتا ہے۔ ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے نیند کیوں نہیں آتی۔ (احمد عزیز خاں ضیا)

روسی حکومت نے ماسکو میں ایک مینار تیار کیا ہے جہاں سے ہواباز چھتری کے ذریعے زمین پر آنے کی مشق کریں گے تاکہ وہ ہوائی جہاز سے آسانی کے ساتھ کود سکیں۔ مینار پر چڑھنے کے لئے پیچ دار راستہ ہے۔ چھتری کا تعلق ایک اسپرنگ سے ہے جو مینار کے بالائی حصہ سے وابستہ ہے اور ہواباز کو صحیح سلامت اترنے میں مدد دیتی ہے۔

شکاگو میں ایک شخص نے ایسی دوربین ایجاد کی ہے جو دو میل سے بھی گھڑی کے اوقات معلوم کر سکتی ہے۔

انگلستان میں ایک جادوگر نے رسی کا ایک کمال دکھا کر تمام لوگوں کو حیران کر دیا۔ فقیر نے ایک رسی کو ہوا میں پھینک دیا جو لوہے کی سلاخ کی طرح کھڑی ہو گئی۔ اور ایک بچہ اس پر چڑھ کر لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا، جادوگر کا دعویٰ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کمال کو نہیں دکھا سکتا۔ سائنس دان بھی حیران ہیں لوگوں نے اس کے اس کمال کی گرفت کرنی چاہی لیکن تمام کوششیں بے کار رہیں۔

ایک سنگھالی ہندو لوہے کی سلاخ سرخ کر کے اپنی زبان پر رکھ لیتا ہے اور کسی قسم کا درد تک محسوس نہیں کرتا۔ پچھلے دنوں امریکہ کی نمائش میں یہ بھی بلایا گیا تھا۔

نیویارک میں ایک عجیب وغریب گھڑی بنائی گئی ہے یہ دنیا کے ہر مقام کا صحیح وقت بتاتی ہے۔ اس میں منٹ اور سکنڈ کی سوئیاں بھی لگی ہیں۔ وقت کے علاوہ اس سے تاریخ بھی معلوم ہو جاتی ہے اسے بجلی کے ذریعے روشن رکھا جاتا ہے۔

امریکہ میں ایک ایسی مشین ایجاد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے دوسرے ملک کی زبانیں، گانے سیکھنے اور ٹھیک طریقے سے بات چیت کرنے کا فن بہت آسان ہو گیا ہے۔

ریڈیو آئندہ صرف دور دور کی آوازیں ہی سنائی نہیں دیں گی بلکہ اس سے حادثوں کے روکنے کا کام بھی لیا جائے گا۔ ایسی جگہوں پر جہاں موٹریں ریل کی لائن سے گذرتی ہیں عموماً حادثے ہو جاتے ہیں۔ آئندہ سے ایسی جگہ ریڈیو کے خاص آلے لگا دئے جائیں گے ان کا کام یہ ہوگا کہ حادثے سے بچانے کے لئے موٹروں کو ٹھہرا دیں۔

تاشقند میں لوہے کا ایک بہت بڑا گلوب تیار کیا گیا ہے جو سائنس کے ذریعے مصنوعی موسم پیدا کرنے کے کام آئے گا۔

سانپوں کے متعلق یہ عام طور پر مشہور ہے کہ بہت تیز دوڑتے ہیں۔ لیکن کیلی فورنیا یونیورسٹی میں اس کے متعلق بہت سے تجربے کئے گئے۔ اس سے یہ خیال غلط ثابت ہو گیا ہے ایک مشہور سانپ کو دوڑایا گیا تو وہ صرف ڈھائی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکا۔

(احمد عزیز خاں ضیا)

خط و کتابت

مکرمی تسلیم کوئی صاحب ۲، ۳، ۴ ردا اے جوبلی ٹکٹ کسی قیمت پر بیچنا چاہیں تو اس پتہ پر خط و کتابت کریں مجھے ان ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ احمد حسین ۲، ۵ بنارسی باغ لکھنؤ

مکرمی تسلیم۔ میں پچھلے مہینے سے پیامِ تعلیم کا خریدار ہوں ہر مہینے جب رسالہ پہنچتا ہے تو میں اس کا پچھلے مہینے سے مقابلہ کرتا ہوں۔ اور اسے ہمیشہ پہلے سے بہتر حالت میں پاتا ہوں۔ آج میں اس مہینے اور اکتوبر کے مہینے کے رسالہ کا مقابلہ کر رہا ہوں، واللہ زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگر آپ ہر مہینے دو ایک نظموں کا انتظام کر دیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ وائرلیس بنانے کی ترکیب سمجھ میں نہ آئی (دہلی عزت بخش آدان مائی وال)

(وائرلیس کا مضمون پھر پڑھئے شاید سمجھ میں آ جائے آپ کے علاوہ اور کسی کی شکایت نہیں آئی ہے، نظمیں ہم ابھی ہی چھاپنا چاہتے ہیں اب انتظام ہو گیا ہے مستقل انشاء اللہ (ایڈیٹر)

مکرمی جناب اڈیٹر صاحب تسلیم۔ میں عرصہ سے پیامِ تعلیم میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی تھی، لیکن پچھلے دنوں اس قدر پریشانیوں میں گرفتار رہی کہ اس کا موقع نہ ملا۔ اب میری تجویز پیامِ تعلیم میں شایع کر دیجئے۔ اور اس کی بابت پیامی بھائی بہنوں سے بھی رائے لے لیجئے۔

میں چاہتی ہوں کہ پیامِ تعلیم جس طرح لڑکوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے اور ان کی ہر طرح سے خدمت کرتا ہے اسی طرح لڑکیاں بھی اس سے محبت کریں۔ اگرچہ اب بھی اکثر لڑکیاں پیامِ تعلیم پڑھتی اور اس میں دلچسپی لیتی ہیں لیکن پھر بھی جب تک پیامِ تعلیم خاص ان کی ضرورت اور دلچسپی کے مضامین وغیرہ پیش نہ کرے گا۔ وہ اس سے پورے طور پر خوش نہ ہوں گی

جس طرح آپ لڑکوں کی دلچسپی کے مضامین نظمیں تصویریں وغیرہ چھاپتے ہیں اسی طرح آپ کو لڑکیوں کے لئے دستکاری کھانا پکانے اور اس قسم کے کاموں کے متعلق مضامین وغیرہ جنکی لڑکیوں کو ضرورت ہے دینا چاہیئے۔ اور افسانے نظموں وغیرہ میں بھی لڑکیوں کی دلچسپی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ہندوستان میں اب بڑی عمر اور زیادہ قابلیت کی عورتوں کے قابل کئی رسالے اور دو ایک اخبار بھی نکل رہے ہیں۔ مگر کم عمر اور کم درجہ کے طالب علم لڑکیوں کے لئے سوائے بنات کے اب تک کوئی اخبار یا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور میں اس کی بہت ضرورت سمجھتی ہوں کہ پیامِ تعلیم نہ صرف لڑکوں کو تعلیم کا پیام دے بلکہ لڑکیاں بھی اس پیام سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس کا انتظام ہو گیا تو مجھے امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکیاں آپ کے رسالہ کی خریدار بنیں گی۔

اس سلسلہ میں جو خدمت میں کر سکتی ہوں اور جو آپ میرے ذمہ کریں گے اس کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔ آپ کی مخلص۔ صالحہ عابد حسین۔ نیر منزل۔ قرول باغ نئی دہلی

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ جو پیامی بھائی کسی ریاست میں رہتے ہوں یا اُن کے پاس کسی ریاست کے ٹکٹ ہوں وہ مجھے بھیج دیں۔ میں ان کے بدلے میں غیر ملکی ٹکٹ دوں گا۔
احسان الٰہی جامعی۔ بتوسط میاں فضل کریم صاحب نواب گنج دہلی

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ اپریل کا پرچہ طباعت اعلیٰ تھا۔ مجھے ضمیموں سے کوئی دلچسپی نہیں برائے مہربانی ان چار

مضمونوں کو رسالہ میں شامل کرلیں اور اب تو ماشاءاللہ پیامِ تعلیم دوسو یوں میں محکمہ تعلیم کی طرف سے منظور ہوگیا ہے خریدار بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ مگر اب آپ اسے پندرہ روزہ کردیجئے، کیوں کہ اب ایک مہینے پیامِ تعلیم کا انتظار بہت مشکل ہے فقط والسلام۔ سردار حسین درجہ ششم اکوڑہ

تعجب ہے کہ ضمیمہ آپ کو پسند نہیں۔ بچوں کے بے شمار خط اس کی تعریف میں آئے ہیں۔ خریدار بے شک بڑھ رہے ہیں۔ لیکن ابھی اتنی گنجائش نہیں کہ رسالہ پندرہ روزہ کردیا جائے

(ایڈیٹر)

مکرمی۔ السلام علیکم! یوں تو آپ کے ہر پرچہ کا منتظر رہتا ہوں۔ لیکن اپریل کے پرچہ کا زیادہ خیال تھا کیوں کہ مارچ کا پرچہ بہت دلچسپ تھا۔ اور خیال تھا کہ اپریل کا پرچہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔ خیر۔ پرچہ ملا۔ لیکن چھوٹے بھائی صاحب پرچہ ڈاکئے سے لے کر بھاگے۔ اور کیا نام کہ ہم ان کے پیچھے ...... آخر کہاں تک بھاگتے پکڑ ہی لئے گئے۔ تھوڑی دیر میں گھسٹم گھساٹ ہونے کے بعد آخر یہ طے پایا۔ کہ ایک جگہ بیٹھ کر دونوں دیکھیں۔ انھوں نے پرچہ ہاتھ میں لے کر کچھ ترچھا کردیا۔ اور ہم کو بھی دیکھنے کا موقع دیا۔ پرچہ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ وہ دو یا تین ورق بھی الٹنے نہ پائے تھے کہ میں نے اُن سے چھین لیا۔ اور کہا ہم تم کو دکھاتے ہیں۔ لیکن جیسا میں نے کیا تھا ویسا ہی دو منٹ بعد وہ کر بیٹھے۔ اور کئی دفعہ کی ایسی ہی چھینا جھپٹی سے ہم دونوں کو مجبوراً پرچہ "انصاف" کی غرض سے تدبیر انصاف" (محمد الوخاں صاحب صاحب جامعی بی۔ اے) کے حوالے کرنا پڑا۔ انھوں نے فرمایا کہ پرچہ شام کو ملے گا۔ چلئے اب دونوں کے ہاتھوں سے پرچہ گیا اور کہیں شام کو جا کر ملا۔

نہ پوچھئے کس قدر خوشی ہوئی۔ مارے خوشی کے پھول کر "مولو" کی طرح کپا ہوگئے۔ اور خاں صاحب اندیہ میں ہم کی طرح سوکھ کر نہ جانے کیا ہوگئے؟۔ اور سلام کہتے ہیں۔ فقط آئندہ پرچہ کا منتظر (حامد حسین صدیقی فرزند محمد حسین صاحب محوی صدیقی)

محترمہ آپا جان! تسلیم۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی اگر آپ مجھے جرمنی کے کسی، ایسے صاحب کا پتہ بتادیں گی جنھیں ٹکٹ جمع کرنے سے دلچسپی ہو خواہ وہ بڑے آدمی ہوں یا طالب علم۔ مجھے اس مشغلے سے بہت دلچسپی ہے اور میں نے ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے بہت سے ٹکٹ جمع کرلئے ہیں۔

بمبئی میں اگر کسی صاحب یا صاحبہ سے آپ کی واقفیت ہو تو ان کا پتہ بھی بتادیجئے۔ بشرطیکہ انھیں اس مشغلہ سے کچھ دلچسپی بھی ہو۔

والسلام (محمد ظہیر احمد)

عزیزم سلمہ۔ تمہارا خط ملا۔ شکریہ میں تمھیں برلن کے ایسے شخص کا پتہ بتاتی ہوں جسے ٹکٹ جمع کرنے کے مشغلے سے بہت دلچسپی ہے۔

افسوس کہ بمبئی کے کسی ایسے شخص سے میرے تعلقات نہیں جسے اس مشغلے سے دلچسپی ہو۔ امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے فقط

(تمھاری آپا جان)

پتہ یہ ہے۔

Harry Gunther Berendt,
2/3, Kaiserallee,
Berlin W.15
(Germany)

(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
موٹو اور چھوٹو (۲)
(۵)
(۶)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

کہانیاں

مکتبہ جامعہ نے بچوں کیلئے مزے مزے کی دلچسپ کہانیوں کا سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ یہ کہانیاں پیام تعلیم میں چھپ چکی ہیں اور بچوں نے انھیں بیحد پسند کیا ہے ان کی تعریف میں بیشمار خط ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس آچکے ہیں اسی لئے اب مکتبہ جامعہ نے انھیں علحدہ علحدہ کتابی صورت میں نہایت اچھے کاغذ پر بہت خوشنما چھپوایا ہے۔

مُرغی اجمیر چلی ۔ از رقیہ ریحانہ صاحبہ .... قیمت ۲ر

نیت کا پھل ۔ از مرزا مظفر حسین صاحب سیفی دہلوی ... " ۲ر

شیدلا ۔ از پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) .. " ۳ر

شہزادی گلنار ۔ از پروفیسر محمد عطاء اللہ صاحب ایم ۔ اے ... " ۴ر

اس بات کا خیال رکھو کہ جب ایک روپیہ سے کم کی کتابیں منگانا ہوں تو بجائے وی پی سے منگانے کے ٹکٹ بھیج دو۔ اس کے ساتھ دو آنے محصول بھی ضرور بھیجنا۔ ایک روپیہ سے زیادہ کی کتابیں بھی تم منی آرڈر بھیج کر منگا سکتے ہو۔ وی پی سے خرچ زیادہ پڑجاتا ہے۔ پیام تعلیم کے خریداروں سے محصول ڈاک معاف لیکن خط میں نمبر خریداری اور اس اعلان کا حوالہ ضروری ہے۔

مکتبہ جامعہ دہلی

ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم (امیر جامعہ)

مرحوم امیر جامعہ کے جنازہ کی نماز ۔ جامع مسجد کے سامنے میدان میں

قیمت سالانہ عہ

پیام تعلیم دہلی

فی پرچہ ۲ر

جلد ۱۹ | جون سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان جامعی ندوی۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم اے، پی ایچ ڈی ۔ جامعہ پریس

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

قاضی ضیاء الدین احمد صاحب احمد آباد
رشیدہ و حوریہ صاحبان ۔ راولپنڈی
سید محمد شفیع صاحب ۔ مدراس
اسسٹنٹ سکریٹری ۔ دہرہ دون
محمد ظہیر الدین صاحب صدیقی ۔ حیدر آباد
سید عبد الحکیم صاحب ۔ پٹنہ
عبد الرحیم صاحب ۔ سوجان پور (پنجاب)
محمد حسین صاحب ۔ مدراس
س ۔ محمد جنید صاحب ۔ سالار پور
سید آر ۔ ایس پاشا ۔ کولمبو
محمد طاہر صاحب عثمانی ۔ گیا ۔
افسر حسین صاحب ۔ لکھنؤ ۔
وحید احمد صاحب مارہرہ
سید ضیاء الاسلام صاحب ۔ دہرہ دون
سعید احمد صاحب ۔ بالاگھاٹ
محمد ابراہیم حسن صاحب گدھاوا ۔
منصور خاں صاحب لوسد ۔
سودن سنگھ صاحب ۔ سوتی
ملا قربان حسین جیون بھائی صاحبان ۔ سونل
افسر بیگم صاحبہ ۔ مراد آباد
محمد احمد صاحب ۔ علی گڑھ
امین احمد صاحب ۔ مہگاؤں

الف محمد جان اینڈ برادرس ۔ ٹوٹی کورن
میاں خورشید الدین صاحب ۔ پشاور
محترمہ صوفیہ خانم صاحبہ ۔ کوائٹہ
" خاتون جنت صاحبہ کوائٹہ
حکیم عبد الرزاق صاحب ۔ مئو مرائے
عبد الرحمان صاحب ۔ حیدر آباد
محمد مجتبیٰ صاحب ۔ سندھولی
سید حامد صاحب ۔ پشاور
محمد ابو مسعود فاروقی ۔ حیدر آباد
جلال الدین احمد صاحب ۔ ڈھاکہ
فضل احمد کریم صاحب ۔ چٹاگانگ
محمد نسیم صاحب ۔ حیدر آباد دکن
مختار الرب صاحب ۔ کان پور
کیلاش بہاری صاحب ۔ فتح گڑھ
محترمہ بیگم عبد الغنی صاحب ۔ لاہور
اختر ثریا صاحبہ ۔ دہلی
سردار عطاء اللہ جان خاں صاحب ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں
نادر بخش صاحب ۔ فتح پور
عبد الرحمٰن صاحب ۔ رائے پور
گورنمنٹ ورنکلر مڈل اسکول ۔ فتح گڑھ
گورنمنٹ ورنکلر مڈل اسکول ۔ جونپور
سید ابو الحسن صاحب ۔ بلدور

گورنمنٹ ورنکلر مڈل اسکول ۔ باندہ
قمر عائشہ بیگم صاحبہ ۔ شیخوپور
منظر حسین خاں صاحب ۔ بریلی
سکریٹری انجمن ترقی اردو ۔ والیباڑی
م ۔ ی ۔ ملا ۔ رنگون
عبد السعید خاں صاحب ۔ بھوپال
محمد فصاحت علی صاحب ۔ نانگلوئی
محی الدین صاحب ۔ رائے پٹھیہ
تسلیم بیگ صاحب ۔ کرت پور
ہزاری سنگھ صاحب ۔ نگینہ
معتمد دار المطالعہ ۔ مانا کنڈور
مقبول احمد صاحب ۔ دہلی
مقصود حسین صاحب ۔ شیرکوٹ
میر محمد جان صاحب ۔ رام پور
ڈاکٹر علی زماں صاحب ۔ ملیح آباد لکھنؤ
غالب علی صاحب ۔ ملیح آباد
سید مجتبیٰ احمد صاحب ۔ مئو
عبد الرؤف صاحب ۔ بھیونڈی
رشید احمد صاحب ۔ سہسوان
محمد مجیب الرحمٰن صاحب ۔ گھگریا ۔
آنریبل شمس الدین حیدر صاحب ۔ رانچی

۱۰ مئی کی صبح بھی کیسی وحشتناک صبح تھی۔ کوئی ساڑھے چھ بجے ہوں گے۔ ہم لوگ غفلت کی نیند سو رہے تھے کہ ایک صاحب نے گھبرائی ہوئی آواز میں جگایا۔ "اٹھئے اٹھئے ڈاکٹر انصاری صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مسوری سے دلی آرہے تھے۔ راستے میں دل کی حرکت بند ہو گئی۔ چھ بجے کی گاڑی سے لاش آرہی ہے۔" ہم سب ششدر تھے۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال جلدی جلدی وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اسٹیشن پہنچے۔ تھوڑی دیر میں گاڑی آگئی۔ کس دل سے کہوں کہ اس میں جامعہ کے امیر اور قوم کے محبوب ترین لیڈر، ڈاکٹر انصاری کی لاش تھی۔ جامعہ کے استادوں اور طالب علموں کے علاوہ شہر کے اور بہت سے معزز لوگ بھی اسٹیشن پر آگئے تھے۔ نعش ریل کے ڈبے سے نکالی گئی۔ ریلوے کی ہاتھوں سے چلنے والی گاڑی میں رکھی گئی۔ اور دریا گنج ان کی کوٹھی تک لائی گئی۔ آٹھ بجتے بجتے تمام کوٹھی مرحوم کے عزیزوں اور دوستوں سے بھر گئی۔ دس بجتے بجتے جنازہ تیار ہو گیا۔ جامع مسجد کے سامنے میدان میں نماز پڑھائی گئی۔ بہت کم وقت میں لوگوں کو اطلاع ملی تھی۔ پھر بھی ہزاروں آدمیوں نے نماز میں شرکت کی۔ پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ قبر جامعہ کی نئی بستی یعنی اوکھلے میں بنے گی۔ لاریوں کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ نماز کے بعد جامعہ والے اور بہت سے شہر کے لوگ لاریوں اور موٹروں میں جنازے کے ساتھ اوکھلے پہنچ گئے اور وہاں جامعہ کی عمارتوں کے سامنے ایک اونچی جگہ درخت کے سائے میں مرحوم کو سپرد خاک کیا گیا۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب کا خیال ہے کہ قبر پر مقبرے کی صورت کی نہایت خوب صورت اور سادہ سی عمارت بنوائی جائے

ہمارے امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مرحوم ہندوستان کے بہت بڑے ڈاکٹروں میں تھے۔ مگر لوگ ان کی عزت محض اُن کی ڈاکٹری کی وجہ سے نہیں کرتے تھے۔ ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ اپنی قوم اور ملک کے سچے اور مخلص خادم تھے اور اس مقصد میں انھوں نے تکلیفیں اور پریشانیاں بھی اٹھائیں۔ وہ بہت بلند حوصلہ، فراخ دل اور سیر چشم تھے آنکھوں میں مروت تھی۔ مزاج میں نرمی، تواضع اور خاکساری۔ دوستوں کے سچے دوست، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے، غریبوں اور دکھیاروں کے ہمدرد اور ہمیشہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ان کی غلطیوں سے درگذر کرنے والے۔

ہماری جامعہ کی بنیاد علی گڑھ میں ان ہی جیسے بزرگوں کے پرخلوص ہاتھوں سے رکھی گئی اور ان کی اور مسیح الملک مرحوم کی کوششوں سے علی گڑھ سے دلی میں آئی۔ جامعہ سے انھیں جو تعلق تھا اس کا اندازہ باہر کے لوگ نہیں کر سکتے۔ وہ جامعہ کے امیر یا سرپرست تھے اور جامعہ کے استادوں اور بچوں کو اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہماری نئی بستی میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ جامعہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے محسن کی قبر پر جو محبت اور شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور انھیں پیار کرتا تھا ہر روز اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پھول چڑھائیں گے مرحوم کی روح کو اس سے کتنی خوشی ہوگی!

اس پرچے میں جناب شیخ الجامعہ صاحب کی ایک تقریر شائع ہو رہی ہے۔ یہ انھوں نے ۱۰ مئی کو ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے دن دلی کے ریڈیو اسٹیشن سے کی تھی۔ اسے ضرور پڑھنا۔ اگلے پرچے میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے حالات ذرا تفصیل سے لکھے جائیں گے۔ آخر میں ہم محترمہ بیگم انصاری مس زہرہ انصاری اور دوسرے عزیزوں سے اپنی اور پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں کی طرف سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں خدا سب کو صبر کی توفیق دے۔

بچوں سے باتیں

بچوں کے بنک کا ان صفحوں میں بار بار ذکر آچکا ہے۔ ۲۰ اپریل کو اس کا جلسہ تھا۔ جناب چودھری اکبر علی صاحب ایم اے (امریکہ) اس کے صدر تھے۔ پہلے ایک بچے نے پچھلے سال کی رپورٹ پڑھی پھر بچوں کو نفع تقسیم کیا گیا۔ نفع کم سے کم ایک پیسہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ تھا۔ آن ۱۲ بچوں کو ایک ایک روپے کی کتابیں انعام میں دی گئیں۔ جو زیادہ عرصے تک بنک کے ممبر رہے تھے اسی اور مدرسے کے آخری درجے (ابتدائی ششم) کے بچوں کی رخصتی دعوت بھی تھی اس سلسلے میں بچوں کی کئی دلچسپ تقریریں ہوئیں۔ مدرسے سے جانے والے بچوں کے گلے میں ہار ڈالے گئے۔ ان کی جدائی پر رنج ظاہر کیا گیا اور ان کی ترقی پر انہیں مبارک باد دی گئی۔ اس کے بعد مہمانوں کی مٹھائی اور لسی سے تواضع کی گئی

مولو چھوٹو سے بچوں نے بہت دلچسپی لی بڑوں نے بھی اسے پسند کیا چیز ہی ایسی ہے۔ اپریل کے انعامی مقابلے میں تیرہ بچوں نے حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مس جمیلہ عبدالصمد لاہور
۲۔ محمد عمران ۔ فتح گڑھ
۳ سید التجا علی۔ کانپور
۴ خلعت بخش اعوان ۔ خانیوال
۵ میر ظہور علی خاں ۔ حیدرآباد دکن
۶ محمد حسن ڈیا نواں
۷ عبد الحی ۔ دسنہ
۸ ذکی احمد ۔ سندیلہ
۹ بنت فضل اللہ ۔ حیدرآباد
۱۰ ۔ محی الدین فاروقی ۔ آرہ
۱۱ ۔ بنت منظور احمد خاں صاحب۔ حیدرآباد
۱۲ ۔ موسیٰ عبدالرحمٰن ۔ حیدرآباد
۱۳ ۔ ک س، احمد حسن قریشی ۔قرول باغ دہلی ۔

مس جمیلہ عبدالصمد اس مقابلے میں اول آئیں۔ محمد عمران دوم اور سید التجا علی کانپور سوم - مولوی عبدالغفار صاحب مدہولوی نے مضمونوں کو جانچنے کی تکلیف گوارا فرمائی ۔ ہماری اور سب بچوں کی طرف سے شکریہ قبول فرمائیں۔

مئی کے مولو چھوٹو کی طرف اب تک کسی بچے نے توجہ نہیں کی حالانکہ وہ بھی توجہ کے قابل ہیں۔ ۲۰ جون تک مضمون آجانا چاہئیں جون کے انعامی مقابلے کی آخری تاریخ ۱۵ جولائی رکھی جاتی ہے ۔

پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کی تیاری شروع ہو گئی ہے اس پرچے میں کہیں تم اس کا اشتہار بھی پڑھو گے پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں اور بڑوں کا خیال ہے کہ پچھلے اس سال خاص ترقی کی ہے تا ہم اس نمبر دیکھ کر انشاءاللہ وہ اور بھی خوش ہوں گے اگلے پرچے میں اس بارے میں زیادہ تفصیل سے باتیں کریں گے ۔

اس پرچے کا سرورق تعلیمی مرکز نمبر ا کے طالبعلم عزیزی رحیم بخش پنجم الف نے بنایا ہے۔ جناب اختر حسن صاحب فاروقی استاد جامعہ کی نوازش ہے یہ ڈیزائن ہمیں ملا ہے۔ بچے کی عمر ۱۲ سال ہے۔ امید ہے بچے پسند کریں گے

اس مہینے کے بعد جامعہ میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو جائیں گی اگست سے نیا سال شروع ہوگا۔ اوکھلے کی عمارت اس وقت تک بالکل تیار ہو جائے گی جامعہ کا ابتدائی مدرسہ وہیں چلا جائے گا۔ قرول باغ کا ابتدائی مدرسہ صرف شہر کے لڑکوں کے لئے ہوگا باہر کے لڑکے اوکھلے میں رہیں گے ۔

امیرِ جامعہ کا انتقال

یہ تقریر شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ۱۰ رمئی کی شام کو دہلی ریڈیو اسٹیشن سے براڈ کاسٹ کی تھی۔ (ایڈیٹر)

کل رات کو کوئی ایک ڈیڑھ بجے، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر مختار احمد انصاری دنیا سے اچانک رخصت ہو گئے۔ ابھی پرسوں کسی کام سے مسوری تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں دل کی حرکت بند ہو گئی اور یہ بے شمار کاموں اور ان گنت قدردانوں کو، اس دیس کو، جس کی خاطر انھوں نے ہر طرح کی کڑیاں جھیلیں؛ ان مسلمانوں کو جن کی خدمت میں ساری عمر گذار کر اُن کا ہراہی بنا، اُن ہندو مسلمانوں کو، جن میں میل ملاپ اور محبت پیدا کرنے کے لئے خون پسینا ایک کیا، ان مریضوں کو، جن کی آخری امیدوں کا سہارا اُن کا مطب تھا، اس جامعہ ملیہ کو، جس کے بچوں کو دیکھ کر ان کا خون چلّو وں بڑھتا تھا۔ اور جن سے انھیں یہ امید تھی کہ ان کی زندگیوں میں وہ آرزوئیں پوری ہو سکیں گی، جو اس وقت بس ارمان ہی ارمان ہیں۔ ہاں گھر بار کو، بال بچوں کو، عزیزوں کو، دوستوں کو، سب کو چھوڑ کر نہ جانے جی میں کیا آئی کہ آدھی رات گئے اس راہ پر چل پڑے جس پر چلنے والے پھر منہ موڑ کر نہیں دیکھتے۔ ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے ایک اُن کے اپنے گھر میں اندھیرا نہیں ہوا، اس وقت دیس کے ہر بچے بچے کے دل میں اس غم کی اندھیاری چھائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات فیض کا ایک چشمہ تھی اور یہ چشمہ اپنے پرائے سب کے لئے بہتا تھا۔ اُن کی شخصیت ایک سہارا تھی جو وقت پڑے سب کے کام آتا تھا۔ اُن کا دل ایک ٹھکانا تھا، جہاں ہر دکھی دل کو پناہ ملتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جس دم سے دنیا کے میدان عمل میں قدم رکھا اُن کی شخصیت نے سب کا من موہ لیا، اس لئے کہ وہ نیک تھے، سچے تھے، مخلص تھے، فیاض تھے ساتھیوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان کے

غم کو اپنا غم جانتے تھے۔ اس سے پہلے کہ اُن کی سیاسی خدمات انھیں مشہور کریں، ہزاروں آدمی انھیں اپنا سمجھنے لگے تھے۔ ان کی سوجھ بوجھ، تدبر، خلوص اور ایثار نے بہتیروں کو ان کا گرویدہ بنایا۔ لیکن ان کی محبت اور ہمدردی نے کہیں زیادہ لوگوں پر اپنا جادو کیا۔ اس وقت ان سب کی نظروں میں ان کی پریم بھری آنکھیں، اُن کا مسکراتا ہوا چہرہ پھر رہا ہوگا اور ان کی محبت کی یاد سے دل میں رہ رہ کر درد اٹھتا ہوگا۔ پھر سوچئے کہ اس سانحہ سے ان لوگوں کے دلوں پر کیسی چوٹ لگی ہوگی، جو ڈاکٹر صاحب کے خاندان، یا جامعہ ملیہ کے بچوں اور استادوں کی طرح، خاص اُن کے سایے میں رہتے تھے۔ موت کی گھڑی سب کے لئے آتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب تو ابھی ۵۶ سال کے تھے۔ ان کے لئے تو وہ زمانہ آرہا تھا کہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودوں کو پھلتے، پھولتے دیکھتے۔ اور جب وہ نہ ٹلنے والی گھڑی آتی تو انھیں کچھ نصیحت، کچھ وصیت کرکے اطمینان سے آنکھیں موند لیتے۔ پر یہ سب خدا کو منظور نہ تھا۔ اور ہوتا وہی ہے جو اُسے منظور ہو۔ وہ اکیلے چل دئے اور ہمیں اکیلا چھوڑ گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی ساری زندگی میں، سچ پوچھئے تو اُن کے خاندان کی روایتوں کا رنگ جھلکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے وطن یوسف پور کے انصار، حضرت ایوب انصاری کی اولاد ہیں جن کے گھر میں مکے سے مدینے ہجرت کرنے والے قافلے کے سردار نے جاکر قیام فرمایا تھا اس وقت جب مخالف اس کی حق کی پکار کو اپنے شور سے دبا دینا اور اس کی تعلیم کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے تھے، پر جس کی للکار سے سوتی دنیا چونک اٹھی اور دکھیا انسانیت نے بڑی ہی راحت پائی۔ اسی وقت سے سچائی کی مدد، مہمان نوازی، فیاضی اس خاندان کا حصہ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے تو اُن کے خاندان کا ستارہ ذرا گردش میں تھا۔ لیکن بچپن ہی سے ان کی طبیعت میں بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ ۱۸۹۶ء سے جب انھوں نے اپنے وطن کا مڈل اسکول چھوڑا، اس وقت تک جب وہ انگلستان میں تعلیم سے فارغ ہوکر ہندوستان واپس آئے۔ یہ اپنی محنت اور ذہانت سے ہمیشہ تعلیمی وظیفے حاصل کرتے رہے۔ اور ان وظیفوں سے اکثر چھپ چھپ کر اپنے کسی عزیز کو تعلیم دلاتے رہے۔ کامیابی کے ساتھ ساتھ اُن کا یہ مبارک شوق بھی بڑھتا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں، جب انھوں نے دلی میں فتح پوری پر

اپنا مطلب کھولا تو اُن کی غیر معمولی طبی لیاقت کے ساتھ، اُن کی مہمان نوازی اور دریا دلی بھی مشہور ہوئی ۱۹۱۲ء میں انھوں نے ٹرکش میڈیکل مشن کی رہبری کے لئے اپنی پریکٹس چھوڑی، گھر میں جو کچھ بک سکتا تھا بیچ ڈالا اور زخمی ترکوں کی مرہم پٹی کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو ہاتھ خالی۔ پھر پریکٹس شروع کی۔ ذرا اطمینان ہو چلا تھا کہ خلافت کی تحریک شروع ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے پھر اپنا وقت اور روپیہ قوم پر نثار کر ڈالا ۱۹۲۰ء میں جب وہ خلافت کا ڈیپوٹیشن لے کر انگلستان گئے، تو اپنا موٹر بیچ کر۔ جب واپس آئے تو ملک میں ایک تہلکہ تھا۔ اس وقت کوئی خدمت ایسی نہ تھی جسے انجام دینے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم جھجکے ہوں۔ وہ کون سودا تھا، جو اس سر میں نہ تھا۔ نہ دن چین سے گذرتے تھے نہ راتیں۔ اور ان کا حوصلہ تھا کہ بڑھائے جاتا تھا، اور ہمت تھی کہ مہمیز لگائے جاتی تھی۔ ۱۹۲۲ء کے بعد کچھ ملک میں سکون سا تھا۔ پر اس سکون میں وہ اور بھی بے چین تھے کیونکہ ہندو مسلمانوں میں میل، جسے وہ جان سے عزیز رکھتے تھے، اس وقت فنا ہوتا نظر آتا تھا اور وطن کے دونوں بیٹوں میں پریم اور محبت کا رشتہ قائم کرنے کی خاطر کم لوگ ہیں جنھوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طرح اپنی عزت، شہرت، اپنے سُکھ، اپنے چین کو داؤں پر لگایا ہو۔ اس پاک کوشش میں انھیں جو دُکھ پہنچے، اُن کا ذکر اس وقت کیا کروں۔ انھوں نے اس پاک طینت نیک نفس انسان کا دل چھلنی کر دیا تھا۔ آج جب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکا، ہمیں سب کو، ہندو مسلمانوں کو، اس پاک کوشش میں اس کی ناکامی پر شرم سے سر اُٹھانے کا موقع نہیں ہے اور اس شرم کو بس آنسوؤں کی دو بوندیں نہیں دھو سکتیں۔ اس کے لئے ساری عمر اسی کام میں سر کا پسینہ ایڑیوں تک بہانا ہوگا جب بھی شاید نہ دھلے گی۔ اسی کام کی خاطر، ہاں جاننے والے جانتے ہیں کہ اسی کام کی خاطر، انھوں نے اپنی تمام پریشانیوں اور دشواریوں کو بھلا کر کانگریس کی صدارت ۱۹۲۷ء میں منظور کی۔ اسی کی خاطر سارے ملک میں مارے مارے پھرے، اسی کی خاطر اپنوں کے بُرے بنے۔ پر اپنی زندگی کے ہر کام سے آپس میں بھروسہ، اعتماد، پریم اور محبت کا بیج بوتے رہے۔ اسی کی خاطر جامعہ ملیہ کے کمزور پودے کی آبیاری اپنے ذمہ میں لی تھی کہ ملک کا رنگ، اور ملک والوں کے ڈھنگ دیکھ کر ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ نئے ہندوستان کے لئے نئے آدمیوں

کی ضرورت ہے۔ ایسے آدمیوں کی جو اپنی اچھی چیزوں پر بھروسہ رکھیں۔ انھیں برتیں۔ انہیں ترقی دیں، تاکہ دوسروں
کی اچھی باتوں کو سمجھیں اور ان کی عزت کریں، خود مضبوط ہوں اور دوسروں کی مضبوطی سے ڈریں نہیں۔ مانگیں ہی
نہیں دینے کو کچھ رکھتے ہوں اور دینے کی ہمت بھی رکھتے ہوں۔ مسلمانوں میں ایسے آدمی پیدا کرنے کے لئے انھوں نے
اپنی امیدیں اس تعلیم گاہ سے باندھی تھیں اور اسکی ترقی کو وہ ملک کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ آج سہ پہر کے
وقت جامعہ ملیہ والوں نے اپنے سرپرست کو اپنی نئی بستی کے پہلو میں جاکر دفنایا ہے۔ خدا انھیں توفیق دے کہ وہ اس
آرزو کو بھی پورا کر سکیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کا دکھا ہوا زخمی دل اپنے ساتھ لے گیا۔ اب اس مدرسے کے بچوں کے سر پر
ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ نہ پھرے گا۔ اس کے کام کرنے والوں سے کوئی آ آکر شرما شرما کر یہ نہ کہے گا کہ میں تمہارے لئے کچھ کام
نہیں کر سکا تم سے آنکھ ملانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ وہ لپنے لڑکپن میں اب کس سے روٹھیں گے اور کون انھیں آکر منائے
گا۔ ہاں کوئی نہیں، پر اس دکھی دل کا دکھ ہمیں یاد رہے گا۔ اور ہم میں کچھ ہے تو ہم سے کچھ کرائے گا بھی۔ ہمارا کام
بڑھے گا، پھیلے گا، ہمیں ہزار دولتیں ملیں گی۔ پر ڈاکٹر انصاری کا سا دل نہ ملے گا۔

کتا (۱۰)

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک ٹھیک عکس اتار لو

۔ اپنے عکس کا نقشے سے مقابلہ کرو اور غلطیاں درست کرلو۔

تمام سیاہ جگہوں کو رنگ یا سیاہی سے بھرلو۔ اور انہیں خوب سوکھ جانے دو

ہر کی تمام لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو

• لکیروں کو بھی جہاں تک وہ کھنچی ہوئی ہیں۔ کاٹ لو

والی اور ٹکڑوں والی لکیروں کو سوئی سے کھرچ دو۔

والی لکیروں کو نیچے اور ٹکڑے والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑ دو

۸ أ کو ب پر چپکاؤ۔

۹ ج کو د کی پشت پر چپکاؤ۔

۱۰ س کو ب کی پشت پر چپکاؤ۔

۱۱ ص کی پشت ص پر چپکاؤ۔

۱۲ ط کو ف کی پشت چپکاؤ۔

۱۳ ق کو ل کی پشت پر چپکاؤ

۱۴ اب اپنے کتے کا اصل تصویر سے مقابلہ کرو اگر کوئی غلطی ہو تو ٹھیک کرلو۔

بیل (۱۱)

۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک ٹھیک عکس اتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا نقشے سے مقابلہ کرو اور غلطیوں کو درست کر لو۔

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو رنگ یا سیاہی سے بھر لو اور انہیں خوب سوکھ جانے دو۔

۴۔ باہر کی تمام لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو۔

۵۔ سیاہ لکیروں کو بھی جہاں تک وہ کھنچی ہوئی ہے۔ کاٹ لو۔

۶۔ نقطوں والی لکیروں اور ٹکڑے والی لکیروں کو سوئی سے کھرچ دو۔

۷۔ تمام نقطوں والی لکیروں کو نیچے اور ٹکڑوں والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑو

۸۔ پیچھے دونوں حصوں کی شکل اس طرح

۹۔ ا کی پشت ب کی پشت

۱۰۔ ج کی پشت د کی پشت

۱۱۔ ص کی پشت س پر چپکا دو۔

۱۲۔ ط کی پشت ص پر چپکا دو

۱۳۔ ق کی پشت ف پر چپکا دو

ص

ط

شہد کی مکھی

از جناب محمد شفیع الدین صاحب نیر، استاد موڈرن ہائی اسکول، نئی دہلی

اُڑتی، اَڑتی گرتی پڑتی ‏ ‏ بَنتی، تنتی اور اکڑتی،

شہد کی مکھی گاتی آئی ‏ ‏ بیں پروں سے بجاتی آئی

میں نے کہا اے شہد کی مکھی! ‏ ‏ مجھ کو بتا اے شہد کی مکھی!

یوں اتراتی شور مچاتی ‏ ‏ کیوں پھرتی ہر وقت گنواتی

بولی باغ سے آئی ہوں میں ‏ ‏ پھولوں کا رس لائی ہوں میں

مجھ کو نہیں باتوں کی فرصت	مجھ کو نہیں کاموں سے مہلت
رس سے شہد بناتی ہوں میں	گھر میں ڈھیر لگاتی ہوں میں،
گھر بھی ایک بنایا میں نے	اس کو خوب سجایا میں نے
صاف پڑا ہے کونا کونا	موم کا تکیہ موم بچھونا،
کہیں مجھے تم چھیڑ نہ دینا	مفت کی آفت مول نہ لینا
ڈنک میں میرے زہر بھرا ہے	زہر بھرا ہے قہر بھرا ہے
لواب مجھ کو جانے دو تم	کام سے جی بہلانے دو تم
کاہل بن کر میں نہیں سوتی	وقت کو اپنے میں نہیں کھوتی

کام ہی میں آرام ہے مجھ کو

کام سے دن بھر کام ہے مجھ کو

اٹلی اور ابی سینیا

محمد حسین حسان

اگر تم اخبار پڑھتے ہو تو تمھیں حبش کی شکست اور اٹلی کی فتح کا حال معلوم ہوگا۔ نہ معلوم ہو تو اپنے بزرگوں یا استاد سے پوچھ لینا۔ یہ لڑائی پچھلے سال اکتوبر ۱۹۳۵ء میں شروع ہوئی تھی اور اب گویا سات مہینے بعد اٹلی کی فتح پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ ویسے تو جب دو لڑتے ہیں تو ایک ہارتا ہے۔ ایک جیتتا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ دو طاقتیں ٹکر کی نہیں تھیں۔ اور فرق انیس بیس کا نہیں۔ ایک اور پچاس کا تھا۔ اب تم اس سے اندازہ کر لو کہ اٹلی کے پاس۔ چار پانچ سو تو ہوائی جہاز تھے اور پھر بہتر سے بہتر اور نیا سے نیا لڑائی کا سامان، فوج بھی بہت باقاعدہ فوجی تعلیم پائی ہوئی۔ ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح۔ دوسری طرف بے چارہ حبش! جس کے پاس لے دے کے کل ۱۲ ہوائی جہاز اسی طرح دوسرا سامان بھی بہت کم۔ لڑنے والے ویسے تو بہت بہادر، تیر، تلوار اور بندوق کے دھنی۔ لیکن لڑائی کی نئی چالوں سے بے خبر اس کے علاوہ سب سے بڑھ کر روپے پیسے کا توڑ۔ شاہ حبش بہت دن تک لڑائی کو ٹالتے رہے کچھ تو ان ہی مجبوریوں کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ یورپ کی پنچایتی انجمن نے جو مختلف ملکوں کے جھگڑے چکاتی ہے شاہ[1] کو یقین دلایا کہ وہ حبش کی حمایت کرے گی اور اٹلی کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دے گی۔ لیکن دشمن سر پر آن پہنچا۔ تو مجبوراً حبشہ کی فوجیں آگے بڑھیں اور اپنے بس بھر خوب مقابلہ کیا۔ پھر بھی ہار گئیں اور تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یورپ کی یہ پنچایتی انجمن مدد کو آگے بڑھنا تھی۔ نہ بڑھی۔

تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس نامراد لڑائی کی بنا کیا ہے بات یہ ہے کہ حبش کے جنوب میں اٹلی کا علاقہ ہے سمالی لینڈ اس سے ملا ہوا ایک مقام ہے۔ وال وال۔ یہاں دونوں ملکوں کی حد بندی ٹھیک سے نہ تھی۔ لیکن عام طور پر سمجھا یہی جاتا تھا کہ یہ حبش کے ملک میں ہے اسی وال وال پر اٹلی نے دسمبر ۱۹۳۴ء میں قبضہ کر لیا۔ حبش کے چند سرحدی دستوں نے اٹلی کی فوجوں کا مقابلہ کیا بس یہیں سے جھگڑا شروع ہوتا ہے۔ سرحدوں پر آئے دن اس قسم کی جھڑپ ہوتی رہتی ہے اور اس کا تصفیہ بھی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو نیت ہی کچھ اور تھی۔ اصل میں اٹلی کی آبادی بہت بڑھ رہی ہے اور روپے پیسے کی بھی کمی ہے اس لئے اسے ایسے ملک کی تلاش تھی۔ جہاں اٹلی کے لوگ کھپ سکیں اور دولت حاصل کرنے کے ذریعے بھی ہاتھ آئیں۔ خوش قسمتی

[1] نومبر ۱۹۳۵ء کے پیام تعلیم (سالگرہ نمبر) میں محمود علی خاں صاحب نے اٹلی پر بہت اچھا مضمون لکھا تھا (ص[illegible] تا ص[illegible])، اگر اس مضمون کو تم دیکھ لو، تو آج کے مضمون میں تمھیں بہت مدد ملے گی۔

بدقسمتی سے یہ دونوں باتیں یہاں موجود ہیں۔ ایک تو علاقہ بہت بڑا ہے اور نوآبادی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرے یہاں چیزیں بہت اچھی اچھی پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً کھجور، کیلا، قہوہ اور ربڑ علاوہ اس کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سونے تانبے ٹین اور مٹی کے تیل کی بہت سی کانیں ہیں اسی لئے سب ملک اسے للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

بس یہی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اٹلی موقعہ پاتے ہی غریب حبش پر چڑھ دوڑا۔ اور وہاں کے لوگوں پر وہ وہ ظلم کئے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم زہریلی گیس کا استعمال ہے جس کی وجہ سے بے شمار حبشی مرد، عورتیں، جوان اور بوڑھے دم گھٹ کر مر گئے۔

اس کی اس حرکت کی سبھی قوموں نے مخالفت کی طرح طرح کی دھمکیاں دیں۔ بہت سی پابندیاں لگائیں مگر وہ کسی بات کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ اٹلی والوں کی طرف سے کہا یہ جاتا ہے کہ حبش پر قبضہ کرکے ہم وہاں کے غیر مہذب اور وحشی لوگوں کو مہذب بنائیں گے۔ وہاں تمدن پھیلائیں گے۔ سڑکیں بنائیں گے ریلیں نکالیں گے، پل بنائیں گے اور مدرسے قائم کریں گے اور یہ انھوں نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ ہر طاقتور قوم اپنے فائدے کے لئے جب کسی کم زور قوم کو غلام بنانا چاہتی ہے تو ایسے ہی حیلے تراشتی ہے۔ اٹلی نے تو یوں سمجھو کر اس سبق کو دہرایا ہے

ادھر حبش کا یہ حال کہ بہت سی قوموں برطانیہ اور بلجیم وغیرہ نے اسے لڑائی کا سامان دینے سے انکار کر دیا اس کی وجہ سے وہ اور بھی مشکل میں پڑ گیا۔

غرض لڑائی شروع ہوئی۔ ۳ر اکتوبر کو کئی اطالوی دستے موسائی کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ لیکن حبش کی فوج مقابلے پر نہ آئی۔ ۴ر اکتوبر کو حبش کے ایک شہر ادووا پر اتنے بم برسائے گئے کہ بالکل برباد ہو گیا انجمن صلیب احمر کے خیموں پر بھی بم پھینکے گئے جس سے کئی نرسیں ہلاک اور بہت سی زخمی ہوئیں۔ ۸ر اکتوبر کو بہت مقدس (پاک) شہر اکسوم کو فتح کیا۔ وہاں بھی اتنے بم برسائے کہ سوائے گورنر کے محل کے سارا شہر کھنڈر ہو گیا۔ ۱۶ر اکتوبر کو ٹغارا اور کھٹاما پر ۳۰۰ بم برسائے۔ ۲۱ر اکتوبر کو داگنیدی اور شیلاڈ پر بم برسائے اور وہاں کے رہنے والوں کو مشین گنوں سے ہلاک کیا۔ اسی تاریخ کو بردولی میں آگ لگائی اور شیلاڈ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۷ر اکتوبر کو گوراہی پر حملہ کیا اور وائرلیس اسٹیشن کو تباہ کر دیا ۹ر نومبر کو گاہبود پر ایک ہزار بم برسائے۔ ۷ر دسمبر کو ڈیسی پر ایک ہزار بم پھینکے گئے ان میں بعض پھٹنے والے اور بعض آگ لگانے والے تھے۔ ۴ر جنوری سنہ ۳۶ء کو ہرار پر زبردست بم باری کی ۵ر جنوری کو امبا گالی پر ہوائی حملہ کیا اور گیس کے بہت سے بم پھینکے ۹ر جنوری کو جمبٹن کے علاقے میں بمباری کی۔ ۲۹ر مارچ کو ہرار پر تیس ہوائی جہازوں نے دو گھنٹے تک بم برسائے۔ پورا شہر دوزخ کا نمونہ بن گیا۔ مسجدیں، گرجے اور خانقاہیں سب تباہ ہو گئیں۔

اسی زمانے میں حبش کا بادشاہ یورپ کی پنچایتی انجمن سے اٹلی کے ظلموں کی برابر فریاد کرتا اور اس سے مالی مدد مانگتا رہا۔ لیکن اس انجمن نے اس کی کچھ بھی مدد نہ کی۔ حبش کی ملکہ نے تمام دنیا سے اپیل کی کہ حبشہ کے بچانے میں دیر نہ کی جائے۔ وہاں کی ایک شاہزادی نے پنچایتی انجمن کو تار بھیجا کہ مسلسل سات دن سے دشمن ہماری عورتوں اور بچوں پر گیس کے بم برسا رہا ہے ہمارے سپاہی بہادر ہیں وہ میدان میں جان دینے کو تیار ہیں

لیکن گیس سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں نہ تو نقاب ہے اور نہ کوئی اور چیز" اس فریاد کا بھی کوئی جواب نہ ملا اب تم ہی بتاؤ کہ بے چارا بادشاہ ایسی حالت کو کب تک برداشت کرتا۔ اس نے اور اس کی قوم نے اپنے بس بھر دشمنوں کا پورا مقابلہ کیا مگر ایک تو ان کے پاس روپیہ اور ہتھیار کی کمی دوسرے مقابلہ ایسے دشمن سے۔ اس نے جب دیکھا کہ پچھتاتی انجن سے مدد کی کوئی امید نہیں۔ اور اٹلی والوں کے ہوائی جہازوں مشین گنوں اور زہریلی گیسوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ادھر دشمن کی فوج ادیس ابابا تک بڑھ آئی ہے اور شمالی حبش کا پورا علاقہ فتح کر چکی ہے تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ملک کو چھوڑ دے۔ چنانچہ ۲؍ مئی کو شاہ ایک مقام دیبوتی پہنچ گئے اور وہاں سے بیت المقدس روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ انگلستان جانے کا تھا مگر انگریزوں نے اس وقت اسے مناسب نہ سمجھا

اس فتح کے بعد اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے اعلان کیا ہے کہ حبش کا ملک اٹلی کے بادشاہ کی حکومت میں شامل کر لیا گیا ہے اور بادشاہ اب شہنشاہ کہلائے گا۔

یورپ کی حکومتوں نے حبشہ کی مدد تو بالکل نہ کی لیکن اٹلی کی یہ کامیابی انھیں ناگوار گزری ہے۔ اس لئے اٹلی کے اس اعلان کو ابھی تک کسی نے منظور نہیں کیا ہے فرانس تو خاموش ہے اور برطانیہ بہت پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے بہر حال کچھ بھی ہو۔ حبشہ کی تو ترکی تمام ہو گئی۔ آج سے ایک سال پہلے وہ آزاد تھا اپنی قسمت کا آپ مالک۔ لیکن اب غلام ہے۔ غلام بھی ایسی قوم کا جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے دیکھئے حبش کے رہنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ امید تو یہی ہے کہ غیرت مند حبشی غلامی کی اس ذلت کو زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکیں گے اور جس طرح چالیس برس پہلے اٹلی کو سخت شکست دے کر اپنے کو بالکل آزاد کر لیا تھا اسی طرح اب بھی اس جوئے کو اتار پھینکنے کی پوری کوشش کریں گے

ویسے تو تمام دنیا میں حبشیوں سے ہمدردی کی جا رہی ہے لیکن ہندوستان چونکہ خود غلامی کے شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کو حبش کے اس انجام سے خاص طور پر دکھ پہنچا ہے اور ہمدردی کے اظہار کے لئے تمام ملک میں جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں۔

(حبش کا نقشہ صفحہ ۲۱۲ پر دیکھو)

لطیفہ

ایک چور درخت پر چڑھا کھجوریں کھا رہا تھا کہ مالی نے دیکھ لیا۔
چور گھبرا گیا۔ مگر اپنے حواس قائم رکھے۔ مالی نے کہا تم درخت پر کیا کر رہے تھے؟
چور نے جواب دیا۔ " اپنی گائے کے لئے گھاس لینے چڑھا تھا"
مالی نے غصے سے کہا " کبھی گھاس بھی درختوں پر پیدا ہوتی ہے"؟
اسی لئے تو میں بھی نیچے اتر رہا ہوں۔ اور یہ کہہ کر تیزی سے نیچے اتر کر کسی طرف بھاگ گیا "

عرب
عدن
اسمرہ
برطانوی سومالی لینڈ
ادیس ابابا
ہرار
وال وال
سوڈان
کینیا
سومالی لینڈ

کھلونوں کی بغاوت

از جی عزت بخش صاحب آدان

سردی کا موسم تھا۔ کڑاکے کی سردی! ایک چھوٹے سے کمرے میں بہت سے کھلونے بکھرے پڑے تھے۔ ان کے چہرے غصے سے جیسے ان میں جان ہی نہ ہو۔ پھر ظلم پر ظلم یہ کہ رات کو انھیں یوں ہی سردی میں اکڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور ان کے آرام کی ذرا بھی فکر
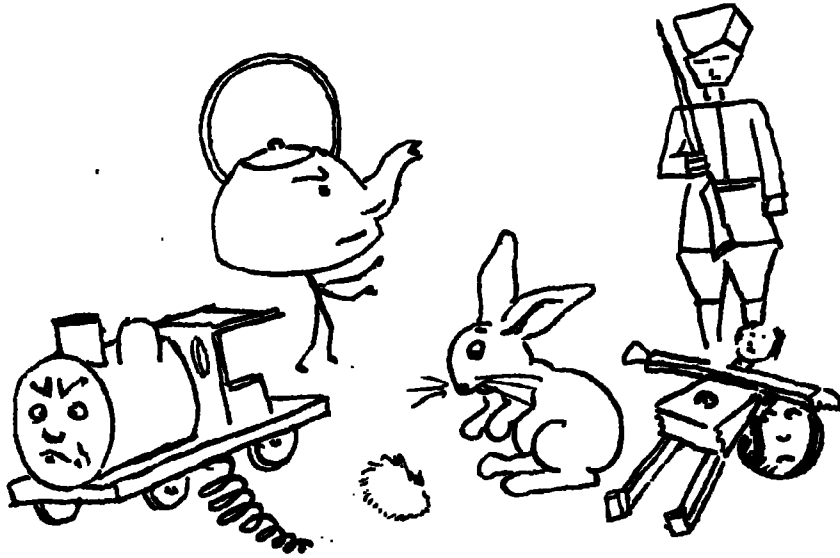
تمتما رہے تھے بچّوں دن بھر ان کے ساتھ کھیلے تھے اور ایسی بے دردی کا سلوک کیا تھا نہ کی۔ اِن بے چاروں کا جاڑے سے برا حال تھا۔ سکڑے جا رہے تھے۔ پاس ہی انگیٹھی

رکھی تھی مگر اس میں آگ کہاں! اور کچھ نہیں تو کوئلے ہی ہوتے وہ خود ہی انھیں سلگا لیتے۔

آخر بھورے رنگ کے خرگوش نے ایک سفید گھوڑے کی طرف دیکھا (یہ اس کی دم تھی) اور بہت غمگین لہجے میں کہا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

اس پر ایک سپاہی صاحب جو خیرسے لنگڑے تھے بڑے جوش سے بولے کیا کرنا چاہیئے! بدلہ لینا چاہیئے اور کیا کرنا چاہیئے۔ تم لو یا نہ لو میں تو ضرور لوں گا۔"

"اور میں بھی" ایک فوجی افسر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

پاس ہی میاں انجن بڑے بڑبڑا رہے تھے۔ وہ لیڈروں کے انداز میں بولے۔ "ہمیں ایک جلسہ کرنا چاہیئے۔"

"کس لئے" چھوٹے کھلونوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"ارے بے وقوفو تم آج میرے پاس چلے بیٹھے آؤ۔ اس وقت سوچا جائے گا کہ کس طرح ان ظالم آقاؤں ——— جمیلہ، حمیدہ، رشید سے بدلہ لیا جا سکتا ہے" "مگر پہلے تو ہمیں اپنی مرمت کی ضرورت ہے" میاں خرگوش نے تھکی ہوئی آواز میں کہا جو ابھی تک اپنی دم کا سوگ منا رہے تھے۔ "کیسے بے وقوف ہو جی تم۔ جیسے صرف تم ہی کو نقصان پہنچا ہے اور تو سب آرام سے ہیں۔"

مگر خرگوش پر اس ڈانٹ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ تو اپنی دم کے غم میں گھلا جا رہا تھا۔ کہنے لگا "ہائے میری دم" "کتنی نازک کیسی خوب صورت! مجھے اس پر کس قدر ناز تھا" اب اس سے بالکل ضبط نہ ہو سکا۔ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اور ایسا بے حال ہوا کہ بولتی گڑیا پر گر پڑا اور وہ اماں ابا، ابا، اماں کہتی زمین پر آ رہی۔

"خاموش" انجن صاحب زور سے چلائے "چا، پر آؤ" جب انجن اس انداز سے بولتا تھا تو دوسرے کھلونے مجبوراً اس کا کہنا مانتے تھے کچھ تو اس لئے کہ یہ ان سب میں بڑا تھا اور کچھ

اس لئے کہ جب وہ ناراض ہو جاتا تھا تو انھیں اپنے
پہیوں تلے روند دیتا تھا اور یہ اس میں بڑی خراب
عادت تھی۔

سب جمع ہو گئے تو انجن صاحب نے گلا
صاف کیا۔ اور بڑی شان سے فرمایا۔ حضرات!
آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوگی کہ آج کے جلسے
کے لئے میں ایک ایسے صاحب کو صدر چن رہا
ہوں جنھوں نے آپ کی بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں
غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ بزرگ ذات
میں خود ہوں ——"

"بکواس مت کرو، پہلے یہ بتاؤ کہ چا،
کہاں ہے پہلے تو چائے چاہیئے" فوجی افسر نے
بات کاٹ کر کہا۔

"چائے وائے کچھ نہیں" انجن نے جھنجھلا کر
کہا۔ اس جھنجھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ
وہ صدر ہے۔

چائے نہ ہونے پر جلسے میں کھلبلی مچ گئی
سب نے جوش میں آکر اس قدر شور مچایا کہ بی
کیتلی، کو جو ایک کونے میں چولہے پر خاموش بیٹھی
تماشہ دیکھ رہی تھیں دخل دینا پڑا اور اپنی پوری آواز
سے گانے لگیں۔

کھلونے اُن کا بہت ادب کرتے تھے،
سب نے چپ سادھ لی اور اُن کا گانا سننے لگے۔

"اس شور سے فائدہ؟ تمھارے اس شور
وغل کو سن کر کوئی تمھیں بھی بے وقوف انسان
ہی سمجھے گا۔ تم اپنا مطلب مجھ سے بیان کرو میں
فیصلہ کروں گی، کیتلی نے گا کر کہا۔ اچھا اب میں
باری باری تمھاری فریاد سنتی ہوں۔

"فوجی افسر!"

افسر نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا،
رشید نے میرے گھوڑے کو بری طرح زخمی کیا
میری سنگین توڑ دی اور تلوار چھین لی۔"

"خرگوش تم آگے آؤ"

"کوئی ہے! اسے لے جاؤ اور نخلخا
سنگھاؤ۔ یہ تو بے ہوش ہوا جا رہا ہے" بی چینی کی
گڑیا تم اپنی فریاد سناؤ۔"

جناب میرے سارے کپڑے جمیلہ نے

چھین لئے اور اب میں سردی سے مر رہی ہوں۔

"انجن"

انجن اس بات پر سخت ناراض تھا کہ اسے پہلے کیوں نہ بلایا گیا۔ کہنے لگا

"آہ میرا کوئی علاج ——"

"علاج کی فکر نہ کرو" کیتلی نے بات کاٹ کر کہا۔ لیکن تمھارے زخم کہاں کہاں لگے ہیں؟

"ہائے میرا اسپرنگ ٹوٹ گیا"

"کس کا قصور؟"

"رشید کا"

"اچھا اب میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ ایک ایک کی شکایت سنوں، میں سمجھتی ہوں کہ تم سب کے سب زخمی ہو گئے"

"ہاں ہم سب"۔ باقی کھلونوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔

اچھا تو تم سب اپنا بدلہ لو

سب کھلونے: "کس طرح"

کیتلی نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ جب حمیدہ، جمیلہ اور رشید یہاں کھیلنے آئیں تو انھیں اپنے کھلونے سمجھ کر اُن سے ٹھیک اسی طرح سلوک کرو جیسا انھوں نے تمھارے ساتھ کیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح۔ کم نہ زیادہ"

"لیکن حمیدہ کے تو دم بھی نہیں جو میں اسے کھینچوں" میاں خرگوش سسکیاں بھر کر بولے

"اتنے کم زور نہ بنو۔ تم اس کے بال نہیں کھینچ سکتے؟" کیتلی اتنا کہہ کر چپ ہو گئی اور سب کھلونے بھی دوسرے دن کے متعلق اپنے جی میں کچھ فیصلہ کر کے کسی نہ کسی طرح سونے کی تیاری کرنے لگے۔

دوسرے دن صبح تڑکے سب سے پہلے بی جمیلہ نے اس کمرے کا رخ کیا۔ لیکن کمرے میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ چینی کی گڑیا نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور وحشیوں کی طرح اس کے کپڑے پھاڑنے شروع کئے۔ جمیلہ اس ایکا ایکی حملے سے ڈر گئی اور زور سے چیخ پڑی

رشید اور حمیدہ اس کی چیخیں سن کر دوڑے آئے۔ مگر جوں ہی کمرے میں داخل

ہوئے۔ کھلونوں نے ان پر بھی حملہ بول دیا پھر تو وہ جوتم پیزار ہوئی کہ توبہ بھلی۔

کھلونوں کے سردار مسٹر انجن اور بچوں کے میاں رشید تھے۔ کھلونوں نے جب دیکھا کہ ہاتھا پائی میں ہار جائیں گے تو انہی توپیں استعمال کیں۔ فوجی افسر نے رشید پر گولا باری کی مسٹر انجن نے بھی اس موقع پر بڑی بہادری دکھائی اور

بڑھ کر اس کی ناک کھینچ لی۔ کیوں نہ ہو آخر سردار تھے۔ رشید اس آخری حملے کی تاب نہ لاسکا اور بھاگا دم دبا کے۔ ہات تیرے رشید کی سردار کے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر فوج بھی بھاگ نکلی۔ آگے آگے رشید اس کے پیچھے جمیلہ اس کے پیچھے حمیدہ۔ اور ان سب کے پیچھے جناب خرگوش صاحب۔ کیتلی اس دلچسپ نظارے کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکی اور اس زور سے ہنسی کہ اس کا ڈھکنا دور جا گرا۔

تھوڑی دیر کے بعد خرگوش صاحب اکڑتے اور مٹکتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ان کے منہ میں حمیدہ کے بالوں کا گچھا تھا (ترجمہ)

کتان (۲)

جناب اسرائیل احمد خاں صاحب جامعی

واللہ یہ ایک تعجب ہی اور ایک نہایت دل پسند[1] تعجب! کاغذ بولا، آج میری نفاست اور خوب صورتی ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ اب میں ایک کاغذ ہوں۔ مجھ پر اب لکھا جائے گا، خدا ہی جانے کہ آئندہ مجھ پر کیا تحریر نظر آئے گی۔ میری بھی کیا ہی خوش قسمتی ہے کہ اتنی گردش تقدیر[2] کے بعد بھی جوں کی توں قائم ہے۔!

اور اب کاغذ پر لکھنے کی باری آئی۔ دنیا کی سب سے زیادہ دل چسپ اور نصیحت[3] آموز کہانیاں اس پر لکھی گئیں۔ لوگوں نے ان کہانیوں کو پڑھا اور سنا۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر ان کی تعریف[4] و توصیف کی لوگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ کہانیاں انسانوں کو زیادہ عقل مند بنائیں گی اور ان کی حالت کو بہتر کردیں گی جو لفظ اس کاغذ پر لکھے گئے تھے وہ اپنے اندر دنیا کے لئے ایک نعمت رکھتے تھے۔

کاغذ نے اپنے اس نئے جنم پر اس طرح اظہار رائے کیا۔

"جس وقت میں پٹ سن کے کھیت کے اندر نیلے رنگ کا محض ایک کتانی پھول تھا تو اس وقت یہ اوج و عروج[5] میرے خواب و خیال[6] میں بھی نہ تھا میں مشکل سے اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ کبھی مجھ کو یہ فخر بھی نصیب ہوگا کہ میں اپنی تحریروں سے دنیا کے لئے علم و مسرت کا پیام بر بنوں گا۔ مجھے اپنی آنکھوں کی شہادت[7] پر اب بھی یقین نہیں آتا لیکن دنیا جانتی ہے

---

۱ دل کو بھانے والا ۲ قسمت کا چکر ۳ نصیحت سکھانے والی ۴ تعریف ۵ ترقی ۶ سان و گمان ۷ گواہی

کہ یہ ایک واقعہ ہے "

میں نے اپنی ذاتی کوششوں کے ذریعے اس ہمیشگی کی زندگی کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہے صرف ایک چیز ہے جس کا ذکر اس سلسلے میں میں کرسکتا ہوں یہ صرف زندہ رہنے کی ایک خواہش ہے جو روز ازل[1] سے میرے دل میں ایک بیج کی طرح موجود تھی اور اسی کے طفیل میں ہر زوال اور موت کے خطرے سے میں محفوظ رہا۔ جب جب میرے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا ہے کہ بس اب سازِ زندگی[2] خاموش ہونے والا ہے۔ تو میری ناامیدی ایک تازہ امید سے بدل بدل گئی ہے اور مجھ کو کوئی نہ کوئی قالب[3] پہلے سے بہتر مل گیا ہے "

" اور اب تو زندگی کا ایک نیا دروازہ کھلنے والا ہے۔ اب بندہ ایک کتاب بن کر ساری دنیا کے گشت کو روانہ ہوگا اور ایک ایک ملک اور شہر کی سیر کرے گا۔ کبھی میں کتان کے پھولوں کا صرف ایک کھیت تھا اس وقت علم و حکمت کی ایک کتاب ہوں۔ سارے پھول اور پتے اب ورق بن گئے ہیں جہاں پہلے ایک خوب صورت کلی تھی وہاں اب ایک خوب صورت خیال ہے۔ پھولوں کے ہار مصرعوں اور شعروں کی لڑیاں بن گئی ہیں "

لیکن یہ سفر فوراً نہیں شروع ہوگیا۔ کاغذ پہلے ایک چھاپہ خانہ میں بھیجا گیا جہاں اس سے پہلے ایک کتاب بنائی گئی اور پھر اس ایک کتاب سے سیکڑوں جلدیں تیار کی گئیں۔ کتابوں کو اب دنیا کے سفر کی اجازت دی گئی۔ بہت سی کتابیں چھاپ کر جو تیار کی گئی تھی وہ ضروری تھی۔ اگر وہ کاغذ جوں کا توں یوں ہی واپس کر دیا جاتا تو دنیا کا آدھا راستہ ختم کرنے سے پہلے ہی پہلے پھٹ پھٹا کر پرزے پرزے ہوجاتا اور اس صورت میں صرف تھوڑے سے ہی آدمی اُن خیالات سے فائدہ اور لطف اُٹھاتے اب ساری دنیا اُن سے فیضیاب[4] اور لطف اندوز[5] ہو سکتی تھی!

" ہاں بیشک یہ بات اس سے بہت بہتر ہے " کاغذ نے کہا۔ اب میری عزت و توقیر دیکھنے کے

[1] پہلا دن [2] زندگی کا باجا [3] جسم، تن [4] فائدہ اٹھانے والی [5] مزہ لینے والی ،

قابل ہے اس وقت میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہوں اور ایک والدِ بزرگوار کی طرح میں معزز سمجھا جاتا ہوں کتاب کا سارا مضمون پہلے میرے اوپر لکھا گیا۔ قلم کی حرکت اور روشنائی کی روانی بڑی لذت کی چیز تھی، اس طرح میرا تمام جسم لفظوں اور جملوں سے گلزار ہو گیا اب مجھے یہ پایا ہے کہ میں مکان ہی پر قیام کروں گا، اور یہ کتابیں جو میری اولاد میں ہیں سفر کو جائیں گی بہت خوب! بندے کی خوش قسمتی بلاشک و شبہ بے نظیر ہے۔"

چنانچہ کاغذ لپیٹ کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا گیا۔ اور فوراً اس ہر حال میں خوش رہنے والے جواں مرد کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

"بہت مناسب ہے، ایک عرصے کی محنت و مشقت کی زندگی کے بعد ایک لمبا آرام بہت ضروری ہے! اس اخیر عمر میں انسان کو چاہیئے کہ زیادہ ہاتھ پاؤں نہ پھیلائے بلکہ گوشہ نشیں ہو کر تھوڑا مراقبہ کرے۔ اب پہلی دفعہ مجھے اپنے آپ کو جاننے کا موقع ملے گا اور میں نے سُنا ہے کہ یہی خود شناسی بہترین علم اور انسان کی سب سے حقیقی ترقی ہے! بہر حال جو کچھ ہو گا مجھے کوئی دغدغہ نہیں ہے۔ خدا کا یہ قانون مجھ کو اپنے پچھلے تجربے سے تحقیق طور پر معلوم ہو گیا ہے، کہ کسی چیز کو موت ہے نہ زوال، ہمیشہ زندگی ہے اور درجہ بدرجہ ترقی ہے!"

لیکن اب ایک نئی قسم کی مصیبت آئی، کاغذ کی لونگی ایک دن کھونٹی پر سے اُتاری گئی اور چولھے میں رکھی گئی۔ اس ردی کاغذ کو بنئے کی دوکان پر نہیں بھیجا گیا اس لئے کہ اس میں اُس علمی چیز کی توہین تھی، الغرض وہ قابلِ عزت مُردے کی طرح آگ میں جلایا گیا۔ کاغذ کا چپہ چپہ جلا اور اس پر لکھے ہوئے ایک ایک لفظ اور حرف سے زندگی اور علم کی روشنی کی آخری شعاع نکلی! جس وقت کاغذ سے شعلے نکلنا شروع ہوئے ہیں تو گھر کے سارے بچے تماشا دیکھنے کے لئے آکھڑے ہوئے جب تیزی سے ایک کے پیچھے ایک چنگاریاں نکلیں تو بچوں نے کہا: "آہا ہا! غالباً یہ

۱؎ بھنگ یا پ ۲؎ کرنے یا گھر میں بیٹھنے والا ۳؎ روحانی غور و فکر ۴؎ اپنی ذات کو پہچاننا ۵؎ سب سے اچھا ۶؎ ہر حالت میں ۷؎ اندیشہ

کسی مدرسہ کے لڑکے لڑکیاں ہیں جو چھٹی کے ساتھ ہی بھاگی چلی جا رہی ہیں اور ہاں یہ بڑی چنگاری جو تھوڑا ٹھہر کر سب کے پیچھے نکلی ہے درجے کے ماسٹر صاحب ہیں جو اب جا رہے ہیں۔!

آخر سارا کاغذ راکھ ہو کر چولھے کے اندر جمع ہو گیا چند منٹ تک ایک سناٹا طاری[1] رہا اور پھر یک بارگی ایک اُف کی آہ جگر سوز[2] کے ساتھ ساری راکھ اُڑی اور اس کا ایک ایک ذرہ چمکتے تاروں کی طرح آسمان پر چھا گیا۔ لکھے ہوئے کاغذ کے ایک ایک بلند خیال اور مضمون کے گرد ایک جلالی شان کا حلقہ[3] نظر آنے لگا! یہ تماشا کتابی چمن کے سارے پھولوں اور کلیوں سے بھی کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا!

"ہم سیدھے سورج کی دنیا میں جا رہے ہیں" یہ شعلوں کے اندر سے آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں آوازوں نے ایک ساتھ یہی بات کہی۔ جس وقت پہلا شعلہ چولھے سے اُٹھا تھا تو وہ چمنی (دود کش) کو توڑ کر اوپر نکل گیا تھا اور وہاں وہ بہت سے شعلوں میں تبدیل ہو کر آسمان کی انتہائی بلندیوں میں جا پہنچا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بے شمار چیزیں ہوا میں اُڑنے لگی تھیں۔ لیکن وہ انسانی آنکھوں کو نظر نہ آتی تھیں۔ ان کا ہجوم اس کثرت سے تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غالباً کتان کے کھیت کے پھولوں کی تعداد کے برابر ہوگا!

یہ چیزیں اُن شعلوں سے بھی زیادہ نفیس اور لطیف مخلوق تھیں جن پر سوار تھیں بار بار شعلے بلند ہوئے اور ان اَن دیکھی چیزوں کا ناچ سننے میں آیا۔ جب شعلے بالکل بجھ گئے تو راکھ کی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں کی صورت میں اُن کے نقش قدم[4] نظر آئے! یہ بڑا دلچسپ تماشا تھا بچے اس کا آخری نظارہ کرنے کے لئے پھر جمع ہو گئے۔ لیکن اس سارے معاملے میں ایک پہلو افسوس و قلق کا بھی تھا۔ دیکھنے والوں کو اس کے دیکھنے میں اگرچہ بہت مزہ آتا تھا لیکن یہ خیال کر کے وہ بہت مغموم[5] ہوئے جاتے تھے کہ اب یہ آخری بہار ہے اور دوسری دفعہ یہ نقشہ دیکھنے میں

---

[1] چھا جانے والا [2] جگر کو جلانے والی [3] دائرہ، گھیرا [4] پاؤں کے نشان [5] رنجیدہ

نہ آئے گا۔ مدرسے کے بچوں نے زندگی کا آخری گیت گانا شروع کیا۔ مرنے والی چیزوں نے بچوں کے اس خیال کو قبول نہیں کیا۔ زندگی کے خاتمہ کا ایک کلمہ بھی وہ سننا نہیں چاہتی تھیں۔ درحقیقت اس کو وہ ایک غلط عقیدہ[۱] سمجھتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کی تردید[۲] کرنی چاہی اور اپنی فرضی موت کا ماتم کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! ایسا خیال نہ کیجیے "خاتمہ" ایک بے معنی اور وہمی چیز ہے۔ ہم اس بھید کو خوب جانتے ہیں اور اپنی اس موجودہ[۳] حالت کو پچھلی زندگی سے بھی بہتر ایک زندگی پاتے ہیں اور اس میں بے حد خوش و خرم ہیں!"

لیکن بچے اس آخری جواب کو نہ سن سکے ہمارا خیال ہے کہ اگر ان کو وہ کان نصیب بھی ہوتے جن سے وہ ان کے کلمات کو سن سکتے تو شاید سمجھ نہ سکتے۔ کتان کے پھولوں سے یہ جو عجیب "زندۂ جاوید"[۴] مخلوق بنی تھی۔ ان کی زندگی کی حقیقت کو معلوم کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب تک یہ معاملات آپ بیتی بائیں نہ بنیں کوئی ان کے بھید تک نہیں پہنچ سکتا!

[۱] خیال، مذہبی خیال [۲] جھٹلانا [۳] اس وقت کی [۴] ہمیشہ زندہ رہنے والی

چھوٹو اور موٹو (۳)
(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
(۵)
(۶)
(۷)
(۸)
(۹)

مختلف ملکوں کے بچے

محمد حسین حسان

رومانیہ کی سونیا

رومانیہ کے زرخیز اور سرسبز میدان میں ایک بہت خوب صورت سا مکان بنا ہوا تھا۔ ہماری سونیا اسی گھر میں رہتی ہے۔ رومانیہ کے دیہاتی گھروں کی طرح یہ بھی سب کا سب لکڑی کا بنا ہوا تھا اور چونکہ تیوہار کا زمانہ تھا۔ اس لئے خوب صفائی ہوئی تھی۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے چوکھٹے نیلے رنگ سے رنگے ہوئے تھے جس سے مکان بہت خوب صورت معلوم ہو رہا تھا چھت بھی لکڑی کی تھی، لمبے لمبے لکڑی کے تختوں کی قطاریں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی، گھر کے پاس کچھ پھلوں کے درخت اور پھولوں کا ایک باغیچہ جس میں قسم قسم کے خوب صورت پھول تھے۔ رومانیہ والوں کو پھولوں کا
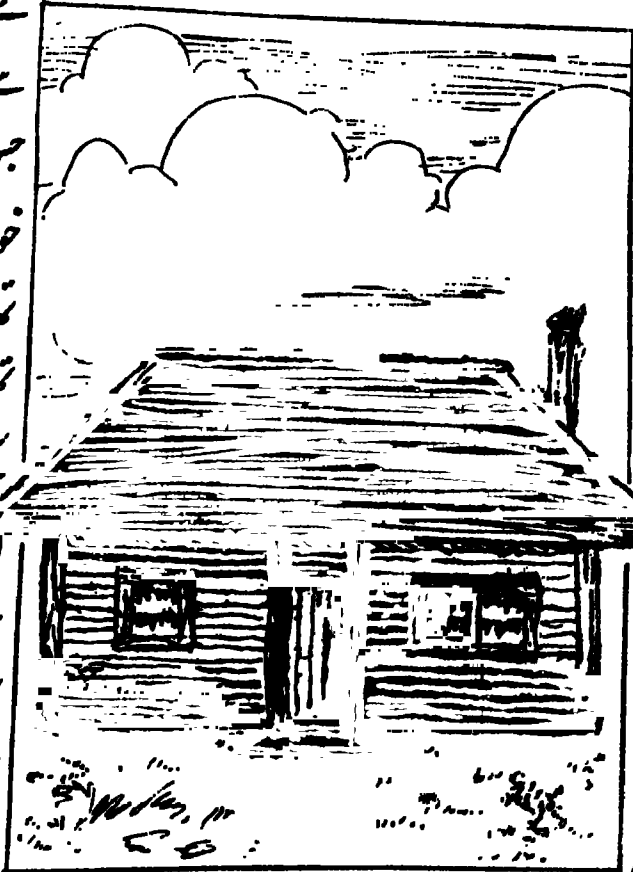
بہت شوق ہے۔

رہنے کا بڑا کمرہ اندر سے بہت آرام دہ معلوم ہوتا ہے۔ دیواروں کے نچلے حصے پر ہاتھ کے بنے ہوئے پردے لٹکے ہیں۔ ایک کونے میں پکانے کا بڑا سا چولہا ہے۔ دوسرے کونے میں پرانی وضع کا گرگھا ہے جو اب تک رومانیہ کے دیسی گھروں میں نظر آتا ہے ایک کھانا کھانے کی میز ہے کچھ معمولی قسم کی کرسیاں، ایک بڑا سا صندوق ہے۔ اور ایک کوچ سا ہے۔ جس پر رات کو سوتے ہیں

ننھی سونیا اپنے خوب صورت کپڑوں کی وجہ سے بہت اچھی لگ رہی تھی اس کے گون پر سرخ اور کالے بیل بوٹے ہیں۔ پٹی کا رنگ بھی بہت بھڑکیلا ہے

سونیا کے باپ کا فارم (کھیتوں کا میدان) بہت بڑا ہے اور اس میں خوب کھیتی ہوتی ہے فارم میں جاکر دیکھو تو تمھیں سفید بیل نظر آئیں گے ایک معمولی سی لکڑی کی گاڑی میں جتے ہوئے اور اپنے کام سے بیزار بھینسے جتے ہوں گے جن کے لمبے لمبے سینگ گردنوں سے چھو رہے ہوں گے ان کے علاوہ بطخیں، بھیڑیں بھی پلی ہوئی ہیں گی

سونیا اکثر ان بطخوں کو میدان میں لے جاتی ہے۔ اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ جو اس کی طرح اپنی اپنی بطخوں کی نگہبانی کرتی ہیں خوب کھیلتی کودتی ہیں،

وہ اپنے صبح کے وقت کے کام کرکے فارم سے گھر آتی ہے تو اسے بہت سادی غذا ملتی ہے بس گلرمتا جو رومانیہ میں ہر جگہ کھایا جاتا ہے اور کچی پیاز نمک کے ساتھ۔ لیکن کبھی کبھی رات کے کھانے میں اسے اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ مثلاً مچھلی، زیتون کا تیل، بھیڑ کا گوشت، گیہوں کی پاؤ روٹی اور ایک قسم کا گلرمتا جو دودھ میں پکایا جاتا ہے۔ مچھلی تو اکثر کھانے کو ملتی ہے اس لئے کہ اس کا فارم پہاڑ کی جڑ کے قریب ہے۔ جہاں بہت سی ندیاں اور چشمے بہتے ہیں۔

سونیا کبھی کبھی اپنے ملک کے اچھے اچھے شہروں کی سیر بھی کرتی ہے۔ ہم ان شہروں میں اس کے ساتھ جائیں تو ہم بھی بڑی بڑی دوکانیں اسکول، بجلی کی ٹرام، موٹریں، تھیٹر، سنیما اسی طرح کے دیکھیں گے۔ جیسے دہلی، کلکتہ بمبئی، مدراس وغیرہ میں ؏

مُنّا بھیّا اور ننھی بٹیا

"اچھا بھائی! ایک منا بھیا اور ایک ننھی سی بٹیا

از جناب اظہر علی صاحب فاروقی ادو ے پرتاب کالج بنارس

"ہم، ہم، ہم، ہم"

کون سنے گا ؟

عابد (تیرہ چودہ سال کے ایک خوبصورت لڑکے)

نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ننھے ننھے بچوں کے ایک حلقے سے یہ سوال کیا اور ان کے "ہم ہم" کے نعروں سے کمرے کی چھت گونج اٹھی۔ ان بچوں میں ایک لڑکے کا نام آفتاب تھا۔ اس نے کہا "لائیے منّا بھیا، لائیے" عابد نے مسکرا کر کہا "اچھا بھائی! اس طرح نہیں، سنو ایک کہانی"

اتنا کہنا تھا کہ سب نے شور مچایا "سنائیے کہانی، اللہ سنائیے کہانی، کہانی"

عابد نے کہانی اس طرح شروع کی:۔

فاختہ کا ایک جوڑا تھا۔ بڑی محنت سے دونوں نے گھونسلا بنایا۔ مگر تھا یہ باورچی خانے کے ایک روشن دان میں۔ پھر فاختہ نے انڈے دیئے۔ ایک دن انڈوں پر نہیں بلکہ گھونسلے پر منظور کی نظر پڑ گئی۔ باورچی خانے میں ایک میز پڑی تھی۔ دوپہر کو جب اس کی ماں سو گئی تو منظور نے میز پر کرسی رکھی اور چڑھ کر دیکھا کہ اس میں دو انڈے رکھے ہیں۔ پہلے تو اس کے دل میں آیا کہ لاؤ انڈے نکال لیں۔ بھون کر چلّا بنائیں اور کھا جائیں۔ پھر اس نے سوچا نہیں بے چاری نے بڑی محنت کی ہے اس کو خراب نہ کریں۔ بچے نکلنے دیں۔ جب بڑے ہوں گے تو ہم ان کو پنجرے میں پالیں گے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فاختہ آگئی اور اس نے منظور کے دل کی باتیں سمجھ لیں۔ اور چوں چوں کہہ کے اس کو دعائیں دیں۔

کوئی دو مہینے بعد بچے نکل آئے اور چوں چوں کرنے لگے۔ ایک دن منظور نے سنا، چاہتا تھا کہ ان کو اٹھا لائے لیکن فاختہ کی تکلیف کا خیال آگیا۔

منظور کے محلے میں اور بہت سے بچے تھے مگر ان میں سے اکثر شریر تھے۔ عزت سب کا سرغنہ تھا ایک دن اس نے بچوں کی آواز چوں، چوں، سُنی کیوں کہ وہ سب بھوکے تھے اور اپنی ماں کا انتظار کر رہے تھے۔ عزت نے اور بہت سے لڑکوں کو جمع کر لیا اور کہا اچھا آؤ ان بچوں کو ستائیں اور یہ کہنا شروع کیا

پھانسی ہوگی تم کو بچو!
بھاگو، بھاگو، بھاگو بچو!
جل جاؤ گے آخر اک دن
مر جاؤ گے آخر اک دن
روؤ، روؤ، روؤ بچو!
پھانسی..........

بچے بے چارے زور زور سے چوں چوں کرنے

لگے اور بہت گھبرائے۔ منظور نے عزت کو بہت منع کیا
کہ بھلا ان بے چاروں کو ستاتے ہیں۔ تمھیں کیا مزا ملتا
ہے؟ ان ننھی ننھی بے زبان جانوں پر تمھیں ترس بھی نہیں
آتا۔ سب لڑکے مل کر منظور کا مذاق اُڑانے لگے اور قہقہہ
لگا کر بھاگ گئے۔ ان لڑکوں کا یہی کام تھا۔ جون کی چلچلاتی
دھوپ میں چڑیوں اور انڈوں کی تلاش میں مارے مارے
پھرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چڑیوں کا گھونسلا ڈھونڈھتا
اور اپنے گروہ کو خبر کرتا، اور کسی کا کام انڈوں کو توڑنا،
اور کسی کا اسٹول لانا اور اگر اسٹول نہ ملے تو اپنے
کندھے پر چڑھا کر گھونسلے تک پہنچانا غرض یہ گروہ بڑا
شریر تھا۔

جب فاختہ آئی تو بچے رونے لگے۔ اس نے
پوچھا "کیوں روتے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟"

بچوں نے کہا "کچھ لڑکے کہہ رہے تھے کہ پھانسی
ہو گی تم کو بچو........ ماں! کیا ہم سچ مچ پھانسی
پر چڑھیں گے۔ کیا ہم جل کر مر جائیں گے؟"

ماں نے ہنس کر جواب دیا "نہیں ہرگز نہیں
تم بہت جلد اڑنا سیکھ جاؤ گے۔ اور پھر آسمان سے
باتیں کرو گے۔"

بچوں نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھی اماں پھر ہم عزت کو
بدلا لیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بھلے آدمی بدلا نہیں لیا کرتے۔ تم
اڑنا سیکھ جاؤ۔ پھر آسمان پر جانا لہلہاتے کھیتوں کی سیر
کرنا۔ جھیل کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پینا اور اپنا گھونسلا بنانا۔"

بچوں نے کہا۔ "اچھی اماں ہم آسمان پر جا کر کیا
کریں گے کیا ہم اللہ میاں سے کچھ کہہ سکتے ہیں؟"

ماں نے کہا۔ "ہاں، ہاں! کیوں نہیں، وہ تو
سب کی باتیں سنتا ہے۔"

بچوں نے کہا۔ "اچھا اماں! ہم منظور کی تعریف
کریں گے اس نے ہم کو بہت آرام دیا۔"

ماں نے کہا۔ "ہاں، ہاں وہ بڑا نیک ہے
اس نے انڈے نہیں توڑے۔"

بچوں نے کہا۔ "اماں ہم اس کے لئے ایک بٹیا
لائیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "نہیں، ایک منا بھیا، اور ایک منی
بٹیا" پھر ماں نے پوچھا اور عزت کو کیا دو گے؟"

بچوں نے کہا۔ "بیدوں میں خاک"

عابد نے کہانی ختم کی اور پوچھا "اچھا بھائی ایک

منا بھیا اور ایک منی بٹیا کون لے گا؟ اب تو سب بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر ان

بچپن کا مشغلہ (۲)

بیگم صاحبہ عبدالغنی

گل عباس پر تجربے

ستمبر میں گل عباس خوب پھولا کسی پودے میں زرد پھول آئے۔ کسی میں گلابی۔ میں ایک روز اس کی کیاری کے پاس بیٹھی اپنی نیلی دوات دھو رہی تھی، شرارت جو سوجھی تو گل عباس کے زرد پھولوں والے پودے کی جڑ کھود کر اس میں چاقو سے شگاف دیا۔ اور اس کے اندر نیلی سیاہی ڈال، پھر اسے برابر کرکے مٹی میں دبا دیا۔ خدا کی قدرت تیسرے دن اس پودے کے جو پھول کھلے ان میں نیلے رنگ کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ جس جڑ میں رنگ ڈالا گیا تھا اس کی قریب کی شاخ کے پھولوں کا آدھا حصہ نیلا اور آدھا پیلا تھا۔ دوسری شاخوں کے پھولوں میں موٹے موٹے نیلے چھینٹے اور زیادہ فاصلے والی شاخوں کے پھولوں میں باریک چھینٹے نظر آتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں تو مارے خوشی کے اچھل پڑی۔ گھر کے سب لوگوں کو بلا بلا کر یہ تماشا دکھایا۔ پھر تو جناب ایک نئی بات میرے ہاتھ آگئی اور میں نے کیا کیا کہ پیلے اور گلابی پھولوں والے پودوں کی جڑیں کھود کر دونوں کو چاقو سے تراشا۔ اور دونوں کو باہم اچھی طرح ملا کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ دو تین روز میں دونوں پودوں کی قریب کی شاخوں کے پھولوں میں آدھے آدھے دونوں رنگ پیدا ہوگئے۔ اور جن شاخوں میں جس قدر فاصلہ زیادہ تھا اسی قدر دوسرے رنگ کے چھینٹے کم تھے۔ گویا ہر پھول کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا۔ باغیچہ میں عجب بہار آگئی۔ جو پھول پہلے دو رنگ کے تھے اب کئی مختلف رنگوں کے نکلنے لگے۔ ہاں روشنائی والے پودے میں جوں جوں دن گذرتے گئے آہستہ آہستہ پھولوں میں سے نیلاہٹ کا اثر غائب ہوتا گیا

گل عباس طبیب یا جراح بھی ہے۔ پھوڑے

پھنسی یا زخم پر اس کے پتے باندھنے سے مواد نکل جاتا
ہے اور زخم صاف ہو کر بھر آتا ہے اس کے بیج سیاہ
رنگ کے تسبیح کے دانوں کی طرح ہوتے ہیں۔

گل داؤدی و گیندا

اکتوبر سے دسمبر تک گیندا اور گل داؤدی پر
بہار رہی گیندا بکری کی مینگنیوں کی کھاد سے زیادہ
پھیلتا ہے اور سونے کا دھوون ڈالنے سے اس میں
پھول زیادہ اور نکھرے ہوئے رنگ کے آتے ہیں
ان پھولوں کی پتیوں کی ڈنڈلیوں میں سوراخ کر کے
اور ایک دوسری میں پرو کر بغیر سوئی تاگے کے ہار
بنانے میں مجھے بہت لطف آتا تھا۔

گل داؤدی مختلف رنگوں اور شکلوں میں کھلا
ان میں جو زرد پھولوں کے پودے تھے ان میں میں
نے سرخ رنگ ڈالا۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا،
البتہ مختلف رنگوں کے پودوں کی جڑیں آپس میں
ملا دینے سے وہی نتیجہ نکلا جو گل عباس میں۔

گلاب

جنگلی گلاب تو برابر کھلتا ہی رہا لیکن
اصلی گلاب فروری کے آخر میں کھلنا
شروع ہوا۔ مارچ میں اس کی شان دیکھنے کے
قابل تھی۔ اس کی شاخیں دیوار سے بھی اونچی چلی
گئی تھیں۔ میں نے دیوار میں کیلیں گاڑ کر اور ان شاخوں
کو اس طرح ملا کر باندھ دیا تھا کہ محراب کی صورت
بن گئی تھی۔ ان میں خوب بڑے بڑے پھول کثرت
سے آنے لگے۔ پھولوں کے بوجھ کے مارے شاخیں
جھکی پڑتی تھیں۔ پھول توڑ کر میں اپنے پڑوسیوں کی
بیویوں کو بھیجا کرتی۔ وہ اس کے عوض مجھے بے شمار دعائیں
دیتیں۔ غالباً وہی دعائیں آج میرے کام آ رہی ہیں،
پھولوں کی پتیاں توڑ کر میں اپنی کتابوں اور قرآن مجید
میں رکھا کرتی۔ میرے قرآن مجید میں اُن وقتوں کی
پتیاں اب تک موجود ہیں اور خوشبو ورقوں میں اس
قدر بسی ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو کھولتے ہی خوشبو کی
لپٹ آتی ہے اور اس کے ساتھ بچپن کی یاد تازہ ہو کر
وہ تمام سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گلاب کا پھول علاوہ خوب صورت اور خوشبودار
ہونے کے بہت سے مرضوں میں مفید ہے۔ مثلاً
زکام، قبض، کھانسی اور دوسری بیماریوں
کے لئے نسخوں میں اس کی پتیاں ڈالتے ہیں
گلاب کا عرق دودھ پیتے بچوں کے معدے اور آنتوں

مرحوم امیرِ جامعہ کی آخری آرام گاہ۔ جامعہ کی نئی بستی (اوکھلے) میں

راس تفاری ۔ حبشہ کے پچھلے بادشاہ یہ آج کل بیت المقدس میں ہیں ۔ اس پرچے میں حبشہ پر ایک مضمون بھی ہے ۔

کے لئے مفید ہے۔ جگر کو تقویت دیتا اور خون کو صاف کرتا ہے اور اس سے طبیعت میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ گلاب کی پتیوں میں شکر ملا کر گل قند بناتے ہیں۔ جو قبض اور دوسری بیماریوں کے لئے مفید ہے۔ گلاب کا عطر بھی ایک قیمتی چیز ہے۔ عطر بنانے کی ترکیب ہندوستان کی مشہور ملکہ نورجہاں کی ایجاد ہے۔ جو ترکیب تاریخ ہند کی کتاب میں میں نے پڑھی تھی اس کے مطابق عطر بنا کر بھی دیکھا۔ واقعی رات کو پانی میں گلاب کی پتیاں ڈال دی جائیں تو صبح کو پانی کی تہ پر تیل کے قطرے سے تیرنے لگتے ہیں۔ بس وہی عطر ہے۔ تمہارا جی چاہے تو تم بھی تجربہ کر کے دیکھ لو۔ شہد کی مکھیاں صبح تڑکے بھنبھناتی ہوئی آتیں، ہمارے باغیچے میں جمع ہو جاتیں اور گلاب کے پھولوں کا خوب رس چوستیں۔ سفید شہد گلاب ہی کا ہوتا ہے، مکھی بھی اُسے علیحدہ کمروں میں جمع کرتی تھی۔ شہد تو تم نے بارہا کھایا ہوگا۔ بہت مزے کی چیز ہے۔ خون بھی صاف کرتا ہے اور کمزوری کو دور کرتا ہے۔

غرض گلاب سے قسم قسم کی مزیدار اور مفید چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ میں نے بھی اپنے باغیچے کے پھولوں سے تقریباً ہر ممکن چیز تیار کر کے تجربہ کیا اور فائدہ اٹھایا۔

ہاں۔ میرے باغیچہ میں رنگ برنگ کی بے شمار تتلیاں بھی آیا کرتی تھیں۔ ان کی یہ بات۔ عجیب و غریب تھی، کہ ہر تتلی اپنے ہی رنگ کے پھول پر بیٹھنا پسند کرتی تھی

باغبانی میں بہت ہی لطف آتا ہے طرح طرح کے تجربے حاصل ہوتے ہیں خدا کی قدرت دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی ان چیزوں کی پیدا کرنے والی زبردست ہستی موجود ہے اس ہستی کی سچی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور بے اختیار اس کی قدرت پر تن من سے نثار ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔

پیاری بچیو! تمھیں موقع ملے تو دو ایک گھنٹے اس دلچسپ کام میں ضرور لگاؤ تمھیں مزا بھی آئے گا اور ورزش بھی ہو جائے گی اگر تم پہلے سے یہ مفید کام کر رہی ہو تو اپنے تجربے پیام تعلیم میں بھیجو تاکہ تمھاری دوسری بہنوں اور بھائیوں کو اس سے فائدہ پہنچے

اچھا بتاؤ
تمہاری بہن کہاں ہے؟

بارش کے قطرے

آؤ ہم نیچے اتریں۔ برسات آگئی۔ آؤ ہم اتریں
ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں۔ اکیلے اکیلے ہم ایک جو ہی کی کلی کا سوکھا منہ بھی نہیں دھو سکتے۔ نہ جوہی کے پھول کا ننھا سینہ ہی بھر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ہزاروں کی تعداد میں ایک ساتھ ہیں ـــــ ہم دنیا کو بہادیں اگر ہم چاہیں۔

چھوٹا کون ہے؟ وہ جو اکیلا ہے، چھوٹا ہے، بے حقیقت جس میں اتفاق نہیں وہ کمزور ہیں، مجبور، اس لئے میرے بھائیو تم میں سے کوئی بھی تنہا نہ اترے، نہیں تو سورج کی گرمی تمہیں سکھا دے گی۔ آؤ ہم سب مل کر لاکھوں کی تعداد میں نیچے چلیں، ہم سوکھی دنیا میں سیلاب پیدا کر دیں گے۔

ہم دنیا کو بھر دیں گے، پہلے ہم پہاڑوں کے سروں پر اتریں گے پھر اُن کی گردن پکڑ لیں گے، اور اس کے بعد ان کے سینوں کو کچلتے ہوئے ہم زمین پر اتر آئیں گے۔ ہم جھرنوں سے بلوری دھاروں میں نکلیں گے، ہم دریا کے کناروں کے خالی دلوں کو بھر دیں گے۔ اور انھیں خوبصورتی کا لباس پہنا دیں گے، ہم خوش خوش موجوں میں کھیلیں گے۔ آؤ ہم اتریں۔

کون ہمارا راستہ روکے گا؟ ہوا؟ ہونہہ! ہم اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر چلیں گے۔ وہ تو ہماری سواری ہے، اس کی مدد سے ہم سمندر اور خشکی کو ملا سکتے ہیں، اس کی مدد سے ہم اپنی ردمیں بستیوں اور قلعوں کو بہا لے جا سکتے ہیں۔ اسی پر سوار ہو کر ہم دریچوں میں گھس جاتے ہیں، ہوا؟ وہ تو ہماری نوکرانی ہے۔

بھائیو، ایک ایک کر کے نہ اترو، ہماری طاقت ہمارے اتحاد میں ہے، اگر ہم یکجا نہیں تو ہم کچھ بھی نہیں، آؤ ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں، لیکن ہم دنیا کا انتظام کریں گے، کھیتوں میں ہم غلّہ پیدا کریں گے، کہ انسان زندہ رہ سکے، ہم دریاؤں میں کشتیاں اپنے سینہ پر لئے پھریں گے، کہ انسان تجارت کر سکے، ہم پودوں اور درختوں کی آبیاری کریں گے، کہ چڑیاں جانور اور کیڑے زندہ رہ سکیں، ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں لیکن کون ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے؟ یہ ہم ہی تو ہیں جو دنیا کا انتظام کرتے ہیں،

اب آؤ گرجتی ہوئی بدلیوں، بارش کی ماں! آؤ سارے آسمان پر پھیل جاؤ، آؤ اے سورج کی گرمی کو بھانے والیو! سارے آسمان کو چھپا لو، اور پھر ہم اتریں گے۔

آبہن! میٹھی مسکراہٹ والی بجلی! اپنے نور کی جھلک ہمارے چہروں پر ڈال، اور ہم زمین پر اتریں گے۔ مسکراتے چیختے اور ناچتے، اور اے رعد! لوگوں پر چیخ نہیں رہی اس جشن کے موقع پر تیرا گانا بہترین ہے، تو بھی زمین پر اترے گی؟ اچھا تو آ، لیکن صرف مغرور سروں پر گر، خاکسار دھان کے پودوں پر نہ گرنا، ہم انھیں بچانے جا رہے ہیں، اگر تجھے توڑنا ہی ہے تو پہاڑی کی اونچی چوٹیوں کو توڑ، چھوٹوں کو مت تکلیف دے ـــــ ہم چھوٹے ہیں اور ہماری ہمدردی چھوٹوں کے ساتھ ہے۔

دیکھو زمین ہمیں دیکھ کر کتنی خوش ہے اور خوشی میں پھولے نہ سمائے، دریا لہریں مار رہے ہیں۔ دھان کے پودے سر جھکا رہے ہیں، کسان ہل چلانے جا رہے ہیں اور ننھے لڑکے اپنے کو بھگو رہے ہیں۔

ہم پانی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ مذاق کیسے کرنا چاہئے۔ ہم پھولوں میں سے شہد دھو کر شہد تلاش کرنے والی چڑیوں کو مایوس کر دیتے ہیں۔ دھوبی کے سوکھے ہوئے کپڑوں کو تر کر کے ہم دھوبیوں کا کام بڑھا دیتے ہیں ہم بالکل سنجیدہ ہستیاں نہیں۔ ہمیں ہنسی کرنا بھی آتا ہے۔

ہماری طاقتوں کو دیکھو، ہم پہاڑوں اور ملکوں کو دھو ڈالتے ہیں اور نئے ملک آباد کرتے ہیں۔ دھاگے جیسے پتلے جھرنوں کو ہم بہت بڑے دریا بنا دیتے ہیں جن کی بے کنار موجیں کناروں کو دھو ڈالتی ہیں۔

ہم جہازوں کو لے جاتے ہیں اور بیڑوں کو ڈبو بھی دیتے ہیں ہم زمین کو تر کرتے ہیں اور پھر بھی ہم کتنے چھوٹے ہیں! تاہم کون ہے جو ہماری برابر طاقت ور ہو؟

(از بنکم چندر چٹرجی)

(از حضرت تمنائی)

معلومات

لندن کے ڈاک خانے کے انجینیروں نے ایک خاص قسم کا ٹیلیفون جاری کیا ہے۔ جس سے بہرے بھی اچھی طرح سن سکتے ہیں۔ پہلے بہروں کو عام طور سے شکایت تھی کہ ٹیلیفون کی آواز بالکل سنائی نہیں دیتی۔ اب اس آلے کو لگا کر انسان زور کی یا دھیمی جیسی آواز چاہے سن سکتا ہے۔ بس اس کا کام یہ ہوگا۔ کہ ٹیلیفون کی چوڑیاں گھمانا جائے جہاں اسے معلوم ہو کہ آواز سنائی دیتی اور بات سمجھ میں آتی ہے وہیں گھمانا چھوڑ دے۔

تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ انسانوں کی طرح پرندوں کی بھی اپنی عدالتیں ہوتی ہیں۔ ان عدالتوں میں قصور کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے مثلاً کوؤں میں مقدمے پیش ہوتے ہیں کسی اونچے ٹیلے یا پہاڑی پر تمام کوے جمع ہو جاتے ہیں شکایتیں پیش ہوتی ہیں۔ ملزم درمیان میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ شکایتیں غلط ہوتی ہیں تو اسے بری کر دیا جاتا ہے اور وہ اُڑ جاتا ہے اور اگر مجرم قرار دیا گیا تو اس پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔

چھوٹی چڑیاں بڑی چڑیوں کے گھونسلوں کے تنکے چرا لے جاتی ہیں۔ لیکن چور پکڑ لیا جائے تو ان چڑیوں کی پولیس چھوٹی چڑیوں کے گھونسلے پر دھاوا بول دیتی ہے۔ گھونسلے توڑ کر پھینک دیتی ہے اور چور کی مرمت بھی کرتی ہے۔

ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمرنا کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ وہاں ترک سارس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں سارس حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ ایک بار ڈاکٹر نے کیا کیا کہ ایک سارس کے انڈے چرائے اور ان کی جگہ مرغی کے انڈے رکھ دئے۔ مادہ سارس نے انہیں سینا شروع کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نر سارس اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اور چند دنوں کے بعد کئی سو سارسوں کے ساتھ واپس لوٹا۔ یہ سب ایک حلقے میں کھڑے ہو گئے۔ اور ملزمہ کو درمیان میں کھڑا کر لیا مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ کئی سارسوں نے عدالت کے سامنے تقریر کی۔ گو بے چاری مادہ بالکل بے قصور تھی لیکن عدالت کی رائے میں بے خبری میں بھی مرغی کے انڈے سینا جرم تھا اور اس وجہ سے تمام سارسوں نے مل کر اس غریب پر حملہ کر دیا اور مار ڈالا۔

بغداد میں ایک ۰۰ سال کے بوڑھے نے ابھی ابھی انتقال کیا ہے۔ اس کے ۷۴ اولادیں تھیں۔ بائیس لڑکے اور ۵۲ لڑکیاں بوڑھا بہت کافی دولت مند تھا اس کے مرنے کے بعد ہی جائداد کی تقسیم پر اس کی اولاد میں جھگڑا ہوا۔ اس لڑائی میں مرحوم کے بیٹوں رشتہ داروں اور حمائتیوں نے حصہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین بیٹے مارے گئے اور باپ کے ساتھ ان کو بھی دفن کیا گیا۔

کناڈا کے ایک گاؤں میں برابر ایک وقت پر زلزلہ آتا رہا۔ پونے چار بجے آتا اور پاؤ گھنٹے تک گھڑگھڑاہٹ جاری رہتی۔ گاؤں والے اس سے گھڑیاں درست کرتے۔

خلیج سیبے زی آ (یونان) میں چار ضلعے ایسی رفتار سے سمندر کی طرف کھسک رہے ہیں کہ چند سال بعد سمندر میں جا پہنچیں گے۔ کھسکنے کا یہ سلسلہ ۱۹۲۹ء سے جاری ہے

ترکی کردستان کے ایک گاؤں قردلی میں ایک بڈھا ترک علی شفقی آغا ہے اس کی عمر ۱۳۷ سال ہے اس کے تین بیویاں ہیں اور گیارہ بچے زندہ ہیں۔ سب سے چھوٹا لڑکا سفید داڑھی کا ایک بڈھا آدمی ہے۔ یہ ترک اپنے آپ کو بڈھا نہیں کہتا اس کا دعویٰ ہے کہ وہ پچاس برس اور جیے گا۔ اس نے کمال پاشا کی نئی لاطینی طرز کی ترکی زبان ابھی لکھنی پڑھنی سیکھی ہے۔

امریکہ کے ایک شفاخانے میں سولہ سال کی ایک لڑکی لائی گئی ہے اس کی بیماری نے لوگوں کو حیران کر دیا ہے پہلے وہ خاموش طبیعت لڑکی تھی۔ اسے زکام اور بخار ہوا اور اس کے بعد ہی جو اس کی زبان چلی ہے تو بند ہی نہیں ہوتی وہ فضول بک بک نہیں کرتی۔ بڑی عقل کی باتیں کرتی ہے۔ شفاخانے میں جب سے آئی ہے۔ کئی اہم معاملوں پر اس نے خوب بحث کی ہے۔ اسے اتنے الفاظ یاد ہیں کہ ڈاکٹر حیران ہیں۔

ایک چودہ سالہ ڈولو سب سے چھوٹے قد کا آدمی ہے۔ اس کا قد ۲۰ انچ ہے۔ پون گز میں اس کا کرتا، پاجامہ تیار ہو جاتا ہے۔

منچوریا میں دو جنگ کے قریب بونوں کی ایک آبادی ہے ان کا قد صرف گز بھر ہے۔ ان میں سے تیس آدمی پیکن میں دکھانے کے لئے لائے گئے۔ ان کے ہاتھ اتنے ننھے ننھے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

جنوبی افریقہ کے صحرائے کالاہاری میں ایک پودا دیکھا گیا جس میں تنہ نہیں ہوتا فیتے کی شکل کے دو پتے جڑے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان کے سروں پر سرخ نوکدار پھولوں کا گچھا نکل آتا ہے۔ جب سرے پر زرد ہونے لگتا ہے تو جڑ میں سے نیا پتہ نکلنے لگتا ہے اس پودے کو اس صحرا سے باہر اگانے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

کیلیفورنیا (امریکہ) خلیج مانٹرے میں ایک قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے جس کی آنکھیں ندارد ہیں۔ لیکن اس کی سونگھنے کی قوت اس قدر تیز ہے کہ جوں ہی پانی میں خوراک ڈالی جاتی ہے یہ مچھلی جھٹ اس طرف کھنچ آتی ہے۔ اس مچھلی کا رنگ اودا اور نیلگوں سا ہوتا ہے اور اٹھارہ انچ سے دو فٹ تک لمبی ہوتی ہے اس مچھلی کے جسم میں تین دل ہوتے۔ یعنی ایک اپنی اصلی جگہ۔ ایک دم میں اور ایک جسم کے کسی دوسرے حصے میں

لطیفے

ادوم پرکاش - جموں

پچھلے مہینے میں ہم نے لطیفوں کے لئے انعامی مقابلے کا اعلان کیا تھا۔ صرف چھ بچوں نے اس میں حصہ لیا (۱) اوم پرشاد صراف جموں (۲) حبیب الرحمٰن مہکری بنگلور، (۳) شوکت بخش خانیوال۔ (۴) خواجہ زین العابدین بشیر (۵) عزت رام لپوری۔ (۶) عبدالعظیم ورنگل۔ ان میں مجموعی حیثیت سے ادوم پرکاش کے لطیفے زیادہ بہتر سمجھے گئے اور ان ہی کو انعام دیا جاتا ہے۔ باقی بچوں کے لطیفے انتخاب کے بعد شائع کئے جائیں گے امید ہے بچے آئندہ اس مقابلے میں زیادہ دلچسپی لیں گے۔ (ایڈیٹر)

ایک بچے کو ماں نے مارا وہ ڈر کر چارپائی کے نیچے جا گھسا تھوڑی دیر کے بعد اس کا باپ آیا اور بچے کو لینے چارپائی کے نیچے چلا گیا۔ بچے نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابا کیا تمھیں بھی اماں مار رہی ہیں۔"

اسکول ماسٹر نے لڑکوں سے کہا کہ وہ بلیک بورڈ پر کوئی ایسا لفظ لکھیں جو بہت لمبا ہو۔

ایک لڑکے نے اٹھ کر لکھا۔ "ربڑ"

استاد۔ "ایں"

لڑکا۔ جناب آپ اسے کھینچ کر لمبا کر سکتے ہیں۔

دوست۔ تمھارا لڑکا بڑا نالائق ہے۔ بہت بری گالیاں دیتا ہے

باپ۔ ابھی بچہ ہے۔ بڑا ہو لینے دو۔ پھر اچھی گالیاں دیا کرے گا۔

مسافر۔ بچے یہ سڑک کدھر جاتی ہے۔

بچہ (بھولے پن سے)، یہ کہیں نہیں جاتی۔ یہیں کھڑی رہتی ہے

استاد۔ "بتاؤ۔ کوئی بادشاہ سے بھی طاقتور ہے۔"

ایک لڑکا۔ "ہاں جناب"

استاد۔ "شاباش۔ بتاؤ کون ہے؟"

لڑکا۔ "تاش کا یکہ"

خط کتابت

ضروری ہدایتیں خط ضروری باتوں کے متعلق کم سے کم لفظوں میں لکھئے۔ آیندہ جو بچے یا بڑے ٹکڑوں کے بیچنے کا اعلان کریں گے ان سے ۱ر فی سطر معاوضہ لیا جائے گا (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

پیامِ تعلیم ملا۔ سب مضمون بہت اچھے ہیں۔ فیروزہ اور صدیقہ (جن کو انعام ملا ہے) کی نظمیں رسالے میں شائع کر دیجئے اور جامعہ کے جلسے میں لڑکوں نے جو تاریخی مضمون پڑھے تھے۔ وہ بھی شائع کیجئے۔ پنڈت جواہر لال صاحب کی قید کی مدت میں نے جمع کی ہے کل ۹ سال ۶ ماہ ہوتی ہے

امان اللہ خان متین

کرمی جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

مجھے ہندوستانی ریاستوں اور اسلامی ممالک یعنی ترکی، ایران، عراق، مصر، نجد و حجاز، البانیہ، مراکو (مراکش) کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے میں ان کے بدلے میں برطانیہ، فرانس، جرمنی اور امریکہ کے ٹکٹ دوں گا

N. AHMEDULLA MEHKRI

26, KAWADI PET

(BANGALORE CITY)

مکرمی

آپ کے پرچے کے متعلق میری حسب ذیل رائے ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت حضور نظام کے احسان جامعہ پر بہت ہیں۔ اس لئے پیامِ تعلیم کو بھی چاہیئے کہ آپ کی جوبلی کے موقع پر جو رجب میں ہونے والی ہے ایک جوبلی نمبر پیامِ تعلیم نکالے۔

(۲) دوسرے یہ عرض ہے کہ تمام پرچہ یا تو باریک خط میں لکھا جائے یا موٹے خط میں۔ موٹے اور باریک سے رسالے میں بدنمائی ہوتی ہے

(۳) پیامِ تعلیم میں ہر قسم کے مضامین ہوتے ہیں مگر فوٹوگرافی کے متعلق ایک مضمون بھی نہیں چھپا۔ ضرور چھاپیے۔ سیف الدین عبد الحبیب حیدرآباد

(۱) آپ کے مشورے کا خیال رکھا جائے گا۔ (۲) اس پر عمل مشکل ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیامِ تعلیم بہترین رسالہ ہے۔ اگر آپ دو ایک باتوں کی طرف توجہ فرمائیں تو بہت اچھا ہو

(۱) اردو آپ کی مادری زبان ہے۔ ہمارے اور آپکے بچوں کا مقابلہ اردو سیکھنے میں ایسا ہی ہے جیسے ایک انگریز اور ایک ہندی بچے کا۔ انگریزی زبان سیکھنے میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بچوں کو اردو زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے بہت محنت اور زیادہ مدت درکار ہے اس لئے رسالہ کی زبان زیادہ آسان ہونی چاہیئے تاکہ بچہ خود بخود عبارت کا مطلب سمجھ سکے۔

(۲) یہ کہ مطالعہ سے بچوں کے علم میں اضافہ ہو۔ ایک اچھا اصول ہے لیکن ایسے ثقیل مشکل مضمونوں سے جو بچے پر بوجھ ثابت ہوں ضرور پرہیز چاہیئے

(۳) بچوں کو کہانیوں سے جو تعلق ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں۔
پیام تعلیم میں بچوں کے مذاق کی کہانیوں کی تعداد کافی نہیں ہوتی۔
میں چاہتا ہوں کہ پیام تعلیم چھوٹے بچوں اور ذرا بڑی عمر کے لڑکوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ علاوہ اس کے اس دور افتادہ علاقے میں بھی پیامیوں کا دائرہ بڑھے۔ انشاء اللہ بہت جلد میری کوشش کامیاب ہوگی۔ تقریباً ہر بچے کو پیام تعلیم پڑھنے کو دیتا ہوں۔ امید ہے کہ اکثر بچے اس کے خریدار بن جائیں گے۔

خاکسار عبد الحمید ترین۔

مکرمی تسلیم۔

مئی کا پرچہ وصول ہوا، ماشاء اللہ بہت اچھا تھا۔ تیر صاحب کی نظم بہت اچھی تھی۔ لیکن ایک آدھ شعر ایسا تھا جس کا وزن ایک سا نہ تھا۔ کتنی اچھی بات ہو کہ آپا جان صاحبہ کی طرح دوسرے حضرات خواہ ٹکٹ جمع کرنے والے ہوں یا نہ ہوں ایسے غیر ملکی حضرات کا پتہ پیام تعلیم میں چھپوا دیا کریں جو ٹکٹ جمع کرتے ہوں۔
جو بھائی مجھے نئی دہلی کا ایک ٹکٹ روانہ کریں گے میں ان کو دو غیر ملکی ٹکٹ بھیج دوں گا۔ جو سلور جوبلی کے ٹکٹ روانہ کریں گے میں ان کو ایک کے بدلے دو غیر ملکی ٹکٹ بھیج دوں گا۔ اس مہینے ٹکٹ جمع کرنے کے متعلق کوئی مضمون نہیں چھپا۔ یہ نہ ہونا چاہیے۔ ہر مہینے ٹکٹوں کے متعلق ایک مضمون ضرور ہونا چاہیے۔
ٹیمہ مجھے بہت پسند ہے۔ باریک خط مجھے پسند نہیں پیام تعلیم میں موٹا خط ہونا چاہیے۔ پیام تعلیم کے خط و کتابت والے مضمون میں اکثر حضرات کے نام کے ساتھ پتہ نہیں ہوتا جس سے بہت دقت ہوتی ہے ہر شخص کا پتہ ہونا چاہیے۔ خواہ اس کا پتہ پہلے چھپ چکا ہو۔
میرے پاس ریاست بہاولپور کے ٹکٹ ہیں جو صاحب تبادلہ کرنا چاہیں۔ ایران، ٹرکیہ، سلوبکیا، چلی، حبش، سلور جوبلی، نئی دہلی، یمن، عراق، مصر، فلسطین۔ وغیرہ کے ٹکٹ بھیجیں۔ میں سوائے مصر کے ہر غیر ملکی ٹکٹوں کے بدلے ایک بے پوری ٹکٹ دوں گا۔

سعد الجیزی۔ دفتر عصمت۔ کوچہ چیلان دہلی۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم۔ السلام علیکم۔
بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارا پیام دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ خدا کرے ہمارا رسالہ خوب ترقی کرے۔ آمین۔ بعض جگہ پیام میں چھپائی بہت باریک ہو جاتی ہے اتنی کہ ہم رات کو مشکل سے پڑھ سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس شکایت کو دور کر دیں گے۔

احقر عثمان الرحمٰن۔ خریداری نمبر ۳۲۷۔ میرٹھ

مکرمی ایڈیٹر صاحب

سلام بعد نیاز۔ مئی کا پرچہ پیام تعلیم موصول ہوا۔ نہایت ہی عمدہ چیز ہے۔ میں نے اسے ایک ہی نشست میں ختم کر لیا۔ خوب صورت اور جاذب نظر اتنا کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مضامین عام فہم خط، چھپائی کاغذ عمدہ۔ غرض ہر چیز عمدہ۔ پنڈت جواہر لال کی زندگی کے حالات، ایجادوں کی کہانی، طلسمی بانسری۔ کبوتروں کے کرتب بڑے پر از معلومات مضامین ہیں۔ ایک عرض ہے وہ یہ کہ لڑکیوں کے لئے بھی مضامین ہونے چاہئیں۔ تاکہ بچیاں بھی رسالے میں دلچسپی کا اظہار کریں۔ نیز موجودہ زمانے کی نامور ہستیوں مثلاً۔ ہٹلر، مسولینی۔ مصطفےٰ کمال اتاترک، نادر شاہ اور رضا شاہ پہلوی کے حالات بھی شائع کریں۔ خوشی کی بات ہے کہ رسالے کے خریدار دن بدن زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ مگر آپ اسے پندرہ روزہ کر دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔

خیر اندیش۔ ماسٹر محمد یوسف سیالکوٹی۔ مقیم بہاولپور

پیام تعلیم

میاں سر فضل حسین مرحوم ان کے بارے میں اس پرچے میں ایک مضمون بھی ہے۔

یہ ایک پہیے کی سائیکل ابھی حال میں ایجاد ہوئی ہے
دیکھو یہ بچہ کس مزے سے اسے چلا رہا ہے
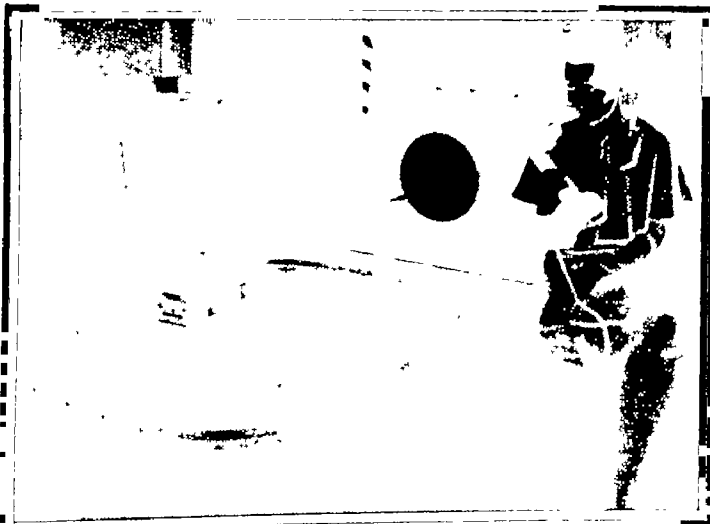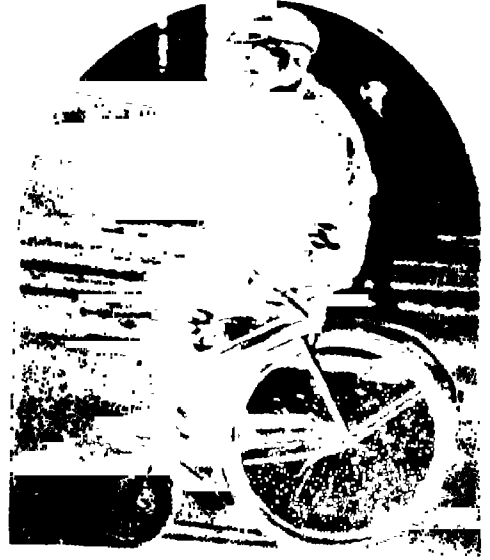
ننھی سی ریل — یہ بیٹری سے
چلتی ہے اس کا ننھا منھا سا
اسٹیشن اور سگنل بھی ہے۔ یہ
سب سامان ایک میز پر آ گیا ہے۔

پیام تعلیم دہلی

پیام تعلیم ہندوستان کے اکثر صوبوں اور ریاستوں میں سرکاری طور پر منظور ہے۔ افسران محکمۂ تعلیم ہیڈ ماسٹر و اور معلمین سے توجہ کی درخواست ہے
منیجر

ضروری تصحیح پچھلے پرچے میں کاتب کی غلطی سے رسالے کا نمبر بجائے سات کے چھ اور قیمت بجائے چار کے پیسے چھپ گئی تھی۔ پڑھنے والے اپنے اپنے پرچوں میں ٹھیک کر لیں
منیجر

جلد (۱۸) ۱۹ | اگست سنہ ۳۶ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان ندوی جامعی - پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی - جامعہ پریس

سالانہ چندہ عہ

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

فی پرچہ ہر

جناب ذاکر حسن صاحب حیدرآباد دکن
جناب ابن احمد صاحب ۔ منہگاؤں
جناب سید ابوالحسن صاحب ۔ مدرد
مسٹر سمیع الرحمٰن صاحب ۔ پٹنہ
دی ایکزیکٹو ادفس ۔ علی گڑھ
محمد معین الدین صاحب ۔ رانچی
مرزا جہاں قدر قمر صاحب چغتائی ۔ بھوپال
مسٹر منیر حسین صاحب ۔ حیدرآباد دکن
محمد قاسم صاحب ۔ کلکتہ
مس روشن اختر صاحبہ ۔ انارا
ایس محمد خلیل صاحب ۔ راج محل
جناب اشفاق محمود صاحب ۔ علی گڑھ
ہیڈ ماسٹر صاحب ۔ ہبال
سکریٹری صاحب ۔ امراؤتی
جناب اسرائیل احمد خاں صاحب سکندرآباد
مظہر الحق صاحب ۔ کلکتہ
منیجر صاحب ممتاز بک ہاؤس ۔ دہلی
سید مختار حسین صاحب ۔ حیدرآباد دکن
محمد صدیق صاحب ۔ چنیوٹ ۔
شام نگار صاحب ۔ لاہور
ہیڈ ماسٹر صاحب ۔ نوان شہر

چودھری حیدر حسین صاحب ۔ مضوری
مس خیر النسا بیگم صاحبہ ۔ بدلاپور
مدرسہ تحتانیہ ۔ تاپور
" " اکماپور
" " کمیادن
" " ہنگی
" " لکیرہ
" " کوڑیکل
" " نگنور
" " یاگی
" " جیورگی
" " اندولہ
" " بڈرامی
" " ہلی
" " گنوار
" " لکلاعیل
" " نیلوگی
" " بیلوار
" " اجیری
" " کرکندہ
" " گوگی

مدرسہ تحتانیہ ناچیکل
" " وڈگیرہ
" " ڈودرن ہلی
" " مدرکی
" " نیٹرے بلی
ظہیر الدین حسن صاحب ۔ حیدرآباد دکن
خان بہادر محمد نواز خاں صاحب میرن شاہ
احسن عمر صاحب ۔ میرٹھ
جناب غلام یزدانی صاحب ۔ حیدرآباد دکن
صلاح الدین صاحب ۔ لدھیانہ
پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار دہلی
جناب رفیع الشان صدیقی صاحب شاہجہاں پور
ڈی، بی ے، مڈل اسکول
مدرسہ وسطانیہ عثمانیہ ۔ سریا پیٹھ
ضامن حسین، فدا حسین صاحبان برہان پور
غازی سلطۂ ۔ دھوگرسی
انصار حسین صاحب ۔ شیخ سرائے
سید محمد عمر صاحب ۔ دلیورا ۔
مدرسہ تحتانیہ درجہ اول ۔ بیدر شریف
" " اسد گنج
" " گرجوارہ

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

اس مرتبہ رنگ بھرنے کے انعامی مقابلے میں کل پندرہ بچوں نے حصہ لیا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مظہر حسین صدیقی آگرہ (۲) مس سلطانہ شیخ پالن پور
(۳) محمد عبدالوالی حیدرآباد دکن (۴) سید محمد ثقلین۔ نگینہ
(۵) مظہر علی علوی نئی دہلی (۶) یوسف علی خاں احمد پرمنی
(۷) محمد عمران۔ فتح گڈھ (۸) سروری خانم۔ شملہ
(۹) سومنات مہرہ پشاور (۱۰) سعیدہ خاتون
(۱۱) جمیلہ بیگم، شملہ (۱۲) زاہدہ خانم ریاست پٹیالہ
(۱۳) رضیہ بیگم۔ شملہ (۱۴) قدسیہ۔ حیدرآباد دکن
(۱۵) فیض اللہ میمو (اپر برما)

ان میں مس جمیلہ بیگم اول۔ زاہدہ خانم دوم اور محمد عمران سوم آئے ہیں۔ اس مرتبہ بچوں نے محنت توجہ اور دلچسپی سے تصویروں میں رنگ بھرا، جو بچے مقابلے میں ناکامیاب رہ گئے اُن کی تصویروں میں بڑی خرابی یہ ہے کہ پھلوں کے رنگ قدرتی نہیں ہیں بہت کم بچوں نے اس چیز کا خیال رکھا ہو آیندہ ایسی تصویروں میں رنگ بھرنے سے پہلے سوچ لو کہ پھلوں یا پھولوں کے قدرتی رنگ کیا ہیں اچھا تو یہ ہو کہ باغ یا بازار میں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو ورنہ اپنے استاد یا کسی بڑے سے پوچھ لو۔ بعض بچوں نے۔ پس منظر (BACK GROUND) میں رنگ نہیں بھرا ہے، اِن خرابیوں کو چھوڑ کر سب تصویریں ماشاء اللہ اچھی ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ بچے اور بھی دلچسپی سے رنگ بھریں گے۔

اب کی لطیفے بھی بہت سے بچوں نے بھیجے ہیں نام یہ ہیں

(۱) مریم خاتون علی گڈھ (۲) میاں حمید علی۔ شملہ۔
(۳) جمیلہ عبداللہ لاہور (۴) احمد طارق عمر۔ گونڈہ
(۵) لسبو نیا۔ گلبرگہ دکن (۶) اوم پرکاش صراف جمبل
(۷) محبوب الرحمٰن لائل پور (۸) امین اللہ خاں مدراس
(۹) بلال احمد صہبائی کوئٹہ (۱۰) منصور۔ ملک ضلع ورنگل
(۱۱) محمد ابو مسعود فاروقی (۱۲) زاہد حسین۔ ناگپور
(۱۳) ابن الحسن (۱۴) ط، ب صاحبہ چھپرا ہٹو
۱۵۔ نام نہیں لکھا

اس مرتبہ سب بچوں نے اچھے اچھے لطیفے محنت سے جمع کئے ہیں ہر ایک کے مجموعے میں دو ایک لطیفے اشاعت کے قابل ضرور ہیں ان لطیفوں کے جانچنے والے صاحب کا خیال ہے کہ مریم خاتون کے اکثر لطیفے اچھے ہیں۔ اس لئے انعام اُن ہی کو دیا جائے گا۔

بعض حضرات نے ہمیں رائے دی ہے کہ لطیفوں کے انعام کا یہ طریقہ نہ رکھا جائے۔ اس لئے کہ انعام صرف ایک ہی کو ملتا ہے اور باقی بچے محروم رہتے ہیں۔ مناسب صورت یہ ہے کہ ہر ایک لطیفے پر جو چھپنے کے قابل ہو اور انتخاب میں آجائے ۲ر فی لطیفہ انعام مقرر کیا جائے۔ اس طرح سب بچوں پر انعام تقسیم ہو جائے گا۔ اور وہ محنت اور توجہ سے اچھے لطیفے جمع کرکے بھیجیں گے۔ اگر تمھیں اس پر کوئی اعتراض ہو یا اس سے اچھی تجویز پیش کرنا چاہو تو ہمیں لکھو

مولو چھوٹو نمبر ۳ پر کل ۷ بچوں نے مضمون بھیجے ہیں

(۱) احمد حسن فتح گڑھ (۲) محمد ابو مسعود فاروقی
(۳) محمد طاہر عثمانی (۴) قدسیہ خاتون - الہ آباد
(۵) ذکی احمد ہاشمی (۶) مسلہ جمیلہ - کلکتہ

ساتویں صاحب کا مضمون نامکمل ہے انھوں نے اپنا نام بھی نہیں لکھا ہے اکثر ان بچوں نے تصویروں کو غور سے نہیں دیکھا اس لئے غلطیاں رہ گئیں سب کا ہی حال ہے۔ ان مضمونوں کو جانچنے والے صاحب کا خیال ہے کہ ان بچوں سے دوبارہ مضمون لکھوایا جائے اس لئے ہم اس کی مدت بڑھائے دیتے ہیں۔ بچے ۱۰ر اگست تک مضمون بھیج سکتے ہیں۔

ٹائٹل بھی ابھی تک صرف دو تین بچوں نے بنا کر بھیجے ہیں ابھی تو انھیں تائیس نمبر کا بھی ٹائٹل بنانا ہے اس سستی سے کیسے کام چلے گا۔ ہم اس کی مدت بھی دس اگست اور بڑھائے دیتے ہیں۔

بعض بچوں نے اپنے پیامِ تعلیم کے خریدار بڑھانے کی طرف توجہ کی ہے ان میں عزیزہ جمیلہ بیگم اور میاں عثمان الرحمٰن نوشہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ اُمید ہے کہ دوسرے بچے بھی اس مثال سے سبق لیں گے

میاں سر فضل حسین مرحوم

محمد حسین حسان

ابھی ڈاکٹر انصاری مرحوم کی موت کا غم تازہ تھا کہ پنجاب بلکہ ہندوستان کی ایک اور مشہور شخصیت اس دنیا سے اُٹھ گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

تم نے میاں سر فضل حسین کا نام سُنا ہوگا یہ ہندوستان کے ان چند گنے گنے لوگوں میں سے تھے جن کی قابلیت، تدبر دور اندیشی، سوجھ بوجھ اور انتظامی تجربے کی تعریف اُن کے دشمن بھی کرتے ہیں۔

میاں سر فضل حسین مرحوم ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو پشاور میں پیدا ہوئے اور ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا اس حساب سے کل ۵۹ برس عمر پائی۔ یہ عمر کچھ زیادہ نہیں۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصے میں جو کارنامے انھوں نے انجام دئے۔ وہ انھیں ہمیشہ زندہ رکھیں گے انھوں نے ابتدائی تعلیم ایبٹ آباد کے ایک اسکول میں پائی۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کیا اور پھر ولایت کی کیمبرج یونیورسٹی سے ڈگری لی اور ۱۹۰۱ء میں بیرسٹر ہوکر وطن واپس آئے ۱۹۰۱ء میں سیالکوٹ میں بیرسٹری شروع کی ۵ سال میں اُن کی بیرسٹری اتنی چمک گئی کہ پنجاب چیف کورٹ (اب ہائی کورٹ) میں پریکٹس کے لئے لاہور آگئے۔ دو سال بعد اسلامیہ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اُن کے زمانے میں کالج نے بہت ترقی کی۔ اس کا اندازہ ہے کہ کالج کی انتظامیہ کمیٹی کے سکرٹری رہے بہت مدت تک وہ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور پھر سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے ان دنوں انھوں نے اہم تعلیمی خدمات انجام دیں یونیورسٹی کی طرف سے وہ صوبے کی کونسل کے ممبر بھی مقرر ہوئے ۱۹۲۰ء سے پہلے ملک کی سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ مسلمانوں کی مشہور انجمن مسلم لیگ کی شاخ اُن ہی نے پنجاب میں قائم کی اور ان ہی کی سرگرمیوں کی بدولت اس انجمن میں جان پڑی۔ کانگریس کے بھی وہ سرگرم ممبر تھے ۱۹۱۶ء کی سیاسی کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے ۱۹۲۰ء میں انگریزی حکومت نے ملک کے انتظام میں ہندوستانیوں کو زیادہ اختیارات دئے تو سر فضل حسین مرحوم بھی صوبے کی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور حکومت کی طرف سے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ اس عہدے کا کام انھوں نے اس سرگرمی، جوش اور قابلیت سے انجام دیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اُن کا اثر اور اقتدار کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ بھی جب وہ کونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے تو انھیں پھر وزیر تعلیم مقرر کیا گیا۔ ان کی ذات سے صوبے کے مسلمانوں کو خاص طور پر فائدہ پہنچا۔ ان کی انتظامی قابلیت، سیاستدانی اور غیر معمولی سوجھ بوجھ سے متاثر ہوکر حکومت نے انھیں وائسرائے کی کونسل کا ممبر

مقرر کیا۔ یہاں اُن کے اور بھی جوہر کھلے اور انھوں نے بہت
کم عرصے میں کونسل کے تمام ممبروں میں بہت اہم حیثیت حاصل
کرلی۔ وہ ہندوستانی ممبروں کے صدر کی حیثیت سے جینوا
کی جمعیتہ الاقوام (پنچایتی انجمن) میں بھی شریک ہوئے اور وہاں
انھوں نے بہت اچھا کام کیا۔

ابھی ایک سال ہوا وہ وائسرائے کی کونسل
کی ممبری سے علیحدہ ہوئے تھے اور پنجاب کونسل کے اگلے انتخاب
میں حصہ لینے کے لئے کوشش کر رہے تھے انھوں نے ایک
اتحاد پارٹی بنائی تھی، جس میں ہندو اور مسلمان سب شریک تھے
اپنی عادت کے مطابق وہ اب بھی بہت سرگرمی سے کام کر رہے
تھے لیکن بیماری زیادہ بڑھ گئی۔ حکومت نے انھیں صوبے کا
وزیر تعلیم بھی مقرر کیا تھا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے یہ عہدہ
بھی نہ سنبھال سکے۔

یہ میاں سر فضل حسین کی زندگی کا بہت مختصر سا حال
تھا اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے سیاست جاننے
والوں میں ان کا رتبہ بہت بلند تھا۔ ہر معاملے پر اُن کی نظر
بہت گہری پڑتی تھی کوئی چیز اُن کے سامنے آتی تھی تو اس کے
تمام پہلوؤں پر خوب غور کر لیتے تھے تب اس کے بارے میں
زبان کھولتے تھے۔ اور اس کی مخالفت یا موافقت میں
ایسی معقول اور سنجیدہ دلیلیں پیش کرتے تھے کہ مخالف سے
مخالف اُن کی بات ماننے پر مجبور ہوتا تھا۔ اپنی سوچی سمجھی
رائے کو دوسروں کے سامنے پوری بے باکی سے پیش
کرتے تھے دوسرے سرکار پرست لوگوں کی طرح دبو
یا خوشامدی نہ تھے۔ ان کے سب ساتھی ہندوستانی
یا انگریز اُن کا اور ان کی رائے کا احترام کرتے تھے اور
اہم معاملات میں اُن کا مشورہ ضروری سمجھتے تھے۔

ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ جو کام بھی وہ ہاتھ
میں لیتے تھے اسے اتنی سرگرمی اور انہماک سے کرتے تھے کہ
گویا اسی کے ہو رہتے تھے۔ اسی لئے کامیابی ان کے قدم
چومتی تھی۔

جو لوگ اُن کی اصلی زندگی سے بے خبر ہیں۔ وہ
ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میاں صاحب کو مسلمانوں ہی کا
خیال زیادہ رہتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے انھیں
ہر قوم کا خیال تھا لیکن چونکہ مسلمان پنجاب بلکہ تمام ہندوستان
میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے قدرتی طور
پر ان کی طرف اُن کی توجہ زیادہ تھی اور یہ کوئی ایسی برائی
کی بات نہیں ہے ویسے ملازمتوں کے معاملے میں انگریزوں
کے مقابلے میں وہ ہندوستانیوں کے حق کو ہمیشہ ترجیح
دیتے تھے اور اسے انھوں نے اپنا اصول بنا لیا تھا۔

ایک بات ان میں اور تھی وہ جس راستے کو
قوم اور ملک کے لئے مفید سمجھتے تھے اسی کو اختیار
کرتے تھے۔ اور کسی اعتراض یا مخالفت کی پروا
نہ کرتے تھے۔

غرض میاں سر فضل حسین بہت بڑے مدبر
اور سیاست داں، پختہ عزم و پختہ رائے بہت نڈر
اور بیباک، ساتھ ہی ساتھ نہایت مخلص نیک نیت
اور فراخ دل انسان تھے۔ اُن کا کوئی بڑے سے بڑا
مخالف بھی ان کی ان خوبیوں سے انکار نہیں کر سکتا
ان کے انتقال سے ایسی جگہ خالی ہوئی ہے جو آسانی
سے بھری نہیں جا سکتی ؀

عرب کا چاند

جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ استاد ماڈرن ہائی اسکول نئی دہلی

پاپوں کا اندھیرا چھایا تھا ، بادل سا گھر کر آیا تھا
تھا راج بدی کا دنیا میں ، ہر سمت گناہ کا سایا تھا

اللہ نے اپنی قدرت سے اک چاند عرب میں چمکایا
کیا خوب کرشمہ رحمت کا دنیا والوں کو دکھلایا۔

اس چاند کا نام "محمدؐ" ہے کتنا میٹھا کیسا پیارا
اس نام سے دنیا روشن ، اس نام سے ہر جگ اُجیارا

بندوں کو خدا کی رحمت کا مژدہ وہ سنانے آیا تھا
کس طرح رہیں اس دنیا میں ، خود رہ کے بتانے آیا تھا

اُس نے یہ کہا تم مسلم سب آپس میں بھائی بھائی ہو
اس طرح سے سب مل جل کے رہو جھگڑا ہو کبھی نہ لڑائی ہو

فرمایا جب تک قوم کوئی خود آپ درست نہیں ہوتی
اللہ کی رحمت بھی اس کی امداد پہ چسپ نہیں ہوتی

وہ ماہِ عرب ہے اے نیرؔ اپنا تو جہاں میں سہارا ہے
ہو جائیں فدا اس نام پہ ہم ، یہ نام ہی ایسا پیارا ہے

کوئن میری

دُنیا کا سب سے بڑا نیا جہاز

از موسیٰ قادری جماعت ہشتم

انیسوں صدی کے شروع تک چھوٹے چھوٹے جہاز بادبان لگاکر ہوا کے زور سے چلتے تھے انگریز بھی ایسے ہی جہازوں میں ہندوستان پہنچے تھے لیکن بعد میں بادبانوں کی جگہ انجن ایجاد ہوئے اور وہ بھاپ کے زور سے چلنے لگے۔ اسی وجہ سے پرانے جہاز بادبانی اور آج کل کے دخانی (بھاپ والے) کہلاتے ہیں۔

بیسوی صدی کے شروع میں بڑے بڑے تیز رفتار جہاز بننے لگے۔ ان میں آرام کا بھی بہت اچھا انتظام کیا گیا۔ یوں تو دنیا میں جہازوں کی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں لیکن ہندوستان میں جو کمپنی سب سے بڑی مانی جاتی ہے وہ P & O کمپنی کہلاتی ہے۔ اس کمپنی کے جہازوں پر بڑے بڑے لوگ نواب، راجہ، گورنر، وائسرائے سفر کرتے ہیں۔ اور اسی کمپنی کے جہاز ولایت سے ڈاک لاتے اور لے جاتے ہیں۔

ویسے تو یورپ کے سب ملکوں میں جہاز بنتے ہیں۔ لیکن انگلستان، فرانس، جرمنی اور اٹلی یہ چار ملک اعلیٰ درجے کے جہاز بناتے ہیں۔ آج کل دنیا میں سب سے بڑے جہاز دو ہیں۔ ایک تو جہاز "نارمنڈی" جو فرانس نے تیار کیا اور دوسرا کوئن میری جو نارمنڈی کے بعد انگلستان میں تیار ہوا۔ اور صنعتی کمالوں میں "نارمنڈی" کا مد مقابل ہے۔

کوئن میری کا کام ۱۹۳۰ء میں شروع ہوا اور چھ سال کے عرصے میں تیار ہوکر اسی سال مئی کے

مہینے میں اس نے پہلی مرتبہ امریکہ کا سفر کیا۔ کوئی دو لاکھ پچاس ہزار آدمیوں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کے بنانے میں حصہ لیا۔ اس کی رفتار ۳۰ میل فی گھنٹہ سے بھی تیز ہے۔ جہاز کے واسطے جہاں سمندر پر موجوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ رفتار بہت تیز مانی جاتی ہے۔ ورنہ اچھے سے اچھے جہاز فی گھنٹہ ۲۰، ۲۵ میل جاتے ہیں۔

"کوئن میری" میں ۴۰ ہزار ٹن فولاد لگا ہے اور اس کا مجموعی وزن ۷۰ ہزار ٹن سے بھی زیادہ ہے۔ ایک ٹن ۲۸ من[1] کا ہوتا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جہاز کتنا وزنی ہے۔ جہاز جس قدر وزنی ہوگا اسی قدر سمندر میں محفوظ رہے گا۔ طوفان میں کم جھکولے کھائے گا۔ اور مسافروں کو دورانِ سر اور متلی کی تکلیف سے بچائے گا۔

یہ جہاز ایک ہزار فٹ سے بھی لانبا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں ایک ہزار جہاز کے ملازم رہتے ہیں۔ ڈھائی ہزار مسافر نہایت آرام سے سفر کر سکتے ہیں۔ رہنے، کھانے پکنے، پڑھنے، کھیل کود۔ سب چیزوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے ہیں نہانے اور تیرنے کے لئے دو تالاب۔ ورزش کے لئے میدان۔ دو چرچ، ایک یہودیوں کا عبادت خانہ ان کے علاوہ۔ اول درجے کے مسافروں کا ڈائننگ روم (کھانے کا کمرہ) دنیا میں سب سے بڑا ڈائننگ روم ہے۔ ۰۰۰ آدمی بیک وقت اس میں کھانا کھا سکتے ہیں۔ بجلی اتنی افراط سے ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کے شہر کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ کوئی چار ہزار میل لمبے بجلی کے تار جہاز میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غرض جہاز میں ہر طرح کا آرام ہے۔ اس جہاز کی لاگت ۶۰ لاکھ پونڈ تخمینہ کی گئی ہے جو تقریباً آٹھ کروڑ روپے کے برابر ہے۔

جس کمپنی نے یہ جہاز تیار کیا ہے۔ اس کا سب سے پہلا جہاز جو پرانے زمانے میں (۴ جولائی ۱۸۴۰ء) سب سے پہلے امریکہ گیا تھا۔ اس کا نام برطانیہ تھا۔ اس کا وزن ایک ہزار ٹن سے کچھ زیادہ تھا

---

[1] ۱۹ لاکھ ۶۰ ہزار من ہوتے ہیں۔

آج وہ جہاز ہوتا تو موجودہ جہاز کوئن میری کے کسی کونے میں آجاتا۔ بلکہ حساب لگایا گیا ہے کہ اس کے کھانے کے کمرے کے آدھے حصے میں آسانی سے سماجاتا۔ سنا ہے کہ امریکہ کا بھی ارادہ ہے کہ کوئن میری جیسے دو جہاز بنائے۔ اگر ان کمپنیوں میں اسی طرح مقابلہ ہوتا رہا تو آیندہ دیکھئے کتنے بڑے بڑے جہاز بنتے ہیں۔

بقیہ موٹو چھوٹو ۲۹۱

چھوٹو موٹو (۵)

بقیہ ۲۹۰ پر

موتی بیگم

از تصدق مصطفےٰ خاں صاحب شیروانی۔

موتی بہت خوب صورت بلی تھی، لمبے لمبے بال کچھ کالے اور کچھ سفید، بڑی بڑی مونچھیں جیسے شیر کی۔ بادشاہ کے محل میں رہتی تھی۔ اور اپنے سے اچھا کھانے کو ملتا تھا۔ مگر تم جانو آخر تھی تو بلی۔ دوسری بلیوں کی طرح جب تک چوہے کا تر نوالہ نہ مل جائے اُسے مزا نہ آتا تھا۔

وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے خوب موٹے تازے چوہوں پر ہاتھ صاف کرتی تھی محل میں چوہے کثرت سے تھے۔ اس لئے جب چاہتی شکار کا لطف اُٹھاتی

ہاں بھائی چھپو میں یہاں ہوں

جوں ہی کوئی چوہا بل میں سے باہر سر نکالتا۔ یہ تیزی سے اس پر جا پڑتی۔ اور غریب ننھی سی جان کو ذرا سے ذرا میں چٹ کر جاتی۔

مگر تھوڑے دنوں میں اس کی تیزی اور چستی و چالاکی میں کمی آنے لگی۔ دودھ مکھن اور بالائی کھاتے کھاتے اس پر اتنا موٹاپا چھاگیا کہ دوڑ بھاگ کا کوئی کام اس سے نہ ہوسکتا تھا۔ بہت کاہل اور سست ہوگئی تھی۔ چوہے کا شکار بھی اسے دوبھر تھا۔

ایک دن اس نے اپنے جی میں کہا۔ بھلا میں شاہی محل کی بلی اور ایک چوہے کے لئے گھنٹوں بل کے پاس بیٹھی رہوں! یہ بہت بری بات ہے مجھے ضرور کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہئے کہ اس مصیبت سے نجات ملے۔ سوچتے سوچتے آخر ایک ترکیب اس کے دماغ میں آہی گئی۔

اس رات جب ایک چوہا اپنے بل سے نکلا تو بلی نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ بڑی نرمی سے غرغرانے اور محبت اور پیار کے لہجے میں باتیں کرنے لگی۔ بیٹا! اب تم مجھ سے ڈرو مت۔ اب ہم میں اور تم میں صلح کا وقت آگیا ہے۔ اب تمہیں اور تمھارے ساتھیوں کو محل میں ادھر ادھر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمام بری عادتوں سے توبہ کر چکی ہوں اور طے کرلیا ہے کہ آج سے سبزی ترکاری پر گذر کروں گی۔

اس چوہے کا نام اچھو تھا۔ اچھو نے بلی موتی سے ایسی باتیں سنیں تو اس کا منہ تکنے لگا۔ کانوں کو یقین نہ آتا تھا۔ بولا تم یقیناً مذاق کررہی ہو۔ اس کی آنکھیں برابر بلی پر جمی رہیں کہ کیوں بھئی تم وہاں ہو باتوں ہی باتوں میں کہیں حملہ نہ کر بیٹھے۔

موتی "توبہ کرو، بھلا مذاق کا کیا موقع ہے۔ میں سچ سچ اپنے دل کی بات کہہ رہی ہوں۔ یقین جانو پچھلے ظلم یاد کرکے میرا دل دکھتا ہے۔ اب میں نے اپنی عادت بالکل بدل دی ہے

اچھو مگر اس ایکا ایکی تبدیلی کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔

موتی بات یہ ہے کہ کل میری سالگرہ ہوگی۔ آج پچھلے سال کا آخری دن ہے۔ سو اب اللہ نے چاہا تو تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔

اچھو تو میں اپنے سب بھائیوں کو اس کی خبر کردوں؟

موتی ضرور فوراً جاکر کہہ دو۔ مگر مجھے تم سے ایک بات اور کہنی ہے

اچھو ۔ وہ کیا۔

موتی ۔ وہ یہ کہ ہر رات کو بڑے کمرے میں فوجی قاعدے سے ایک کے پیچھے ایک میرے سامنے سے گذرو۔ تاکہ معلوم ہو کہ اب بھی تم میری عزت کرتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں میری خوشی کو پورا کرنے کے لئے اتنی سی تکلیف اٹھانے میں کوئی عذر تو نہ ہوگا۔

اچھو بالکل نہیں، بالکل نہیں۔ اچھا ذرا ٹھہرئے میں اپنے بھائیوں کو اس صلح کی خبر تو کرا دوں۔ سچ جانئے کہ یہ خوش خبری سن کر سب کا مارے خوشی کے برا حال ہو جائے گا۔

اچھو چلا گیا تو بی موتی چپکے ہی چپکے اپنے آپ سے کہنے لگیں دیکھو میری تدبیر کیسی کامیاب ہو رہی ہے۔ بھلا کسی بلی کو ایسی چالیں سوجھ سکتی ہیں۔

اچھو نے واپس آکر بتایا کہ میرے بھائی بہن اس کو سن کر مارے خوشی کے بے قابو ہو گئے کہ اُن کی زندگی کو اب کوئی خطرہ نہیں اور وہ کھلے خزانے اِدھر اُدھر گھوم پھر سکیں گے

موتی اور وہ اس پر بھی راضی ہیں کہ ہر رات کو قطار بنا کر میرے سامنے سے گذریں گے؟

اچھو جی ہاں کیوں نہیں، بڑی خوشی سے۔

موتی سچ جانو۔ یہ خبر سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اچھا میاں! اب تم جاؤ۔ سلام! میں کل تم سب کا انتظار کروں گی ٹھیک ایک بجے میں تمھارا سلام لوں گی

آخر خدا خدا کر کے سال گرہ کا پہلا دن ختم ہوا۔ رات کو بی موتی ایک ریشمی گدے پر بڑی شان سے بیٹھیں۔ چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ ٹھیک ایک بجے ایک چوہا بل سے نکلا۔ اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا اسی طرح ایک قطار بن گئی۔ اور سب کے سب خوشی کے نعرے لگاتے فوجی قاعدے سے ایک دو ایک دو کرتے موتی بیگم کے سامنے سے گذرے۔ موتی بیگم بڑی مہربانی اور بزرگانہ انداز میں مسکراتی رہیں اور کسی چوہے کو ہاتھ نہیں لگایا۔

جب تک یہ فوج ان کے سامنے سے گذرتی رہی۔ وہ اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھی رہیں جوں ہی پیچھے فوج کا ایک سپاہی باقی رہ گیا انھوں نے بڑی تیزی سے جست لگائی اور سپاہی صاحب اُن کے منہ میں تھے، ہاہا، موتی بیگم نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ کون کہتا ہے میں تر نوالے سے محروم ہوں

دوسری رات بھی یہی صورت پیش آئی

اب ہر روز مفت کا شکار ہاتھ آ جاتا۔

آہستہ آہستہ چوہوں کی تعداد بہت کم ہونے لگی انھوں نے بھی دیکھا کہ ہماری فوج برابر گھٹ رہی ہے۔ روز ہم میں سے کوئی کم ہو جاتا ہے۔ آخر یہ بات کیا ہے؟ میاں اچھو نے اپنے دوست ننھو سے کہا۔

اچھو مجھے یقین ہے کہ یہ بلی اس بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہے۔

ننھو بھی اچھو کی طرح بہت عقل مند چوہا تھا اس نے کہا یا بات تو ہماری بھی سمجھ میں آتی ہے۔ یہ موتی بیگم جا جس قدر ہماری دوست بنتی ہیں۔ تو اس میں کوئی فی ضرور ہے۔ یہ

دوستی بس دکھاوے کی ہے۔

اچھو۔ مگر بھئی اس مصیبت کا کچھ علاج ضرور ہونا چاہئے (کچھ دیر سوچ کر) بھئی واہ آخر ایک ترکیب سمجھ میں آگئی نا ؟

تھوڑی دیر تک دونوں دوستوں میں کانا پھوسی ہوتی رہی اور دونوں خوش خوش ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔

اس رات کو جب چوہوں کی فوج موتی بیگم کے سامنے سے گذر رہی تھی تو میاں اچھو تو فوج کے پہلے سرے پر تھے اور ننھو بالکل آخری سرے پر۔ دونوں برابر آپس میں ایک دوسرے سے سوال وجواب کرتے رہے۔ اچھو آگے سے پوچھتا۔ "کیوں بھئی ننھو تم وہاں ہو" اور ننھو ٹھیک پیچھے سے جواب دیتا۔ ہاں بھائی اچھو میں یہاں ہوں۔ پھر ننھو یہی سوال کرتا اور اچھو اسے وہی جواب دیتا کہ ہاں بھائی میں یہاں ہوں "

اب تو بلی خالہ بہت گھبرائیں ننھو پر حملہ کرنے کی انھیں ہمت نہ پڑی۔ کیوں کہ اچھو کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ اس کے دوست پر کوئی مصیبت آگئی ہے۔ آج کی رات ناشتہ نصیب میں نہ تھا۔ بے چاری بہت اُداس ہوگئی

دوسری رات بھی بالکل یہی صورت پیش آئی اور اچھو اور ننھو میں پہلے کی طرح کے سوال وجواب ہوتے رہے موتی بیگم نے اپنے جی میں کہا۔ کیا ہر روز یہی ہوا کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ مگر موتی بیگم کا خیال غلط نکلا۔ اور روز یہی ہوتا تھا۔ ایک طرف سے سوال دوسری طرف سے جواب۔ موتی بیگم دن پر دن دُبلی ہوتی جارہی تھیں

اس مصیبت کو آج پانچواں دن تھا۔ بھوک کے مارے برا حال تھا آج تو وہ ننھو پر حملہ کر ہی بیٹھی تھیں مگر خدا کی شان اسی وقت اچھو، ننھو کو پکار بیٹھا اور یہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔

اتنے دن گذر گئے تھے اور چوہوں کو اپنی تعداد میں اب کوئی کمی نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے انھیں یقین ہوگیا کہ بلی نے اُن سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں۔ وہ بہت خوش تھے کہ انھوں نے اس کی چالوں کو ناکام کردیا۔

ننھو نے ہنس کر کہا۔

" بھائی سچ تو یہ ہے کہ بلی کی بات پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیے "

ایک دفعہ تو موتی بیگم کو اپنے وعدے کا بھی کچھ خیال نہ رہا اور بے تابی کی حالت میں اچانک ایک چوہے پر حملہ کر بیٹھیں مگر چوہے پہلے ہی ان سے خبردار تھے۔ فوراً ادھر ادھر بھاگ نکلے۔

پھر دنوں تک موتی بیگم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بل کے اوپر بیٹھ جاتیں۔۔۔ کہ شاید اُن کی قسمت سے کوئی قسمت کا مارا چوہا باہر نکل آئے لیکن بل میں تو برابر یہی مذاق ہو رہا تھا کہ بھائی ننھو تم وہاں ہو۔ اور ہاں بھائی اچھو ہم یہاں ہیں " یہ آوازیں تیر کی طرح اس کے دل کو لگتی تھیں۔

بے چاری موتی بیگم کب تک اس مصیبت کو برداشت کرتیں آخر ایک دن بوریا بستر سنبھال اور دل پر پتھر رکھ اس گھر سے رخصت ہوگئیں۔

چوہوں کو جوں ہی یہ خوش خبری ملی۔ مارے خوشی کے سب کے سب بلوں سے باہر نکل آئے اور ہال میں لگے اچھلنے کودنے اب انھیں کاہے کا ڈر تھا۔ (ترجمہ واقتباس)

یونان کا ایک پرانا شہر ایتھنز

محترمہ شمسی عباد الرحمٰن

پچھلے پرچے میں تم کروسس کی کہانی پڑھ چکے ہو۔ کچھ پسند آئی؟ اس کہانی میں شہر ایتھنز کا ذکر آیا تھا۔ آج ہم تمھیں اس شہر اور اس کے رہنے والوں کے رسم ورواج کا کچھ حال سناتے ہیں

پرانے وقتوں کی بات ہے۔ بہت ہی پرانے وقتوں کی جب دنیا میں لکھنے کا رواج اس طرح نہ تھا جس طرح آج کل ہے زیادہ تر لوگ جاہل اور گنوار ہی ہوتے تھے۔ اس زمانے میں صرف یونان ایسا ملک تھا جو علم وفضل کی روشنی سے چمک رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں کو شاعری کا بھی شوق تھا۔ یہ لوگ ہر بات کو شاعری کی نظر سے دیکھتے۔ اور ہر خوب صورت چیز سے محبت کرتے۔ پھر سنگ تراشی یعنی پتھر پر نقش ونگار بنانا معماری، مصوری، یعنی بیل بوٹے اور تصویریں بنانا، موسیقی یعنی گانا، بجانا۔ غرض کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں یہ لوگ کمال نہ رکھتے ہوں۔ پھر لڑائی کے فن میں بھی یکتائے زمانہ تھے۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ بچپن ہی سے ہر یونانی لڑکے کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ بڑا ہو کر ایک بہادر سپاہی بنے۔

شروع میں یہ ملک چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم تھا۔ یعنی ہر شہر میں ایک سلطنت قائم تھی۔ ایتھنز میں بھی ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بعد میں وہاں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور چند شریف لوگوں کی ایک جماعت بنائی گئی جو اس شہر کی حکومت چلاتی تھی مگر اس زمانے بھی غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ جب رعایا نے تنگ آکر شکایتیں شروع کیں تو ڈریکو نامی ایک شخص کو حکم ملا کہ وہ سلطنت کے قانون بنائے۔ جب یہ قانون بن گئے تو ہر خاص وعام کے لئے ان کا جاننا بھی لازمی رکھا گیا مگر خطا چھوٹی ہو یا بڑی۔ سزا موت کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اب تو رعایا پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہوئی اور رو رو کر فریادیں کیں۔ اس وقت سولن پر (جو کروسس کے دربار میں گیا تھا) اپنی قوم کی اس بےبسی کا بڑا اثر ہوا اس نے ان کی مدد کا بیڑا اٹھایا۔ اور جماعتی حکومت کو مجبور کر کے ایسے قانون پاس کرائے جن کی رو سے ہر امیر وغریب کے ساتھ انصاف ہو چنانچہ جب سولن اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا تو دس برس کے لئے ایتھنز سے باہر چلا گیا تاکہ لوگ اسے مجبور کر کے پھر کوئی تبدیلی نہ کرالیں۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے اور سہولتیں پیدا کرلیں یعنی ایک اسمبلی بھی بنالی جس میں ہر شہر کے رہنے والے کو رائے دینے کا حق مل گیا، مثلاً

شہر میں ایک مندر بنوانے کی ضرورت ہو یا ایک رقم روپے کی کسی کام میں خرچ کرنا ہے تو ہر شہری کو حق حاصل تھا کہ وہ اسمبلی میں جاکر اس مسئلے کے موافق یا خلاف رائے دے اور اس کی رائے مانی جائے ۔ یہ تدبیر بہت مفید ثابت ہوئی ۔

اگر سچ پوچھا جائے تو ہم لوگوں نے بہت سی مفید باتیں اہل یونان کے قانون سے لی ہیں جن کا استعمال مختلف طریقوں پر آج ہمارے ملکوں میں ہو رہا ہے ، ہاں تو ! شہر کے معاملات طے کرنے کے لئے ہر شہری کی موجودگی اسمبلی میں ضروری تھی اگر اتفاق سے لوگوں کی تعداد کم ہوتی تو سڑکوں اور گلی کوچوں سے آدمی جمع کرنے کے لئے غلام بھیجے جاتے تھے ۔ غرض کئی دن ایسی اسمبلیوں کے اجلاس ہوا کرتے اور لوگ ان میں جمع ہوکر اپنی اپنی رائے دیا کرتے تمہیں تعجب ہوگا کہ ایتھنز کے لوگ اسمبلیوں میں بھی شریک ہوتے مندروں میں پوجا کرنے جاتے تھیٹر دیکھتے ۔ مشاعرہ اور ناچ رنگ کی محفلیں رچاتے ، پڑھتے لکھتے اور کھیلتے ، اور ان تمام باتوں کے ساتھ اپنا کاروبار چلاتے ۔ اتنا وقت انہیں اس لئے مل جاتا تھا کہ اس زمانے میں سیکڑوں باندی اور غلام ہر قسم کے کاموں میں اپنے آقا کا ہاتھ بٹاتے اور بڑی محنت اور وفاداری سے کام کیا کرتے

ایتھنز کے لوگ کھیل کود کے بڑے شوقین تھے بچوں کو چھوٹی عمر سے دوڑنا ، کودنا ، کشتی لڑنا ، اور قسم قسم کے کھیل سکھائے جاتے تھے ۔ جسم کو تندرست اور سڈول رکھنے کا بہت شوق تھا ۔ اس کے لئے طرح طرح کی ورزشیں کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایتھنز شہر میں اولمپک کھیلوں کا زمانہ سب سے زیادہ قابل ذکر ہے اس زمانے میں اگر کوئی جنگ بھی چھڑی ہوتی تو ملتوی کردی جاتی تھی ، یہ کھیلوں کا ایک زبردست مقابلہ ہوا کرتا تھا اور ہر چوتھے برس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا ۔ دور دور سے لوگ آکر اس میں شریک ہوتے ۔ اپنے اپنے کرتب دکھاتے اور داد پاتے ۔ جیتنے والوں کو جنگلی زیتون کی پتیوں کے ہار پیش کئے جاتے اور جب یہ لوگ ان ہاروں کا تحفہ لے کر اپنے اپنے وطن پہنچتے تو ان کی بہت تعریف ہوتی ۔ اور زر و جواہر کے تحفے ملا کرتے ۔

ایتھنز کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے قاعدے بھی بہت عمدہ تھے ۔ دستکاری ، مصوری ، موسیقی ، فنون لطیفہ ، صنعت و حرفت ، محبت و ہمدردی ، وفا و ایثار ، رحم و انصاف یہ سب چیزیں ایک ایتھنز کے لڑکے کی تعلیم میں شامل تھیں ۔ سات برس کی عمر میں لڑکا اسکول بھیجا جاتا اور ایک غلام ہاتھ میں چھڑی لئے اس کے ساتھ جاتا ۔ اسکول میں جب لڑکا سبق پڑھتا تو غلام اس کے پیچھے آلتی پالتی مارے بیٹھا رہتا جہاں لڑکے نے شرارت کی اس نے چھڑی سے پیٹا ۔ شروع میں بچوں کو ایک قسم کی پنسل سے تختی پر لکھنا سکھایا جاتا ۔ اور جب لڑکے اچھی طرح لکھنا سیکھ جاتے تو روشنائی کی اجازت ملتی ، یہ روشنائی ایک قسم کی مچھلی کے روغن سے تیار کی جاتی کتابیں کاغذ کی نہیں بلکہ چمڑے کی (PARCHMENT) معل

کی شکل میں پٹی ہوئی ہوتی تھیں۔ غرض ایتھنز کے لڑکے جب پڑھ لکھ کر جوان ہوتے تو نہایت مہذب، قابل اور جواں مرد ہوتے تھے اور اپنے قوم و ملک کی خدمت کو زندگی کا پہلا فرض سمجھتے تھے۔

جب ہم اس چھوٹے سے شہر ایتھنز اور یونان کے دوسرے شہروں کا حال پڑھتے ہیں تو بڑا تعجب ہوتا ہے بھلا ہزاروں برس پہلے کے صحیح حالات کیوں کر ہمارے سامنے اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ آنکھوں تلے تصویر پھر جاتی ہے۔ لیکن یہ تعجب کی بات نہیں۔ کیوں کہ اس زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگ تھے۔ جنھیں سیر و سیاحت اور ملکوں کے حالات لکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ ان ہی میں سے ایک شخص ہیروڈوٹس نامی گذرا ہے۔ جس نے یونان کی تاریخ دس جلدوں میں لکھی ہے۔ قریب قریب سب باتیں اس کی آنکھوں دیکھی ہیں۔ اس کے علاوہ عمارتوں کے۔ کھنڈر، ٹوٹے پھوٹے مجسمے۔ قسم قسم کی پرانی چیزیں (جو عجائب خانوں میں محفوظ ہیں) بہت کچھ اپنے وقت کا حال دُہراتی ہیں۔

لطیفے

ماں :- کیوں رضیہ تم سب چائے پی گئیں۔ میں نے کہا تھا۔ آدھی پیالی بھائی کو بھی دیدینا

رضیہ :- اماں آپ نے تو آدھی ہی کہی تھی میں نے چار۔ پی کر انھیں پوری پیالی دے دی۔

احمد طارق

ایک شخص سے کچھ جرم سرزد ہوا۔ لوگ اسے پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال صاحب بہت سیاہ فام چہرے تھے۔ انھوں نے حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کر کے شہر میں پھراؤ۔ اس نے یہ حکم سن کر کوتوال سے کہا حضور میرا آدھا منہ کالا کیجئے۔ ورنہ لوگوں کو شک ہوگا۔ کہ یہ کوتوال ہی ہے۔

صراف از جموں۔

ماسٹر :- لڑکو نقشہ دیکھ کر بتاؤ خشکی کہاں کہاں ہے؟

شاگرد :- مجھے تو ہر جگہ خشکی ہی خشکی نظر آ رہی ہے۔

مریم خاتون علی گڑھ

وِلایت پچھی کا بیاہ

از حضرت مرزا سیفی دہلوی

نیچے کی مزے دار کہانی میں نے بچپن میں اپنی دادی صاحبہ مرحومہ مغفورہ کی زبانی سنی تھی جسے آج میں اپنے پیامی بھائیوں کی دلچسپی کے لئے لکھتا ہوں یہ پرانے وقتوں کی بڑی بوڑھی عورتوں کی شاعری کا دلچسپ نمونہ ہے وہ اپنے چھوٹے بچوں کو اکثر لوریاں، کہانیاں اور پہیلیاں خود ہی نظم کر کے سنایا کرتی تھیں۔ ان کی شاعری کسی قاعدے قانون کے اندر نہیں ہوتی تھی بس وہ اپنے شعروں کو گاگا کر موزوں کر لیتی تھیں۔ تم سے یہ شعر ٹھیک سے نہ پڑھے جائیں تو یہی ترکیب تم بھی کرنا۔

اس کہانی میں بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے شعروں میں بہت سے پرندوں کا حال آگیا ہے۔ پرندوں کے علاوہ اور بھی کچھ کچھ جانوروں کے نام تھے۔ مجھے یاد نہ رہے اور خود وہ نام بڑھانے میں اس پرانی زبان کا لطف نہ آتا تھا اس لئے جو کچھ یاد ہیں وہی لکھتا ہوں امید ہے کہ "پیامی بچے" اس چھوٹی سی نظم کو پسند کریں گے اور اس جانی مانی چڑیوں کی برات کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

کہتے ہیں کسی ولایت سے نیا پچھی (پرندہ) آپھنسا تھا۔ یہاں کے جانوروں کو جو وہ پرندہ اچھا معلوم ہوا تو سب نے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں دور دور سے مہمان آکر خوشی خوشی جمع ہوئے مور کو خوب صورتی کے سبب دولہا بنا کر بٹھایا گیا۔ بڑی دھوم دھام سے برات آئی۔ مبارک سلامت کے شادیانے بجنے لگے۔ ایسے میں بدذات کوؤں کو جو شہد پن سوجھا تو خواہ مخواہ اودھم مچانے لگے۔ ادھر کہیں خالہ بلی کو بھی خبر ہو گئی وہ نائن بن کر چپکے سے تماشا دیکھنے آ جمیں ان کا تشریف لانا تھا کہ پرندوں میں یکایک کھلبلی سی پڑ گئی اور دم بھر میں ساری جمی جمائی محفل درہم برہم ہو گئی۔

اچھا اب نظم سنو۔

پاتر[1]، ممولا ناچتی تھی ؛ قمری تال بے تال گاتی تھی

طوطا جو کچھ تو پڑھتا تھا ؛ مینا کا دل مچلتا تھا

مرغابی دیکھنا کون آئی ؛ شیاما بٹیر بھاگی آئی

ہریل تو خوب بولے ؛ تیتر زمین تولے۔

شکرا شکار مارے ؛ بہری نے پر نکالے

کُرّٹا[2] پھرے قصائی ؛ کبوتر نے گریز کھائی

مرغی پہ چیل آئی ؛ پر مار سخت کھائی

بیے نے بنگلہ چھایا ؛ جگنو پکڑ بٹھایا

بنگلے برات لائے ؛ جگنو مشعلچی آئے۔

کونجیں[3] قطار آئیں ؛ پھولوں کے ہار لائیں

آئے جو ہنسا[4] قاضی ؛ دھوں دھوں نقارہ بازی

بس اب مور کو بلاؤ ؛ چلو سرتاج کو بٹھاؤ

بلبل نے گیت گائے ؛ مبارک سلامت آئے

کووں نے غدر مچایا ؛ شہدوں کو پرے بٹھایا

بلی جو نائن آئی ؛ ساری سبھا بھگائی

---

[1] پتّر یا پاتر گانے ناچنے والی طوائف

[2] سنگ

[3] جُرّہ۔ شکرا

[4] ہنس یا بئی رنگ کا پرندہ، ایک قسم کا بط

نادان ظفر

سید احسن صاحب ایم اے

کچھ امتحان میں فیل ہونے کا افسوس اور کچھ گھر والوں کے طعنوں کی بوچھار، میاں ظفر نے کھانا پینا سب چھوڑ دیا تھا اور منہ پھلائے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ جیسے کسی نے چپ کا روزہ رکھ لیا ہو۔ کسی نے پوچھا تو جھڑک کر جواب دے دیا۔

ظفر کی والدہ نے اگرچہ فیل ہونے پر اسے خوب برا بھلا کہا تھا لیکن وہ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ گھر میں سب لوگ تو مزے سے کھائیں اور اس کا بیٹا ظفر بھوکا رہے۔ اتفاق سے اتوار کا دن تھا، باپ گھر میں موجود تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو ماں نے سعیدہ کے ہاتھ بلا بھیجا۔ سعیدہ جوں ہی کمرے میں گھسی اور جیسے ہی غریب کے منہ سے 'کھانے' اور 'اماں' کے لفظ نکلے، میاں ظفر نے اس زور سے ڈانٹا کہ بے چاری اپنا سا منہ لے کر لوٹ آئی۔ اس کے بعد والدہ خود گئیں۔ اور اگرچہ دل میں ممتا کا جوش تھا لیکن ظاہراً طور پر ڈانٹ بتائی۔

"کیا تمہارے کھانا نہ کھانے سے کوئی بڑھ جائے گا؟ چلو اٹھو، منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ۔" اس کی والدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

میں تو کبھی بھی نہ کھاؤں گا۔ آپ لوگوں کا جو جی چاہے۔ مجھے کہئے۔ ظفر نے آہستہ سے جواب دیا۔

ماں نے لاکھ لاکھ کوشش کی لیکن وہاں ایک انکار اور سو انکار۔ آخر تنگ آکر وہ بھی چلی گئیں۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں کہ بچے کو کس طرح کھانا کھلایا جائے واقعہ بھی یہ تھا کہ اس میں ظفر بے چارے کا زیادہ قصور بھی نہ تھا۔ وہ صرف دو نمبروں سے جغرافیے کے امتحان میں رہ گیا تھا۔ لیکن سارے گھر نے غریب کو نکو بنا رکھا تھا وہ صبح سے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کبھی اس کاغذ کو کریدتا کبھی اس کاغذ کو پلٹتا۔ اس طریقے سے وہ اپنا وقت کاٹ رہا تھا۔ برابر والے گھر میں اس کے گھر کے لوگ کھانے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر میں اس نے اپنے باپ کی آواز سنی۔

"ظفر کھانا کھانے نہیں آیا؟"

"وہ کمرے میں خفا بیٹھے ہیں" اس کی چھوٹی بہن سعیدہ نے کہا۔ "ہاں یہ بھی کوئی بات ہے۔ گھر کے سب ہی لوگ تو اسے لعنت ملامت کر رہے ہیں خود بھی جلانے گئی تھی" والدہ نے روٹی دسترخوان پر رکھتے ہوئے کہا "چلو میں کھانے کے بعد اس کے لئے کچھ رکھ چھوڑ دوں گی"

"میرے لئے کچھ رکھ چھوڑیں گی!" ظفر نے اُن کی باتیں سن کر اپنے جی میں کہا "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"

"ظفر چلو ادھر آؤ" اس کے باپ کی آواز آئی۔

"رونا بند کردو۔"

"جی میں رو نہیں رہا۔ میں تو پڑھ رہا ہوں۔" ظفر نے جواب دیا۔

"تم کھانا نہیں کھاؤ گے" باپ نے دریافت کیا

"جی نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔" ظفر نے کہا۔ حالانکہ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں چوہے تو چوہے بلیاں کود رہی تھیں

"جی نہیں۔ ابا جان۔ وہ تو خفا ہیں۔ وہ کھانا کھا کر کیا کریں گے" چپکے سے سعیدہ نے لقمہ دیا

"پھر بولی تو" ظفر نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ڈانٹ بتائی" بڑی آئیں بولنے والی۔"

ظفر کو سعیدہ کے بولنے پر بہت تاؤ آیا۔ باپ کی وجہ سے چپکا ہو رہا۔ ورنہ اس وقت اس کی خوب خبر لیتا۔ اتفاق سے اس کا ہاتھ جیب میں چلا گیا اور ایک پنسل ہاتھ میں آگئی سامنے ہی ایک رسالہ کھلا پڑا تھا جس میں ایک بچی کی تصویر تھی ظفر نے اس کے نیچے لکھ دیا" یہ سعیدہ "پگلی" کی تصویر ہے" اور پھر اس پرچے کو کھول کر بیچ میز پر رکھ دیا تاکہ سب کی نظر اس پر پڑے۔ اس کے خیال میں سعیدہ سے بدلہ لینے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ سعیدہ کی جتنی کتابیں اس کی میز پر تھیں ان سب کو اٹھا کر اس نے فرش پر ڈال دیا۔ اب اس کو سب سے کوفت ہونے لگی تھی۔ جیسے گھر میں اچھی خاصی لڑائی چھڑ گئی ہو۔ اور وہ ایک طرف ہو۔ اور باقی سب لوگ ایک طرف۔

آخر میں ایک ماما آئی اور اس نے کہا۔

"ظفر میاں آپ کو کوئی باہر بلا رہا ہے؟"

"نہیں جاتا میں" اس نے تنک کر جواب دیا۔

"آپ نے کھانا بھی تو نہیں کھایا ہے۔ چلئے کھانا۔۔۔۔۔۔ بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ظفر نے ماما کو بری طرح پھٹکارا۔ وہ غریب بھی واپس چلی گئی۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ لیکن میاں ظفر کے پیٹ میں بھوک اپنا پورا قابو کر چکی تھی۔ اور وہ اپنا پیٹ بھرنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ ایک ترکیب یہ تھی کہ چپکے سے باورچی خانے میں جا کر کھانا کھالیں۔ لیکن ابھی ماما سے جھگڑا مول لے چکے تھے۔

بھوک اب برداشت سے باہر ہونے لگی اور اگر اس مرتبہ والدہ آکر کہتیں تو ممکن تھا کہ میاں ظفر چلے جاتے۔ لیکن ان لوگوں نے بھی بجائے دوبارہ کہنے کے خاموشی اختیار کر لی۔

چھٹی کا دن تھا اس لئے گھر میں کھانے پر دو ایک چیزیں زیادہ تھیں۔ پڑوس میں ایک جگہ سے رساول بھی آئی تھی۔ جس کے لئے بڑھیا بالائی کا انتظام کیا گیا تھا۔ ظفر کو ان چیزوں کی خبر تھی۔ بھوک کی زیادتی کی وجہ سے اب اس نے 'من جانے' کی ٹھان لی تھی۔ دروازے پر کان بھی تھے، اور آنکھیں بھی لگی تھیں کہ دیکھیں اب کون بلانے آتا ہے۔ لیکن اس مرتبہ بجائے کسی آدمی کے گھر کی پلی ہوئی بلی گھس آئی۔ اور ظفر کے پاس آکر کھڑی ہوگئی، اس کی اس بیجا مداخلت پر ظفر کو غصہ آیا بے چاری کے اس زور سے لات رسید کی کہ وہ 'میاؤں' کر کے دور جا کھڑی ہوئی۔

تھوڑی دیر تک وہ اپنے الٹے ہاتھ کی چھنگلی منہ میں دے کر غور کرتا رہا۔ آخر ایک خیال اس کے

دل میں آیا اور اس نے آپ ہی آپ کہا کہ " اب فتح ظفر کی ہے "۔

اس کو یاد آیا کہ ایک دفعہ حمید نے اپنی الجبرے کی کتاب بیچ کر اپنے لئے چاقو خریدا تھا...... اس وقت وہ بھی اپنی پرانی کتابیں بیچ سکتا تھا اور ان پیسوں سے کچھ خرید کر کھا سکتا تھا...... اور کچھ نہیں تو ایک آنے (۱ر) کا دودھ ہی پی لے گا...... گھر والے سمجھیں گے کہ بے چارا ظفر ابھی تک بھوکا ہے ۔ اس نے کچھ نہیں کھایا ہے.......... میرا کیا بگڑے گا

...... اب ان کو اور زیادہ خوشامد کرنا پڑے گی ....یہ سوچ کر وہ اٹھا اور اپنی پرانی کتابوں کی دیکھ بھال شروع کی۔ آخر ایک پتلی سی پرانی کتاب نکالی اور اس کے ورق کھول کر دیکھنا شروع کئے.......... مجھے اس کی ضرورت ہوگی ؟ اس نے سوچا اونہہ.......... اگر ہوبھی تو " ابا جی " کو پھر خریدنا پڑے گی.......... آخر کار اس نے اس کے بیچنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ گھر کے اندر سے ہو کر جانا نہیں چاہتا تھا...... ......سب لوگ اس وقت دالان میں بیٹھے تھے اور اس کو گھومتا دیکھ کر سمجھیں گے کہ اب بھوک لگی ہے۔ تو اٹھ کر آیا ہے کہ کوئی منائے ۔...... وہ چپکے سے اپنے باپ کے غسل خانے میں گھس (اس کا باہر کی طرف کا دروازہ کھول سڑک پر آگیا۔ کتاب کوٹ کے اندر چھپائی اور بازار کا راستہ لیا۔ ابھی گلیوں میں سے تیزی سے گذر رہا تھا کہ جوتے کا تلا نکل گیا.......... یہ بات کبھی اور ہوتی تو میاں ظفر کی ساری مستی غائب ہو جاتی ...... لیکن اس وقت تو وہ اپنے گھر والوں کے خلاف لڑائی پر آمادہ تھے ...... اس لئے سوچا کہ چلو اچھا ہوا اب " ابا جی " کو ایک جوتا بھی خریدنا ہوگا۔ اگرچہ تھوڑی بہت پھٹکار بھی پڑے گی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ بازار پہنچ گیا ، جاڑوں کا زمانہ تھا۔ خوانچے والے آوازیں لگا رہے تھے " چنے گرما گرم " " لے لو بھئی پیسے کی دو کچوریاں " !...... طرح طرح کی مٹھائیاں بک رہی تھیں۔ ایک طرف ایک خوانچے والا اُبلے ہوئے انڈے بیچ رہا تھا۔ ظفر نے ان سب پر ایک نگاہ ڈالی۔ لیکن ابھی اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کیا خریدنا چاہئے۔ اتنے میں وہ ایک کتابوں والے کی دکان پر پہنچ گیا۔ جہاں ایک بڑے میاں عینک لگائے (جو بالکل ناک کی پھننگی پر تھی) اخبار پڑھ رہے تھے۔

" آپ کو کتابوں کی ضرورت ہے " ؟ ظفر نے پوچھا۔

" کونسی کتاب بیچتے ہو ؟ بڑے میاں نے منہ اٹھا کر پوچھا۔

" ایشیا ، افریقہ اور امریکہ ...... بالکل نئی ہے۔ ظفر نے جواب دیا۔

" سوہن لال کی ہے " ؟ بڑے میاں نے دریافت کیا۔

" جی ہاں "۔

اس کی تو میرے پاس بہت جلدیں ہیں۔ البتہ بوسیدہ ، ہوتا تو ابھی لے لیتا " یہ کہہ کر بڑے میاں نے کتاب ظفر کے ہاتھ سے لے لی اور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے

"یہ پرانا ایڈیشن ہے۔ اس کے میں صرف چار آنے دوں گا۔"

"لیکن مجھ سے تو کہا گیا ہے کہ آٹھ آنے میں بھی جائے" بڑے میاں نے کتاب ظفر کی طرف بڑھادی

"یہ تو بالکل نئی کتاب ہے۔ اچھا چھ آنے دے دیجئے۔" ظفر نے کہا۔

بڑے میاں خاموش رہے اور اخبار دیکھنے لگے۔

"اچھی بات ہے۔ لائیے چار آنے ہی دے دیجئے۔" ظفر نے کتاب کو بڑے میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب تم نے قاعدے کی بات کہی ہے" اور یہ کہہ کر اپنی جیب میں سے ایک چونی نکال کر ظفر کو دے دی اور کتاب ایک طرف ڈال دی

"میں آپ کو یورپ بھی لادوں گا" ظفر نے چونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور لانا۔ مگر نئی ہو۔ اور اپنے سب دوستوں سے بھی کہہ دینا کہ وہ اپنی کتابیں میرے پاس لایا کریں۔ میں سب سے زیادہ دام دیتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر ظفر چلا آیا۔

اور اب اس نے خوانچے والوں پر ایک نظر ڈالی۔ سب سے پہلے ایک آنے کی کچوریاں اور دو پیسے کے اُبلے ہوئے چنے خریدے اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگا منہ میں مرچیں، جو لگیں تو سامنے والے حلوائی کی دکان سے ایک آنے کی قلاقند لے کر کھائی ...... یہ سب کھا کر گھر پہنچا تو دیکھا کہ میز پر ایک پلیٹ میں مچھلی کے کباب اور روٹیاں رکھی ہیں۔ ایک پیالے میں دودھ اور رساول ہے مچھلی کے کباب دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا اور اگر اس بات کا یقین ہو جاتا کہ گھر والوں کو یہ یاد نہ ہوگا کہ کتنے کباب رکھے گئے تھے تو فوراً ایک کباب کھا جاتا۔ پھر بھی کبابوں میں نیچے سے تھوڑا تھوڑا سا کاٹ کر کھا لیا۔ اور دودھ کے دو تین گھونٹ چڑھا لئے۔ بالائی کے ایک آدھ ٹکڑے نے لطف دو بالا کر دیا۔ لیکن زیادہ پینے کی ہمت نہ ہوئی۔

"آپ کہاں گئے تھے؟ بھائی جان" سعیدہ نے یکایک آکر پوچھا۔ خیریت گذری کہ ظفر اس وقت تک دودھ کا پیالا میز پر رکھ کر اپنا منہ صاف کر چکا تھا۔

"تم سے مطلب؟ میں تم سے پوچھتا پھرتا ہوں کہ سعیدہ تم کہاں گئی تھیں؟" جاتے ہوئے سعیدہ نے دیکھا کہ میز پر کھانا ویسے کا ویسا رکھا تھا اس نے پلٹ کر کہا "اماں جان کہہ رہی ہیں کہ آپ یہ کھانا کھا لیجئے۔"

میں کچھ نہیں کھاؤں گا ...... میں تو سب سے بُرا ہوں ...... تم سب لائق ہو اور میں نالائق" ظفر نے جواب دیا۔ "آپ کی خوشی" سعیدہ یہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی

اب ظفر کی جیت تھی۔ وہ اپنے گھر والوں پر قابو پا گیا تھا، کچوری، چنے اور مٹھائی کی مدد سے اس نے ان کو شکست دے دی تھی اور ممکن تھا کہ وہ اس طریقے سے بہت دنوں تک کامیاب رہتا۔ لیکن ......

تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کے پیٹ میں درد شروع ہوا اُبلے ہوئے چنے اور دودھ بھی کچھ اپنا کام کر رہے تھے اور پھر میاں ظفر نے مزے دار پاکر دو پیسے کے اورکھانے

تھے، اس پر مرچوں کی زیادتی، کچھ دیر تک تو وہ اس درد کو برداشت کرتا رہا۔ لیکن جب تکلیف زیادہ بڑھنے لگی تو وہ بے چین ہو کر لیٹ گیا اور اپنے تکیے کو دونوں ہاتھوں سے بھینچنے لگا۔

"بڑی تکلیف ہے" وہ کروٹ بدل بدل کر کہہ رہا تھا۔

اور جب درد زیادہ بڑھنے لگا تو وہ چلایا۔ اس کی آواز سن کر گھر کے سب لوگ دوڑے اور اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس کے والد گھر پر موجود نہ تھے۔ وہ عموماً شام کے وقت کلب چلے جایا کرتے تھے۔

اس کی والدہ نے اس کو دیکھا بھالا۔ سعیدہ اس کا سر دبا رہی تھی، بے چاری بلی بھی ایک طرف دم دبائے کھڑی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" اس کی والدہ نے گھبراہٹ میں پوچھا۔ وہ بے چاری ڈریں کہ کہیں صاحب زادے نے کہیں ایسی ویسی چیز تو نہیں کھالی۔

"تم نے کیا کھایا ہے ظفر؟ بولو..... جلدی بتاؤ"

"اماں، اماں جان بڑا درد ہے ارے"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کیا کھایا ہے؟"

"اماں جان میں نے ایشیا، افریقہ اور امریکہ بیچ کر کچھ چنے اور کچوریاں کھائی تھیں..... ارے بڑا درد ہے......"

جلد ہی ایک آدمی کلب دوڑایا گیا اور والدہ اس کے پاس بیٹھ گئیں، سعیدہ بے چاری گھبرائی گھبرائی سی پھر رہی تھی، تھوڑی دیر میں اس کے والد ڈاکٹر کو لے کر آگئے۔ ڈاکٹر نے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر پوچھا

"تم نے آج کیا کھایا ہے۔؟"

"آج تو اس نے کچھ بھی نہیں کھایا" اس کے والد بولے

"نہیں یہ غلط ہے..... بیٹے تم بتاؤ..... کیا کھایا ہے۔ بالکل سچ سچ کہو"

"جی ڈاکٹر صاحب..... میں نے کچوری اور چنے...... ایشیا، امریکہ، افریقہ بیچ کر.....،"

"ارے کیا کہا۔ اس کے والد نے گھبرا کر پوچھا

تھوڑی دیر کے بعد گھر میں خاموشی تھی، میاں ظفر کے پیٹ پر ٹکٹیں بندھی تھی اور پینے کے لئے دوا آئی تھی، بہت کڑوی، اور بد مزہ۔ ماں اور بہن پاس بیٹھی اس کو تسکین دے رہی تھیں۔

فلسطین

از مصطفیٰ رشید صاحب

فلسطین کا ذکر آج کل اخباروں میں برابر آرہا ہے وہاں عربوں اور نئے بسے ہوئے یہودیوں میں جھگڑا ہے اور حکومت یہودیوں کے خلاف عربوں کی اس شورش کو دبانا چاہتی ہے۔

فلسطین بہت تاریخی ملک ہے اس کا ایک شہر بیت المقدس ہزاروں سال سے آباد ہے بڑے بڑے نبی اور پیغمبر یہاں ہو گذرے ہیں۔ یہاں ان کے مزار ہیں یا اُن کی کوئی نہ کوئی نشانی موجود ہے۔ یہودی اور عیسائی اسے اپنا ملک سمجھتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زیارت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں بھی مکّے مدینے کے بعد سب سے مقدس جگہ یہی ہے۔ غرض یہودی عیسائی اور مسلمان سب ہی کے نزدیک یہ شہر اور اس شہر کی وجہ سے یہ علاقہ بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے پہلے یہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ آن حضرتؐ کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کیا لیکن عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی گئی۔ ہر ایک کو آزادی سے رہنے سہنے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کی اجازت تھی کچھ عرصے کے بعد اس پر عیسائیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا جنھوں نے مسلمانوں پر بہت ظلم کئے۔ لیکن غازی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ اسے عیسائیوں سے چھین لیا اور پھر باوجود دشمنوں کی سخت کوشش کے یہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہا۔ بڑی لڑائی سے پہلے یہ ترکوں کی حکومت میں تھا۔ اور بڑی لڑائی میں جب جرمنی اور ترکوں کو فرانس اور انگریزوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو دوسرے علاقوں کی طرح یہ بھی ترکی حکومت کے قبضے سے نکال لیا گیا۔ اور یورپ کی پنچایتی انجمن نے اسے انگریزوں کی نگرانی میں دے دیا۔ لڑائی کے زمانے میں یہاں کے عربوں نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ تو گویا انھیں اپنے انگریز دوستوں کی طرف سے یہ پھل ملا۔ مگر انگریزی حکومت نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ یہودی قوم کو بھی ان پر لا نازل کیا۔ اگر تم نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات پڑھے ہیں تو اس قوم اور اس کی شرارتوں سے بے خبر نہ ہوگے۔ آج تیرہ سو برس ہو گئے اُن کی عادتیں وہی کی وہی ہیں۔ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں دولت مند ہیں۔ مال دار ہیں۔ لیکن اپنی کنجوسی۔ سخت دلی روپے کے لالچ کی وجہ سے ہر جگہ ذلیل و خوار ہیں اور کسی ملک کو اپنا وطن نہیں کہہ سکتے۔ جرمنی کے ہر ہٹلر نے تو انھیں اپنے ملک سے نکال ہی دیا۔ مگر انگریزوں نے ان کی سرپرستی کی اور فلسطین کو وطن بنانے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت ملنے

کی دیر تھی اور ہزاروں لاکھوں یہودی عربوں کے اس علاقے پر ٹوٹ پڑے بستیاں کی بستیاں اور شہر کے شہر قائم ہوگئے اب ان یہودیوں نے آہستہ آہستہ بڑی بڑی قیمتیں دے کر وہاں کی زمینیں عربوں سے خریدنا شروع کیں۔ نیت یہ تھی کہ عرب بالکل بے دخل ہو جائیں اور فلسطین پر اپنا قبضہ ہو جائے ویسے بھی تجارت میں حکومت کے دفتروں میں ہر جگہ یہودی ہی یہودی نظر آنے لگے۔ عربوں نے محسوس کیا کہ تھوڑے دنوں اور یہ حالت رہی تو یہودی پورے ملک پر چھا جائیں گے۔ اور ہماری حالت غلاموں سے بدتر ہو جائے گی۔ چنانچہ بہت دنوں پہلے سے انھوں نے یہودیوں کے اس طرح فلسطین میں آباد ہونے کی مسلسل مخالفت شروع کر دی۔ عربوں کا خاص مطالبہ یہ ہے کہ نئے یہودیوں کا فلسطین میں آنا بند کر دیا جائے اور انگریزوں کی نگرانی ختم کر دی جائے۔ اور جب ان کی بار بار کی مخالفتوں جلسوں اور جلوس کا کوئی اثر نہ ہوا تو انھوں نے خاموش مقابلے یا ترکِ موالات کی ٹھانی اور اعلان کیا کہ جب تک ہمارے مطالبات منظور نہ کئے جائیں گے۔ ہم پورے ملک میں ہڑتال منائیں گے۔ اب انگریزی حکومت بھی اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقابلے پر اُتر آئی ہے۔ ہڑتال کوئی ڈھائی مہینے سے جاری ہے اور انگریزی حکومت غریب عربوں پر سخت ظلم کر رہی ہے ان پر گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔ انھیں قید میں ڈال دیا جاتا ہے اور ان پر بھاری بھاری جرمانے کئے جاتے ہیں۔ ملک میں ہر جگہ فتنہ و فساد ہے۔ تمام علاقے میں انگریزی فوجیں پھیلی ہوئی ہیں۔ روزانہ عربوں اور انگریزی فوجوں میں مقابلہ ہوتا ہے۔ اب تک بے شمار عرب شہید اور سیکڑوں زخمی ہو چکے ہیں۔ یافا فلسطین کا ایک شہر ہے۔ یہاں کی بڑی بڑی پختہ عمارتیں، ڈائنامیٹ سے گرا دی گئی ہیں اور شہر کھنڈر ہو کر رہ گیا ہے۔ آزادی کی اس لڑائی میں مسلمان اور عیسائی دونوں شریک ہیں۔ اور پوری طاقت سے لڑ رہے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کے سامنے بس دو ہی صورتیں ہیں۔ آزادی یا موت!

مختلف ملکوں کے بچے

محمد حسین حسان

سوئیڈن کی اینے

ننھی اینے بہت خوب صورت بچی ہے۔ خوب صورت بال اور نیلی آنکھیں۔ اس کا گھر پہاڑی پر ہے ہے تو پرانے نمونے کا لیکن بہت اچھا بنا ہوا ہے جھیل

سڑکیں کیسی اچھی ہیں دونوں طرف بڑے بڑے درخت بس ہر وقت اُن پر ٹہلا کرو۔ مکان سے ملی ہوئی دونوں طرف اور بھی کئی نیچی نیچی عمارتیں ترتیب اور سلیقے سے بنی
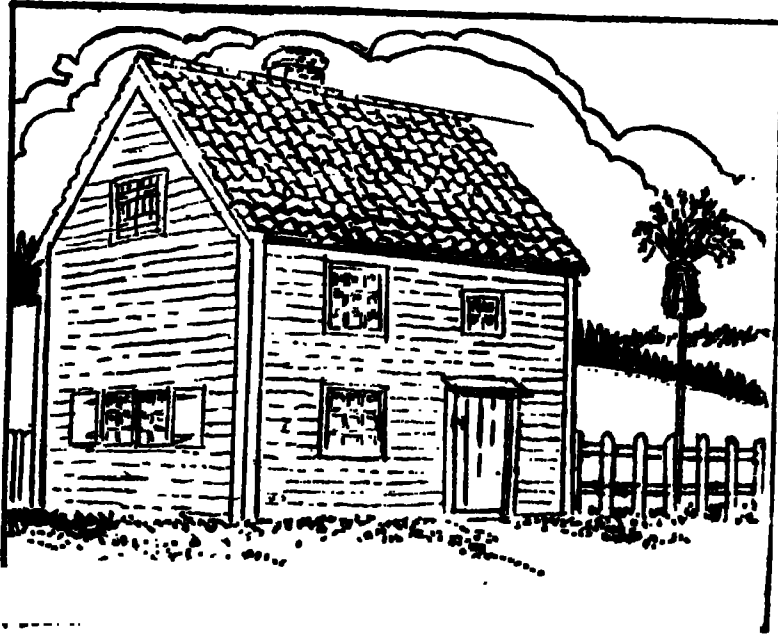
ہیں۔ سوئیڈن میں اکثر دیہاتی گھر اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ یہاں جنگل بہت ہیں۔ لکڑی افراط سے ہے اس لئے مکانوں میں لکڑی ہی زیادہ لگائی جاتی ہے۔ دیکھو تصویر میں ایک دیہاتی گھر ہے اس کی دیواریں لکڑی کی ہیں

علاوہ اس گھر سے بہت صاف نظر آتی ہے۔ یہ اسٹاکہولم سے قریب ہی ہے صرف تین گھنٹے کا راستہ ہے پھر بھی شہر سے بالکل باہر اور دیہات ہے۔

اچھا آؤ ذرا اینے کے گھر تو چلیں۔ بھئی واہ

چھت سُرخ کھپڑوں کی اور چمنی اینٹوں کی۔ بہت اوپر کو ایک کھڑکی ہے۔ یہ اصل میں چھت کے اوپر ایک بخاری سی ہے اور جاڑوں کے زمانے میں سامان رکھنے کے کام آتی ہے۔
اینے اور اس کے ماں باپ کی ضرورت کی سب چیزیں کھیتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ تازہ مچھلی کی خواہش ہو تو ملازم جھیل سے پکڑ لاتا ہے۔ سوکھی مچھلی خود گھر میں موجود رہتی ہے۔

ننھی اینے نے بہت بچپن سے تیرنا سیکھ لیا تھا سویڈن کے سارے ملک میں جھیلوں اور دریاؤں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جدھر دیکھو پانی ہی پانی نظر آتا ہے اس لئے سویڈن میں بچے بہت ننھے پن سے تیرنا نہ سیکھ لیں تو اُن کی ماؤں کو بڑا غم رہتا ہے۔

ننھی اینے دن بھر مزے سے کشتی چلاتی اور تیرتی رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں وہ اپنی ماں کا ہاتھ بھی بٹاتی ہے۔ کبھی کبھی اپنی چچی کے گھر اسٹاکہولم بھی چلی جاتی ہے اس کی چچی ایک بڑی سی عمارت کے ایک حصے میں رہتی ہے۔ اسٹاکہولم میں اکثر لوگ ان ہی مکانوں میں رہتے ہیں یہ باہر سے سادہ اور مضبوط لیکن اندر سے آرام دہ ہوتے ہوتے ہیں۔ ہر گھر کے بیچوں بیچ پتھر کا بڑا سا زینہ، زینے کے پاس ہی کھڑکی کے پیچھے دربان بیٹھا رہتا ہے۔ جو کوئی اینے کی چچی سے ملنے جاتا ہے اُسے دربان والی گھنٹی بجانی پڑتی ہے۔

اینے جاڑے کے موسم میں شہر ہی میں رہنا پسند کرتی ہے۔ یہاں اسے اسکیٹنگ کا موقع ملتا ہے اسکیٹنگ وہ بہت اچھا کرتی ہے۔ اس کا بھائی تو اس سے بھی زیادہ تیز ہے لیکن کرسمس (بڑے دن) کے زمانے میں اسے اپنے گھر ہی میں لطف آتا ہے۔ سویڈن میں کرسمس کا زمانہ پورے سال میں سب سے زیادہ خوشی اور مسرت کا زمانہ ہوتا ہے مسرت و خوشی کی یہ چہل پہل اکثر تین تین ہفتوں تک رہتی ہے پرندے بھی اس خوشی میں شریک کئے جاتے ہیں۔ ہر دیہاتی گھر کے آنگن میں اناج کا پولا بانس گاڑ کر لٹکا دیا جاتا ہے۔ گویا یہ چڑیوں کی دعوت سمجھو۔

اینے اکثر اسکنسین بھی جاتی ہے۔ یہ اسٹاکہولم کے پاس ایک مشہور پارک ہے۔ اس میں طرح طرح کے جنگلی جانور پنجروں میں بند ہیں۔ ان کے علاوہ چند عجیب و غریب مکان ہیں ان میں رہنے والوں کے لباس بھی کچھ عجیب ہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ پرانے زمانے میں سویڈن میں ایسے ہی مکان بنتے تھے اور اسی طرح کا لباس پہنا جاتا تھا اینے کو یہ چیزیں کچھ اجنبی اور دوسرے ہی ملک کی معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ پرانے زمانے کا سویڈن یہی تھا۔ اچھا بتاؤ سویڈن کے سوا دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا باغ ہے۔ جس کے ذریعے ملک مارتے ہیں۔ ہم اگلے وقتوں کی دنیا میں پہنچ جائیں۔ اور پچھلے زمانے کی ایسی جیتی جاگتی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اینے کہتی ہے ان چیزوں کو دیکھ کر اُسے اپنے ملک کی پرانی تاریخ کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

اس باغ میں جاکر وہ پرانے ڈھنگ کی بنی ہوئی گاڑیاں۔ پرانے کرگھے اور ہاتھ کے بنے ہوئے پرچے بہت شوق سے دیکھتی ہے ان سب سے زیادہ اُسے لیپس (ایک قوم جو ملک کے شمالی حصے میں رہتی ہے) کو ان کے خیموں میں دیکھنے کا شوق ہے۔ یہ خیمے کرنچ کے ہوتے

ہیں اور لپول ایک خاص لکڑی کا - لیکن اس کے بجائے
کا شوق ایک قدم اور بھی آگے ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ بہت
دور شمالی لینیڈ جاکر بیچ بیچ کے لپس دیکھے اور خود ان کی زبان
سے اُن کی بہادری کے قصے سنے

یہی کا پہناوا وہی ہے جو انگریزوں یا یورپ کے دوسرے
ملکوں کی بچیوں کا - لیکن وہ پرانے زمانے کا خوب صورت
لباس بھی پہنتی ہے - بالکل اسی طرح کا جس طرح
کا اس نے اسکینسن میں دیکھا تھا - یہ لباس وہ اپنے دیہات
کے گھر میں پہنتی ہے - یا جب کوئی دوسرے ملک کا مہمان
یا دوست آجاتے - یہ لوگ اسے پرانے لباس ہی میں دیکھنا
چاہتے ہیں -

سوئیڈن کا ملک ایسا خوب صورت اور یہاں
کی آب و ہوا ایسی اچھی ہے کہ دوسرے ملکوں کے بہت سے
لوگ گرمیاں گذارنے یہاں آتے ہیں تم پہلے پڑھ چکے ہو
کہ یہاں جھیلوں اور دریاؤں کی افراط ہے - چنانچہ تم
پانی ہی پانی سارے ملک کی سیر کرسکتے ہو خوب صورت
خوب صورت سفید کشتیاں جھیلوں میں پڑی ہیں - ان میں بیٹھ
کر مزے سے جہاں جی چاہے چلے جاؤ - چاہے پرانے
قلعوں یا محلات کی سیر کرو - یا نئی وضع کے خوب صورت
اور شاندار ہوٹلوں کی -

اسٹاکہولم سے بہت ہی آرام دہ اور
خوب صورت گاڑی ہر روز صبح اور شام روانہ
ہوتی ہے - اس میں کھانے اور سونے کے الگ الگ
کمرے ہیں - بس تم اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ -
اور یہ تمھیں ۳۶ گھنٹے میں سوئیڈن کے دوسرے
سرے تک پہنچا دے گی - راستے میں تمھیں عجیب و غریب
منظر دیکھنے کو ملیں گے ، جھیلیں ، دریا جنگل اور
پہاڑ -

مضمون کب بھیجو گے؟

ہم سال گرہ نمبر کے لئے تمھارے مضمون کا انتظار کر رہے ہیں - اس کا خیال رکھنا کہ
مضمون بھیجنے کی آخری مدت ۲۵ ر اگست ہے

اگر تمہیں ڈراما لکھنے کا شوق ہے تو وہ بھی ضرور بھیجو - ایک ایکٹ کا یا زیادہ سے زیادہ
تین ایکٹ کا - مضمون جہاں تک ہوسکے مختصر ہی لکھنا -

"ایڈیٹر"

اتفاق

از جناب عبدالحمید صاحب ترین بی اے

جب میں تمھاری طرح ننھا بچہ تھا۔ تو اماں جان ہمیں پرندوں کی عجیب عجیب باتیں سنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے فرمایا کہ چوہیا کو چڑیا کے بچے بہت بھاتے ہیں۔ مگر چڑیا بھی خوب پہچانتی ہے کہ چوہیا اس کے بچوں کی جان کی دشمن ہے۔ چنانچہ جب کوئی چوہیا چڑیا کے گھونسلے کے پاس چلی جاتی ہے تو وہ اس زور سے چیڑچوں، چیڑ چوں، چوں، چیڑ شروع کر دیتی ہے کہ دُور دُور سے اور چڑیاں اس کی آواز سن کر فوراً اس کی مدد کو آجاتی ہیں اور چونچیں مار مار کر چوہیا کو بھگا دیتی ہیں۔

اماں جان سے چڑیا کی بہادری کی کہانی سنتے ہی میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اپنی آنکھوں سے ایسا واقعہ دیکھنا چاہئے۔ اس لئے میں اکثر چڑیوں کے گھونسلوں تلے کئی کئی گھنٹے اس انتظار میں بیٹھا رہتا کہ کوئی چوہیا بچے کھانے آئے۔ اور میں اس کی گت بنتے دیکھوں۔ مگر کبھی کوئی چوہیا نہ آئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ چوہیا چڑیا سے ڈر گئی ہے اور اس کے بچے کھانے چھوڑ دئے ہیں۔ اس لئے میں ناامید ہو گیا۔ کہ اب میں چڑیا کی بہادری اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔

جب میں جوان ہوا تو ایک بار کسی کام کے لئے مجھے چند روز ایک گاؤں میں ٹھہرنا پڑا مکان کے صحن میں شیشم کا ایک گھنا سا درخت تھا اور ڈیوڑھی میں چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ مجھے دوپہر کے وقت اس کے سائے میں بیٹھ کر چڑیوں کی چوں چیڑچوں، چوں چیڑچوں چیڑ سننے میں بہت مزا آتا اور اکثر اسی طرح آنکھ لگ جاتی۔ ایک روز میں سو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اچانک آنکھ کھل گئی۔ ڈیوڑھی میں چوں چیڑچوں چوں چیڑچوں چیڑ چیڑ کی آواز

پہلے سے بلند معلوم ہوتی تھی۔ بہت سی چڑیاں اِدھر اُدھر سے آ کر ڈیوڑھی میں جمع ہو رہی تھیں۔ چڑ چڑ چوں چوں چڑ چوں چڑ کا شور بڑھتا ہی گیا۔ کچھ دیر تو میں ششدر سا اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر یکایک مجھے اماں جان کی بات یاد آ گئی اور سمجھ گیا کہ ڈیوڑھی میں ضرور کوئی چوہیا چڑیا کے بچے کھانے آئی ہے اور چڑیاں اِدھر اُدھر سے اُڑ اُڑ کر اپنی بہن کی مدد کو آ رہی ہیں مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اب میں اپنی آنکھوں سے چڑیا کی بہادری کا نظارہ دیکھوں گا۔

میں آہستہ سے اُٹھا اور ڈیوڑھی کے دروازے پر جا کر اندر کو جھانکنے لگا۔ بیسیوں چڑیاں ایک موٹی سی چوہیا پر ٹوٹی پڑی تھیں اور چونچیں مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ چوہیا کی آنکھیں زخمی ہو گئی تھیں۔ اور اُسے سجھائی نہ دیتا تھا۔ کبھی وہ فرش پر دوڑتی۔ کبھی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتی۔ مگر چڑیاں چونچیں مار مار کر اسے نیچے گرا دیتی تھیں۔ چڑیوں کی اس بہادری کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اور ایک ڈھیلے سے چوہیا کا کام تمام کر دیا۔ دیکھو ننھی سی جان ہے مگر اتفاق کی قدر و قیمت انسان سے بھی زیادہ جانتی ہے۔

شعبدے

غلام احمد ناصر

بوتل میں انڈا ڈالنا

ایک انڈا ابال لو۔ اور ایک بوتل میں تھوڑا سا کاغذ جلا کر ڈالو۔ بوتل کے اندر روشنی ہو جائے تو بوتل کو اٹھا کر چھیلا ہوا انڈا اس کے منہ کے پاس لے جاؤ۔ انڈا بوتل میں گھس جائے گا۔

جادو کی دیا سلائی

پانی کی بالٹی میں ایک چپٹا کارک تیراؤ۔ اور اس پہ ایک دیا سلائی رکھ کر جلاؤ۔ اب دیا سلائی اور کارک پر ایک گلاس اوندھا کر کے دباؤ تاکہ وہ بالٹی کی تہ تک پہنچ جائے پھر اسے آہستہ آہستہ اوپر اُٹھاؤ۔ اب جو گلاس کو بالٹی میں سے نکالو گے تو دیا سلائی خشک ہی رہیگی۔

جہاز کوئن میری جو اسی سال بن کر تیار ہوا ہے اس پرچہ میں اس پر مضمون بھی ہے -

فلسطین کا ایک مقام اس ملک کے عرب اپنی آزادی کو قائم رکھنے
کے لئے سخت کوشش کر رہے ہیں۔ اس پرچہ میں فلسطین
پر ایک مضمون بھی پڑھو

انڈے میں سے نکلنے سے چند سیکنڈ پہلے بچے کی حالت

سنگ رینی کالریس

از وینکٹ پیرماناچاری جماعت ہشتم کھمم مٹھ۔

سنگ رینی کالریس ریاست حیدرآباد میں ضلع ورنگل کا ایک تعلقہ ہے۔ یہاں کوئلے کی ایک کان ہے۔ اس قصبے کی چہل پہل اسی کان کی وجہ سے قائم ہے۔ ریل کے اسٹیشن سے اس کا فاصلہ کوئی آدھ میل ہوگا۔ اسٹیشن سے ریل کی ایک پٹری کان تک جاتی ہے۔ کوئلہ اس پٹری سے ویگنوں میں بھر کر اسٹیشن پر آتا اور یہاں سے دوسرے مقامات پر جاتا ہے۔ پٹری کے ساتھ پیدل کا راستہ ہے۔

اس کان کو دیکھنے بہت لوگ جاتے ہیں ہم بھی دو چار دوستوں کے ساتھ اسے دیکھنے گئے اسٹیشن پر اُتر کر سیدھے اسی پیدل راستے پر ہولئے۔ کان دیکھنے کے لئے منیجر سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے یہی کام کیا۔ اور پھر کان کی طرف رخ کیا۔ کان کے پاس ہیں دو پنجرے نظر آتے۔ ان میں سے ایک آدمیوں کے لئے ہے دوسرا کوئلوں کے لئے۔ یہ ایک طرح کے لفٹ ہیں جن سے آدمی کان کے اندر آتے جاتے ہیں۔ یہی حال کوئلے کے پنجرے کا ہے۔ اس سے خالی ڈبے کان کے اندر اور بھرے ہوئے اوپر لائے جاتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے خالی ڈبے ان میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ یہ اندر کوئلے سے بھر دئے جاتے ہیں اور پھر اس پنجرے کے ذریعے باہر آجاتے ہیں۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ پنجرے کے پاس ہی ایک کمرہ ہے۔ اس میں مشین ہے۔ اس مشین ہی کے ذریعے یہ پنجرے اندر باہر آتے جاتے ہیں۔ وہ خالی ڈبہ اندر جارہا ہے اور بھرا ہوا اوپر آرہا ہے۔ اب یہ کوئلے کہاں جارہے ہیں یہ ایک مشین کے پاس جاتے ہیں۔ مشین میں ایک چھوٹا ڈبہ رکھا ہے۔ کوئلے کے بڑے بڑے پتھر اس

مشین میں ڈال دیتے ہیں - یہ مشین اس ڈبے کو ایک دوسری مشین میں الٹ دیتی ہے - یہاں اُن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوجاتے ہیں - اور یہ تین گز چوڑی اور ۴۰ گز لمبی نالی سے گذر کر بڑے بڑے ڈبوں یا ویگنوں میں جا گرتے ہیں - یہ ویگن سیدھے اسٹیشن لے جائے جاتے ہیں اور وہاں ریل کے ذریعے دوسرے مقامات پر نالی میں سے کوئلے اس طرح گذرتے ہیں جیسے پانی بہ رہا ہو - نالی کے دونوں طرف دو دو چار چار قدم کے فاصلے پر آدمی کھڑے رہتے ہیں - اور کوئلوں کے بڑے ٹکڑوں کو چن کر باہر رکھتے ہیں تاکہ انھیں دوبارہ مشین میں ڈال کر ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جائیں - پنجرے کے پاس ہی بہت بڑا بوائلر ہے - تمام کلیں اسی سے چلتی ہیں کان میں زمین کھدنے سے جو پانی نکلتا ہے وہ بھی کل ہی کے ذریعے باہر نکالا جاتا ہے افسوس ہے کہ وقت بہت کم رہ گیا تھا کان کے اندر جانے کا موقع بالکل نہ ملا مگر ارادہ ہے کہ دوبارہ اس جگہ کی سیر کریں اور اندر کا حال تمھیں بتائیں -

کان سے تھوڑے فاصلے پر منیجر کے دفتر ہیں ان دفتروں سے ملا ہوا قصبہ ہے چونکہ نیا بسا ہے اس لئے بہت سلیقے اور ترتیب سے آباد کیا گیا ہے صحت اور صفائی کا بہت اچھا انتظام ہے ایک مڈل (وسطانیہ) اسکول بھی ہے مسافروں کے لئے ہوٹل بھی اچھے اچھے بنے ہوئے ہیں - غرض یہ قصبہ بھی دیکھنے کی جگہ ہے -

پیامِ تعلیم کے بزرگ

مشفق بندہ تسلیم - پیام تعلیم کے تین پرچے ملے - مشکور ہوں مجھے تو اس کی نظمیں اور مضامین اور تصاویر سبھی بچوں کے لئے خاص طور پر دلچسپ معلوم ہوتی ہیں - چھوٹو اور موٹو خوب ہیں - ایجادوں کی تاریخ چند لفظوں میں بڑی خوب صورتی سے بیان کر دی گئی ہے سلیقے جن لڑکوں نے بھیجے ہیں ان کے حسن مذاق کی داد دینے کو جی چاہتا ہے اس کی سیاحتی دلچسپی اور بڑھائی جا سکے اور کچھ سوانح عمریاں بھی دی جا سکیں تو پرچہ زیادہ مفید ہو جاوے - "پریم چند"

(بچوں کے لئے)

سائنس کے شعبدے

غلام احمد صاحب ناصر - لاہور

پانی کے ایک پیالے میں چند دیا سلائیاں اس طرح رکھو جیسے سائیکل کے پہیے کی تیلیاں ان کے درمیان صابن کا چھوٹا سا ٹکڑا رکھو۔ تم یہ دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے کہ دیا سلائیاں دور بھاگ جائیں گی۔ گویا انھیں صابن کا کڑوا پن اچھا نہیں لگتا۔

اب ان کے درمیان مصری کا ٹکڑا رکھو۔ یہ پھر آپس میں مل جائیں گی۔ جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ جب تم نے صابن پانی میں ڈالا تھا تو اس کی چکنائی پانی پر چھا گئی اور اس نے دیا سلائیوں کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا۔ جب مصری ڈالی تو وہ گھل کر نیچے بیٹھنے لگی اور دیا سلائیوں کے درمیان میں ایک قسم کا گھراؤ پیدا ہو گیا اور گرد کا پانی اس کی جگہ لینے کو آیا۔ اور ساتھ ہی دیا سلائیوں کو بھی لیتا آیا۔

گستاخ کاغذ

دو ایک جیسی موٹی کتابیں لے کر پاس پاس کھڑی کرو۔ ان کے درمیان کوئی دو انچ کا فاصلہ ہو۔ اب ان پر ایک کاغذ رکھ دو۔ اور کسی دوست سے کہو کہ وہ کاغذ کے نیچ میں پھونک مار کر کاغذ کو گرا دے تم دیکھو گے کہ وہ جتنی پھونکیں مارے گا اتنا ہی کاغذ کتابوں سے چمٹتا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ کاغذ کے نیچے جو خالی جگہ ہے اس میں پھونک ماریں تو ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے مگر اوپر کی طرف سے ہوا کا دباؤ ویسا ہی رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاغذ اڑتا نہیں۔

بوتل میں سے ہوا کا گذرنا

ایک بوتل میز پر کھڑی کرو۔ اور دیا سلائی جلا کر اس کے پیچھے لے جاؤ۔ اب سامنے کی طرف سے ٭ بوتل پر پھونک مارو۔ دیا سلائی بجھ جائے گی اور ایسا معلوم ہو گا گویا پھونک بوتل میں سے گذر کر دیا سلائی کو لگی ہے۔

معلومات

سنڈرلینڈ کے ایک بوڑھے شخص کے پاس ۶۰ سال سے ایک نارنگی ہے جو اب تک خراب نہیں ہوئی البتہ کسی قدر خشک ہوگئی ہے۔ نارنگی پر کسی قسم کا مصالحہ نہیں لگایا گیا ہے۔

فرانس میں ایک مشین ایجاد ہوئی ہے جو الجبرے کے سوال خود بخود حل کرکے صحیح جواب بتادیتی ہے سوال کو صرف مشین کے سامنے آواز سے پڑھنا پڑتا ہے۔

تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ اٹلی کی فوج نے ہوائی جہازوں سے گیس کے بم پھینک کر بے شمار مخلوق کو ہلاک کردیا۔ اب اس کی روک تھام کے لئے ایسی مشین بنائی گئی ہے جو گرد و پیش کی تمام ہوا کو کھینچ کر زہریلے گیس کو جذب کرلیتی ہے اور ہوا کو خوب صاف کردیتی ہے اب ایسی مشین بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جسے ہر شخص خطرے کے وقت اپنے ساتھ رکھ کر زہریلی گیس سے محفوظ رہ سکے گا۔

اصلی موتی نقلی موتیوں سے زیادہ سخت اور چمکیلے ہوتے ہیں۔ ان میں سوئی نہیں چبھ سکتی۔

انگلستان میں سب سے قیمتی جواہر پارہ وہ ہے جو لارڈ میئر لندن (لندن میونسپلٹی کے صدر) کی چھڑی میں لگا ہوا ہے۔ یہ شفاف بلور ہے جو اٹھارہ انچ چوڑا ہے اور سونے سے جڑی ہوئی چھڑی میں لگا ہے جب لندن میں میونسپلٹی کا پہلا جلسہ ہوتا ہے تو میئر خیدمنٹ کے لئے اسے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔

ٹڈیاں ایک وقت میں چھ سو سے آٹھ سو تک انڈے دیتی ہیں۔ ایک سال کے عرصے میں ٹڈی ڈیڑھ لاکھ سے لے کر چار لاکھ بچے دنیا میں چھوڑتی ہے۔

کیکڑے جب تک اُن پر زہر کا اثر نہ ہو یا پانی سے دور نہ کردئے جائیں یا سخت گرمی یا سخت سردی کا موسم نہ ہو۔ مرتے نہیں۔ مرتے وقت یہ دو حصوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔ ایک حصہ ایک جانور کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ پھر اپنی باری باری سے ہر ایک کیکڑا اور دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

امریکہ میں پچھلے سال ڈھائی کرور پونڈ کے اشتہارات اخباروں میں چھپوائے گئے

ایک آدمی ایک منٹ میں ۱۸ مرتبہ سانس لیتا ہے۔

یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹروں نے جراحی کے فن میں غیر معمولی ترقی کرلی ہے۔ یہاں تک کہ چہرے کی بدصورتی بھی جراحی کے ذریعے دور کردی جاتی ہے اور جراحی کے بعد انسان اچھا خاصا خوب صورت آدمی بن جاتا ہے پرانے زمانے میں بھی اس فن نے بہت اچھی ترقی کی تھی کوئی بارہ سو برس کی بات ہے لڑائی کے میدان میں ایک بادشاہ کی ناک کٹ گئی لیکن اس بادشاہ کے جراحوں نے اُسے پھر لگا دیا۔ اسی طرح اب سے کوئی چار سو برس پہلے اٹلی میں ایک ڈاکٹر نے جراحی میں بہت سی ایسی باتیں ایجاد کی تھیں جن کا رواج آج بھی ہے۔ کٹی ہوئی ناک کو ٹھیک کرنے کے لئے یہ ڈاکٹر مریض کا ایک ہاتھ خاص طریقے سے اس کی ناک پر باندھ دیتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ہاتھ کا گوشت اور کھال ناک پر آجاتی تھی۔

امریکہ میں ایک ڈاکٹر نے اپنے یہاں ڈیڑھ ہزار چوہے رکھ چھوڑے ہیں۔ اور ان پر تجربے کرتا رہتا ہے ان تجربوں سے یہ ثابت ہوا ہے کہ سادہ اور معمولی غذائیں کھلانے سے چوہوں کی نشو و نما تیزی سے ہوتی ہے اور وہ زیادہ دنوں تک زندہ رہ سکتے ہیں

مصر میں ایک سو سال کا بوڑھا ایک کم سن لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کی پہلی بیویاں مرچکی ہیں اور اس کے ۲۲ بچے زندہ ہیں۔

خط کتابت

مکرمی تسلیم

جو پیام بھائی معقول قیمتوں پر نئی سو نئی دہلی کے افتتاحی، سلور جبلی، حیدرآباد اور دیسی ریاستوں کے ٹکٹ بیچنا چاہیں تو اس پتے پر خط کتابت کریں۔

محمد حسن۔ بذریعہ صدیق حسن صاحب حاکم خزانہ
حیدرآباد دکن

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

پیام تعلیم سالگرہ نمبر کا اشتہار کل شام میں نے اپنے والد اور والدہ کو پڑھ کر سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اس رسالے کی تعریف کی، اور کہا کہ اس کے مضمون بہت اچھے ہوتے ہیں پھر میں نے اپنے دادا کو دکھایا۔ انھوں نے بھی تعریف کی۔ چھوٹو اور موٹو کی کہانی پڑھ کر بہت خوش ہوئے

خاکسار ذاکر حسین۔ حیدرآباد دکن۔

محترمی تسلیم

آپ نے ۱۰ مئی کے خط میں ٹکٹ بھیجنے کے لئے لکھا تھا۔ مگر آپ نے ابھی تک وعدہ پورا نہیں کیا، اب بھیج دیجئے بدرالدین اور سعید صاحبان سے ٹکٹ منگوا دیں، مشکور رہوں گا

اب میں نے بہت سے ٹکٹ جمع کرلئے ہیں اور بہت مستعدی سے جمع کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے

راقم سعد الخیری، دہلی۔

ٹکٹ بھیج دئے جائیں گے۔ بدرالدین اور سعید صاحبان کا پورا پتہ نہیں لکھا خط کتابت کیسے کی جائے۔

(ایڈیٹر)

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

جولائی کا پرچہ ملا۔ مضمون بہت اچھے اور دلچسپ تھے پنواین اپنے بچپن میں، کروسس، تندرستی کا بادشاہ، عجیب و غریب شعبدے۔ بہت ہی خوب مضامین تھے۔

خاکسار عبدالحمید۔ بہاولپور۔

مکرمی

مجھے پیام تعلیم جتنا پسند ہے اتنا اور کوئی رسالہ پسند نہیں۔ میں خداوند کریم سے اس کی اشاعت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ خدا کرے اس سال کا سالگرہ نمبر پچھلے تمام رسالوں سے بڑھ چڑھ کر نکلے۔ (آمین) انشاءاللہ تعالیٰ سالگرہ نمبر کے لئے کوئی مضمون بھی حاضر خدمت کروں گا۔ فقط

مظہر حسین۔ آگرہ۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

جون کے پرچے میں چھوٹو موٹو کی تصویریں مجھے بہت پسند آئیں۔ اب ماشاءاللہ ہر نیا پرچہ پہلے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ کچھ ہی دنوں میں یہ رسالہ تمام رسالوں

سے بہتر ہو جائے گا۔ (امین)

کچھ عرصے سے میں نے بھی ٹکٹ جمع کرنا شروع کئے ہیں۔ اب بھی جمع کرتا ہوں میرے پاس ریاستوں کے ٹکٹ نہیں ہیں۔ اگر آپ کے پاس حیدرآباد، جے پور کے ٹکٹ ہوں تو بھیج دیجئے۔ جواب کا منتظر

ذکی احمد ہاشمی۔ منگل بازار سندیلہ۔ ہردوئی۔

ہمارے پاس یہ ٹکٹ ختم ہوگئے ہیں۔ آپ کسی سے مبادلہ کر لیجئے۔ (ایڈیٹر)

ایڈیٹر صاحب، تسلیم

مجھے جولائی کے پیام تعلیم کا سخت انتظار تھا آخر مل گیا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور یہ دیکھ کر زیادہ خوشی ہوئی کہ رنگ بھرنے کی تصویر تھی۔ مجھے رنگ بھرنے سے بہت دلچسپی ہے اگر آپ ہمیشہ اسی طرح بھیجئے گا تو مجھے بے انتہا خوشی ہوگی۔ اس سے پیام تعلیم کی زینت بھی بڑھی اور امید ہے کہ دوسرے پیام بھائی اور بہن اس سے دلچسپی لیں گی۔ پیام تعلیم سے صفحے علیحدہ کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی لیکن حسب ارشاد روانہ کر رہی ہوں۔

راقمہ۔ سعیدہ خاتون۔

مکرمی ایڈیٹر صاحب، تسلیم

جو صاحب ہندوستانی اور دیسی ٹکٹ کے بدلے میں باہر کے ٹکٹ سے مبادلہ کرنا چاہیں مجھ سے خط کتابت کریں نیز میں دہلی سے افتتاحی ٹکٹ اور سلور جبلی کے ٹکٹ زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتا ہوں جو صاحب ہیں کے ٹکٹ باسانی دستیاب کر سکتے ہوں (یعنی بلا کسی قیمت) اور ٹکٹوں سے شوق نہ رکھتے ہوں میں اُن کے ٹکٹ خریدنے واسطے تیار ہوں اور میں حیدرآباد کے وہ ٹکٹ جن پر ۱۳۳۵ھ لکھا ہوا ہے۔ بہت کافی تعداد میں خریدنا چاہتا ہوں۔

میرا پتہ اس قدر کافی ہے۔ محمد ابن یامین۔ الہ آباد

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم۔

جون کا رسالہ ملا۔ ماشاء اللہ ہمارا "پیام" حقیقی طور پر "پیام تعلیم" ہوگیا ہے۔ پیام کی خامیاں برابر پوری ہوتی جارہی ہیں۔ خدا کرے جلد وہ دن آئے کہ "پیام" محض "پیام تعلیم" ہو جائے۔ ہمارا پیام قریب قریب تمام ہند میں مقبول ہے جو ذکر سنتا ہے گرویدہ ہو جاتا ہے میں نے رفیع الشان صاحب سے ذکر کیا تو بس وہی گرویدہ ہوگئے۔ رفیع الشان صاحب کے پاس جتنی جلد ہو سکے ایک وی، پی سالانہ چندہ وصول کرنے کے لئے روانہ کر دی جائے ورنہ وہ کہنے لگیں گے کہ بھئی اچھا رسالہ بھجوایا ہے۔

عثمان الرحمن صدیقی۔ سیکری

وی پی بھیج دیا گیا تھا وصول ہو گیا۔ (ایڈیٹر)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ پیام تعلیم دہلی

مئی کا پرچہ ملا۔ میری رائے میں پیام تعلیم پندرہ روزہ کر دیا جائے کیونکہ ایک ماہ تک ٹھہرنا دشوار ہو جاتا ہے اب تو پیام تعلیم کی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے اور یہ اسکی مقبولیت کی دلیل ہے

محمود علی۔ حیدرآباد دکن۔

لطیفے

باپ۔ آج صبح جو کتاب میں پڑھ رہا تھا وہ کہاں ہے؟

بچہ :- ابا جان وہ کتاب میں نے پانی کے ٹب میں رکھ دی۔

باپ :- بے وقوف کہیں کتابیں بھی ٹب میں رکھی جاتی ہیں؟

بچہ :- آپ ہی تو صبح کہہ رہے تھے کہ یہ کتاب بہت خشک ہے

مریم خاتون۔ علی گڑھ

ایک آدمی طالب علم سے :- کیوں جناب آپ کا اسم شریف۔

طالب علم :- (کچھ دیر سوچ کر) جناب ابھی تو ہم نے اسم ظرف ہی پڑھا ہے۔

جمیلہ بیگم

ایک سپاہی کے گھر سے خط آیا دوڑا ہوا منشی کے پاس گیا۔ کارڈ دے کر اس کے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیں۔ منشی نے پوچھا۔ کیوں سپاہی نے کہا یہ خط میرے گھر سے آیا ہے اس میں بُری بھلی باتیں لکھی ہوں گی کہیں آپ سُن نہ لیں۔

احمد علی۔ شملہ

محمود :- (اپنی بیوی سے) دیکھو! احمد ضد کرتا ہے کہ میں گدھے پر چڑھوں گا۔

بیوی :- بچہ ہے ذرا کندھے پر بٹھالو۔ خاموش ہو جائے گا۔

اوم پرکاش

ایک شخص اپنے دوست کے گھر گیا تو اس کو معلوم ہوا۔ دوست گھر پر موجود نہیں ہے۔ اس نے دروازے پر "گدھا" لکھ کر اپنا راستہ لیا۔ اتفاق ہے دوسرے دن دونوں کی ملاقات راستے میں ہوئی

وہ شخص :- کل میں جناب کے گھر گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ملاقات نہ ہو سکی

دوست :- جی ہاں مجھے معلوم ہے۔ اپنے دروازے پر آپ کے دستخط دیکھ چکا ہوں۔

احمد طارق عمر

رجسٹرڈ دہلی نمبر ۱۹۶

۲۹، اکتوبر کا اِنتظار کرو

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کی تیاری ابھی سے شروع ہوگئی ہے۔ جن بچوں نے پچھلے سال کے تاسیس نمبر دیکھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ خاص نمبر ہم کس اہتمام سے نکالتے ہیں پچھلے تاسیس نمبر ۲۵ء کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمیں بادلِ ناخواستہ بچوں کی بے شمار درخواستیں واپس اور اخباروں کے ایجنٹوں کی بہت سی فرمائشیں منسوخ کرنا پڑیں۔ اس سال ہمارا تاسیس نمبر اللہ نے چاہا تو پچھلے سال کے خاص نمبروں سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ اس مرتبہ ہم نے اس کی قیمت ۱۲ رکھی ہے لیکن خریداروں سے اس کی زائد قیمت نہیں لی جائے گی۔ تم یہ نمبر حاصل کرنا چاہتے ہو تو ابھی سے رسالے کے خریدار ہو جاؤ یا عہ کے ٹکٹ بھیج دو۔ اس خاص نمبر میں اشتہار بھی چھپ سکتے ہیں۔ لیکن صرف وہی جو بچوں کی دلچسپی اور [illegible] سے تعلق رکھتے ہوں۔ نرخ نامہ نیچے لکھا جاتا ہے۔ ایجنٹ حضرات کو ابھی سے باخبر رہنا چاہیے

پورا صفحہ	آدھا	چوتھائی
[illegible]	عہ	۸؍

[illegible] اس کے علاوہ ہے

مکتبہ جامعہ دہلی

خدائی تعریف
پیامِ تعلیم
DELHI.

بچوں کے لئے اس مہینے کی نئی کتاب

بیکاری

از محترمہ رقیہ ریحانہ صاحبہ
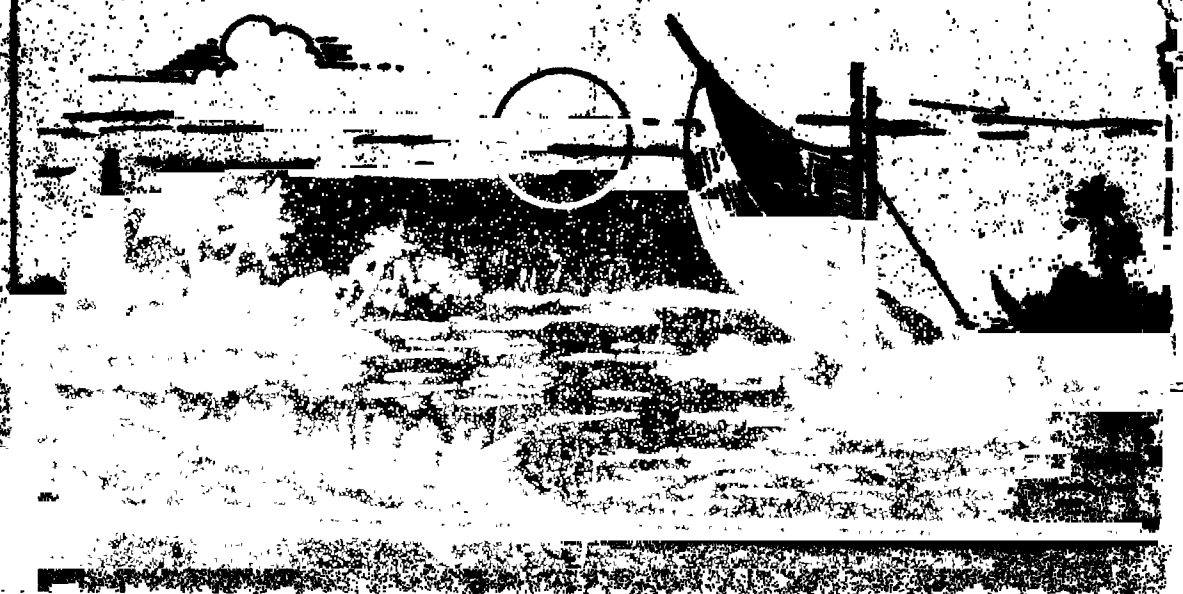
اس کتاب میں دو اچھی اچھی سی کہانیاں ہیں پہلی کہانی میں مینی تال کے مستیا نامی ایک غریب مزدور کا قصہ ہے جو بیکاری کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس قصے کے پڑھنے سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ صبر و ضبط، سچی محبت، خلوص اور بے نیازی کچھ غریبوں ہی کے گھر میں پائی جاتی ہے۔ مستیا کا دل کیسا غنی ہے کہ گھر بھر فاقے سے ہے۔ گانٹھ میں بس دو پیسے ہیں مگر مولوی صاحب کا وعظ سن کر اس پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جھٹ وہ دونوں پیسے گانٹھ سے نکال کر مولوی صاحب کی نذر کر دیتا ہے۔

دوسرے قصے میں ماں کی محبت دکھائی ہے۔ بیٹا اپنی محنت سے ترقی کرکے دہلی میں نوکر ہو گیا ماں ایک قصبے میں رہی بیٹے کو کئی برس تک گھر جانے کا موقع نہیں ملا۔ ماں اس کا برابر انتظار کرتی ہے اور اس امید میں کہ بیٹا اب آئے گا اب آئے گا اس کے لئے نئے نئے کپڑے بنواتی ہے اور دوسرے انتظام کرتی ہے پھر اچانک بیٹے کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ ماں سے ملنے کے لئے چل کھڑا ہوتا ہے ماں بیٹے کی ملاقات، ماں کی محبت اور خلوص بس اس کا لطف کچھ پڑھنے ہی سے آسکتا ہے زبان نہایت آسان۔ پاکیزہ اور دلکش اور انداز بیان بہت دلچسپ۔ قیمت صرف [illegible]

اسی طرح کی دوسری مزے مزے کی دلچسپ کہانیاں بھی مکتبہ جامعہ نے شائع کی ہیں۔ سب بچے انھیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کہانیوں کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں۔ جن بچوں کے پاس یہ کہانیاں نہ ہوں فوراً منگوالیں۔

تاویل خاں (درجہ دوم کے لئے) از محمد حسین حسان صاحب۔ ایڈیٹر "پیام تعلیم" قیمت ۲ر

مرغی اچھیر علی (" ") از محترمہ رقیہ ریحانہ صاحبہ .... " ۲ر

نیت کا پھل (درجہ سوم کے لئے) از مرزا منظور حسین صاحب سیفی دہلوی .... " ۲ر

شمیدلا (" " ") از پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) ... " ۳ر

شہزادی گلنار (درجہ چہارم کے لئے) از پروفیسر محمد عطاء اللہ صاحب ایم اے [illegible]

[illegible] جب ایک روپے سے کم کی کتابیں منگانا ہوں تو بجائے وی پی سے منگانے کے ٹکٹ بھیج دو اس کے ساتھ [illegible] ایک روپے سے زیادہ کی کتابیں بھی تم منی آرڈر بھیج کر منگا سکتے ہو۔ وی پی سے خرچ زیادہ پڑ جاتا ہے۔ پیام تعلیم کے خریداروں کو [illegible] لیکن خط میں نمبر خریداری اور اس اعلان کا حوالہ ضروری ہے۔

مکتبہ جامعہ دہلی
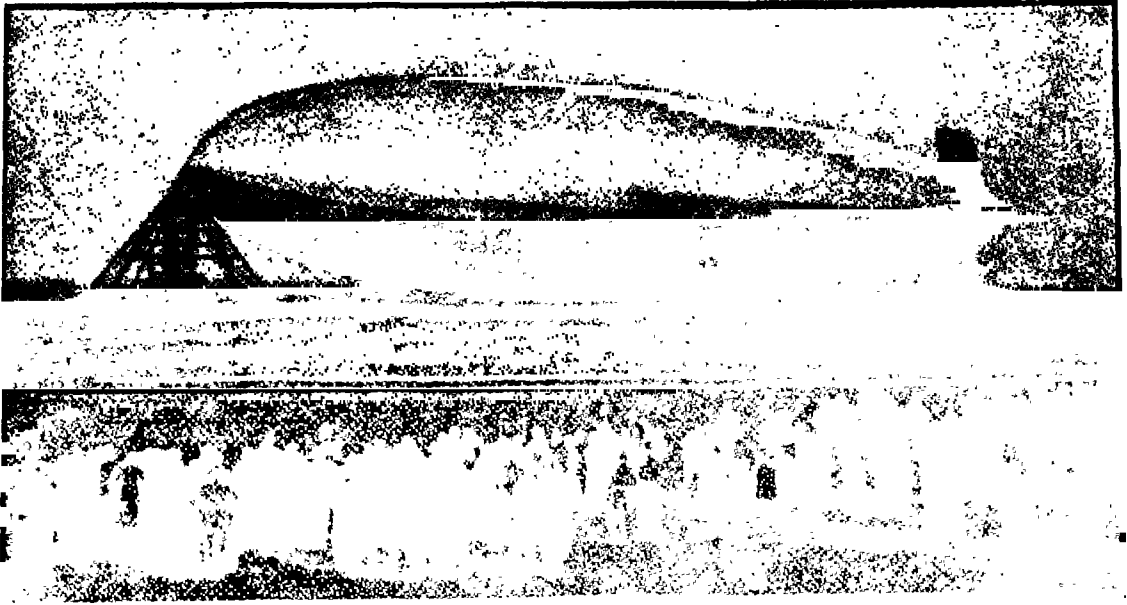
دنیا کا سب سے بڑا غبارہ ہنڈن برگ۔ یہ عنقریب ہندوستان آنے والا تھا مگر کسی وجہ سے اس کا آنا ملتوی ہوگیا ہے۔ اس پرچے میں اس کے متعلق ایک مضمون بھی ہے۔

بن مانس اپنا بچہ چڑیا گھر کے نگہبان کے سپرد کر رہا ہے

پیام تعلیم

دہلی

جلد ۱۸ — سنہ ۳۶ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان ندوی جامعی - پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب - جامعہ پریس

بچوں کی باتیں

سالگرہ نمبر کے انعامی مقابلے میں بہت سے بچوں نے مضمون بھیجے ہیں۔ ہم اس کی تاریخ میں دس روز اور بڑھا دیتے ہیں۔ یعنی بچے دس ستمبر تک مضمون بھیج سکتے ہیں۔ سائنس کے شعبے اور معمے ابھی بچوں نے نہیں بھیجے ہیں

لطیفوں کے انعامی مقابلے میں بچوں کی دلچسپی برابر بڑھتی جاتی ہے۔ اس مرتبہ ان بچوں نے لطیفے بھیجے (۱) محمد فصاحت تھانہ ناگھوئی (۲) محمد عمران فتح گڑھ (۳) صلاح الدین خان لدھیانہ (۴) قدیر احمد خاں ٹروائن۔ (۵) محمد اسحاق پشاوری (۶) ابن الحسن رڑکی (۷) سید محمد ابوالقاسم شمسی گیا (۸) سید صبغت اللہ فاطمی شملہ (۹) عبدالاحد خاں (۱۰) ط، ب چھپرامئو (۱۱) ظہیرالدین ہاشمی (۱۲) قدسیہ بیگم (۱۳) فضل الرحمٰن خاں علی گڑھ (۱۴) شوکت بخش خانیوال (۱۵) محمد ابراہیم گلبرگہ (۱۶) رضیہ خاتون امراؤتی (۱۷) سید محمد ثقلین نگینہ (۱۸) محمد عبدالعظیم ونگل۔ (۱۹) زہرہ خاتون (۲۰) نام نہیں لکھا (۲۱) امان اللہ خاں بھوپال۔

ان میں سے جن بچوں کے لطیفے چھپنے کے قابل سمجھے گئے وہ دوسری جگہ شائع کئے جا رہے ہیں۔ جو رہ جائیں گے وہ دوسرے پرچے میں شائع کئے جائیں گے۔ اور انعام انہیں بھیج دیا جائے گا۔

اب کی صرف چار بچوں نے موٹو چھوٹو ملے کی کہانی لکھ کر بھیجی ہے نام یہ ہیں۔ سید ذکی احمد ہاشمی (۱) م، ح بارہ بنکی (۲) محمد عمران فتح گڑھ (۳) احمد حسن بارہ بنکی۔ ان میں ذکی احمد کی کہانی سب سے بہتر ہے۔ م، ح بارہ بنکی کا نمبر دوسرا ہے۔

پیام تعلیم کے ٹائٹل کے انعامی مقابلے میں ۸ بچوں نے حصہ لیا ان میں تین بچوں نے ٹائٹل پر نام نہیں لکھے۔ پانچ کے نام یہ ہیں (۱) ایم اے ولی (۲) یوسف علی خاں اسد پربھنی (۳) منظر حسین صدیقی آگرہ (۴) صلاح الدین خاں لدھیانہ (۵) سید محمد ثقلین نگینہ۔ ایم اے ولی مقابلے میں اول۔ یوسف علی اسد دوم اور منظر حسین صدیقی سوم آئے جن بچوں کے نام باوجود تلاش کے نہیں مل سکے ہیں وہ اپنے نام بھیج دیں اگلے پرچے میں شائع کردئے جائیں گے۔ ان میں سے ایک بچے کو چند لوگوں نے انعام دینا بھی منظور کیا ہے

موٹو چھوٹو نمبر۲ پر دو مضمون محمد عمران فتح گڑھ اور م، ح بارہ بنکی کے اور آئے ہیں کچھ بہتر ہیں لیکن ان پر انعام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ وقت کے بعد آئے ہیں۔ ایک لڑکے ذکی احمد نے کہانی دوبارہ لکھ کر بھیجی ہے

فیروز سہراب اور صدیقۃ النسا کے انعامات بہت دنوں سے ہمارے پاس رکھے ہیں۔ یہ دونوں اپنے پتے بھیج کر انعامات منگوالیں۔

خدا کی تعریف

از حضرت درد کاکوروی

برکت والا اللہ ہے ⁂ عزت والا اللہ ہے
باپ اور ماں کے پیار سے بڑھ کر ⁂ شفقت والا اللہ ہے
دینے والا سب کو روزی ⁂ خلقت والا اللہ ہے
اپنی حاجت اس سے چاہو ⁂ چاہت والا اللہ ہے
پاس ہیں اس کے غیبی خزانے ⁂ وسعت والا اللہ ہے
ہم سب اس کے ہیں محتاج ⁂ دولت والا اللہ ہے
سننے والا سب کی دعائیں ⁂ منت والا اللہ ہے
جاننے والا دیکھنے والا ⁂ رفعت والا اللہ ہے
ساری دنیا ہے کم زور ⁂ قوت والا اللہ ہے
جس کو چاہے دیدے حکومت ⁂ طاقت والا اللہ ہے
اس کا نبی ہے رحمت والا ⁂ رافت والا اللہ ہے
کیسے بنائے چاند ستارے ⁂ زینت والا اللہ ہے
صنعت والا قدرت والا ⁂ سطوت والا اللہ ہے
اس نے بنائیں کیا کیا چیزیں ⁂ حکمت والا اللہ ہے
پاک ہے بے عیب اس کی ذات ⁂ نزہت والا اللہ ہے
سب میں بڑھ کر سب سے بڑھ کر ⁂ عظمت والا اللہ ہے

میرے دل کا درد سہارا
راحت والا اللہ ہے

اسپین

محمد حسین حسان

آج کل اسپین میں زبردست بغاوت پھیلی ہوئی ہے۔ روزانہ حکومت اور باغیوں میں مقابلے کی خبریں آرہی ہیں

اسپین کا دوسرا نام اندلس بھی ہے ۔ یہ نام مسلمانوں کا رکھا ہوا ہے تمھیں شاید معلوم ہو کہ مسلمانوں نے یہاں سینکڑوں برس تک شان دار حکومت کی تھی۔ پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمان فاتحوں کا رُخ ادھر ہو گیا تھا پہلے تو انھوں نے مغربی افریقہ کا علاقہ فتح کیا۔ پھر اسپین۔ یہاں تک کہ سسلی (صقلیہ) تک پہنچ گئے۔ حضرت عقبہ بن نافع رضؓ، حسان بن نعمانؒ، موسٰی بن نصیرؒ، طارق بن زیادؒ اور دوسرے مسلمان فاتحوں نے یہ پورا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا مسلمان بادشاہوں اور امیروں نے یہاں آبادیاں بسائیں۔ محل تعمیر کئے قلعے بنائے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس ملک کو گلزار بنا دیا ہر طرف سرسبزی و شادابی امن و اماں اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا اور علم و ادب کے چرچے۔ لیکن کچھ ایسی صورتیں پیش آئیں کہ مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آگیا۔ اور عیسائیوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ یہ عیسائی بہت متعصب تھے انھوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کئے۔ انھیں بے تحاشا قتل کیا۔ اُن کے بڑے بڑے محل اور خوب صورت مسجدیں برباد کیں اور بچے کھچے مسلمانوں کو بڑی ذلت کے ساتھ زبردستی ملک سے نکال دیا۔ اب اسپین میں مسلمانوں کی چند مٹی مٹائی یادگاریں رہ گئی ہیں ان میں الحمرا کا قصر کچھ اچھی حالت میں ہے اور مسلمانوں کے پرعظمت کارناموں کی یاد دلاتا ہے۔

عیسائی بادشاہوں نے شروع شروع میں تو بہت ترقی کی یورپ کے بہت سے علاقے اُن کے قبضے میں آگئے۔ نئی دنیا یعنی امریکا بھی اُن ہی کی سرپرستی میں کولمبس نے دریافت کی۔ اُن کا بحری بیڑہ بہت زبردست تھا۔ تمام ملکوں کے

بادشاہ اس سے گھبراتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُن کی سلطنت میں زوال آنے لگا۔ حکومت کم زور پڑ گئی ان کے علاقے دوسری قوموں نے چھین لئے خود ملک کے اندر رعایا کی حالت بہتر نہ تھی۔ اسپین میں ہندوستان کی طرح کسانوں کی آبادی زیادہ ہے اور یہ کسان دن پر دن خستہ حال اور تباہ ہوتے جا رہے تھے حکومت میں بادشاہ کے علاوہ، امیروں جاگیرداروں، زمینداروں اور مذہبی پیشواؤں کا عمل دخل تھا اور وہ رعایا کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا کوئی موقع نہ دیتے تھے۔ اسی لئے یورپ میں اسپین بہت کم درجے کی حکومت سمجھی جانے لگی اب تک یورپ کی دوسری طاقتوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں)۔

کوئی ستر اسی سال پہلے یہاں کے لوگوں میں زندگی اور بیداری کی علامتیں پیدا ہوئیں اور انھوں نے جمہوری حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ کچھ کامیابی بھی ہو چلی تھی اور اب سے کوئی چونسٹھ برس پہلے جمہوری حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مگر اس کی عمر بہت تھوڑی تھی صرف ۲۲ مہینے ملک کے امیروں، مذہبی پیشواؤں اور فوج کی مخالفت نے پہلے ہی وار میں اسے ختم کر دیا کوئی پچاس پچپن سال تک انھوں نے رعایا کی کوششوں کو پنپنے نہ دیا۔ لیکن لوگوں میں بیداری کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ ترقی کر رہا تھا۔ آخر ۱۹۳۱ء میں وہ یادگار انقلاب ہوا جس میں اسپین کے بادشاہ الفانسو کو تخت و تاج چھوڑ دینا پڑا اور حکومت پر جمہوریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس وقت ملک میں تین جماعتیں تھیں۔ ایک بادشاہ کی حامی، دوسری جمہوریت پسند، تیسری انتہا پسند۔ انتہا پسند جماعت چاہتی تھی کہ امیروں مذہبی پیشواؤں، اور فوج کو حکومت میں ذرا دخل نہ ہو۔ بلکہ یہ خالص مزدوروں اور کسانوں کی حکومت ہو جمہوریت پسند اتنا بڑا قدم اُٹھانے سے ہچکچاتے تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ تبدیلی آہستہ آہستہ ہو۔ اور انھوں نے اسی ڈھنگ کی حکومت قائم بھی کی۔ پھر بھی انتہا پسندوں کے اثر کی وجہ سے امیروں، پادریوں اور فوج کے اقتدار اور طاقت میں بہت کمی آ گئی، لیکن خود جمہوریت پسندوں اور انتہا پسندوں

میں بہت اختلاف پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے ان دونوں کی ملی جلی حکومت کو استعفیٰ دینا پڑا، اور دوبارہ انتخاب ہوئے۔ اس مرتبہ بادشاہ پسندوں نے پھر سر اُٹھایا اور ان ہی کی جماعت کو انتخاب میں کامیابی ہوئی۔ انھوں نے ملک کو پھر پہلی حالت پر لانا چاہا۔ جمہوری حکومت نے جو اچھی اچھی اصلاحیں کی تھیں، انھیں تباہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ ادھر ملک میں مسولینی کی فاشستی تحریک ملک بھر میں جاری کی گئی اس نے حکومت کی مدد کی وجہ سے بہت ترقی کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریت پسندوں اور انتہا پسندوں پر خوب ظلم کئے گئے اور انھیں جیلوں میں بھرا جانے لگا۔ یہ دیکھ کر ان دونوں جماعتوں میں پھر میل ہوگیا اور دونوں نے مل کر فروری ۱۹۳۶ء میں دوبارہ حکومت پر قبضہ کرلیا اس حکومت نے مسولینی والی فاشستی تحریک کو دبانا چاہا۔ لیکن مسولینی کی تحریک نے اس عرصے میں بہت طاقت پکڑلی تھی۔ اب بادشاہت کے حامیوں اور فاشستیوں نے مل کر پوری قوت سے جمہوری حکومت کا مقابلہ شروع کیا اور تمام ملک میں بغاوت کی صورت پیدا ہوگئی،

اب حالت یہ ہے کہ حکومت اور باغیوں کے درمیان بہت سخت مقابلہ ہے لڑائی باقاعدہ فوجوں کے ساتھ ہورہی ہے۔ ہتھیاروں، گولی بارود اور بموں کا استعمال بہت آزادی سے کیا جارہا ہے کبھی ادھر پلہ بھاری ہوجاتا ہے۔ کبھی اُدھر۔ اب تک ہزاروں جانیں ضائع ہوچکی ہیں۔ دیکھئے نتیجہ کیا نکلتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ سنا ہے کہ مسولینی اور جرمنی کی حکومت باغیوں کی چوری چھپے مدد کررہی ہے دوسری طرف جمہوری حکومت کی مدد کے لئے روس کے مزدور بہت سا روپیہ بھیج رہے ہیں۔

از احسن علی خاں۔ دہلی

لکھنؤ میں ایک باغ ہے بنارسی باغ، اس میں مختلف جانوروں کی بہت بڑی آبادی بسائی گئی ہے۔ طرح طرح کے اور ملکوں ملکوں کے درندے، چوپائے، پرند اور پانی کے جانوَر

اس عجائب خانے میں موجود ہیں۔ بھلا اس آبادی میں بی گلہری کو کون پوچھتا ہے۔ مگر تم جانو یہ بھی اپنے کو پانچویں سواروں میں سمجھتی ہیں۔ بس بلا پوچھے گچھے باغ میں پہنچ گئیں۔ ایک پیڑ کے نیچے ڈیرے ڈال دئے اور مزے سے رہنے سہنے لگیں۔

ایک دن چوہے میاں اُن کے یہاں آنکلے بی گلہری نے محبت سے انھیں بٹھایا اور خاطر تواضع کی۔ چوہے میاں نے پوچھا۔ کہو بی گلہری تمھیں بھی یہ نیا گھر پسند ہے۔

بی گلہری۔ ہاں ہاں کیوں نہیں ذرا دیر بیٹھو تو یہاں کا حال سنائیں۔

چوہے میاں۔ ضرور ضرور میں بڑے شوق سے سنوں گا۔

بی گلہری۔ بستی یہاں آکر میری زندگی بڑے مزے سے کٹ رہی ہے۔ آدمی خصوصاً ننھے منھے آدمی جنھیں بچہ کہتے ہیں روز

اگر مجھے اخروٹ کی گری کھلاتے ہیں جانے نہیں کس نے بتا دیا ہے کہ مجھے اخروٹ پسند ہے۔ شاید وہ بھی اسے بہت پسند کرتے ہیں مجھے جونہی دیکھ پاتے ہیں مارے خوشی کے خوب چیختے چلاتے اور شور مچاتے ہیں سچ جانو بڑے ہی اچھے بچے ہیں۔ مجھے ذرا تکلیف نہیں پہنچاتے۔ میں جب خوب کھا پی کر نچنت ہو جاتی ہوں۔ تو بس درخت

عجائب خانے کے پاس ہی رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بس چھوٹی چھوٹی چٹانوں پر پہاڑی بکرے چڑھتے اُترتے ہوں۔ بھورے بھورے بندر اچھل کود رہے ہوں۔ ہرن بھی مجھے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ شام کے وقت میں اپنے درخت کے سوراخ میں چلی جاتی ہوں اور مزے سے سو جاتی ہوں اچھا سچ بتاؤ تمھیں یہ زندگی پسند ہے؟

پر چڑھ اِس شاخ سے اُس شاخ۔ اِس شاخ سے اِس شاخ کودتی پھرتی ہوں اوپر سے مرغابیاں اور طرح طرح کی خوبصورت مچھلیاں پانی میں تیرتی بھلی معلوم ہوتی ہیں بچے انھیں بھی بہت شوق سے کھلاتے ہیں مگر انھیں روٹی کے ٹکڑے ڈالتے ہیں مجھے

چوہے میاں۔ کیوں نہیں جب میں خوب بڑا بڑا ہو جاؤں گا اور تمھاری طرح اچھلنے کودنے کے قابل ہو جاؤں گا تو مجھے بھی یہیں، رہنے میں مزا آئے گا۔

دنیا کا سب سے بڑا ہوائی جہاز

"ہنڈن برگ"

از مصطفیٰ ارشید

پچھلے پرچے میں تم پانی کے سب سے بڑے جہاز کوئن میری کا حال پڑھ چکے ہو۔ اب ایک اور دنیا کا سب سے بڑا جہاز تیار ہوا ہے مگر یہ ہوا میں تیرتا ہے اور جرمنی میں بنا ہے۔ جرمنی والے اس سے پہلے بھی ایک بہت ہی بڑا جہاز گراف زیپلن کے نام سے بنا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آر ۱۰۰، آر ۱۰۱ ایکرن اور میکن کے نام سے بڑے بڑے ہوائی جہاز یورپ میں تیار ہو چکے ہیں مگر ہنڈن برگ ان سب سے بڑا ہے اس کا دوسرا نام ایل زیڈ ۱۲۹ بھی ہے

ہنڈن برگ ۹۷۲ فٹ لمبا ہے اور اس کا قطر کوئی ۱۶۲ فٹ ہے۔ شکل لمبوترے تربوز کی سی، وزن تین ہزار اسی من (۳۰۸۰) اور اسباب گیس ۵۰ مسافروں اور ۴۰ ملازموں سمیت تین ہزار تین سو ساٹھ (۳۳۶۰) من۔ اس میں گیس اور مسافروں کے لئے ستر لاکھ ترسیٹھ ہزار مکعب فٹ جگہ ہے یوں سمجھو کہ گراف زیپلن سے دوگنا گیس اس میں سماتا ہے اس میں چار ہزار دوسو گھوڑوں کی طاقت کے چار انجن لگے ہیں۔ اور گراف زیپلن میں صرف پچیس سو گھوڑوں کی طاقت کے۔ اس کی رفتار کا اندازہ ۸۴ میل فی گھنٹہ ہے۔ پانی کے جہازوں میں "کوئن میری" اور نارمنڈی وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔ یہ رفتار گراف زیپلن سے بھی دس میل زیادہ ہے اس کے پٹرول کے تالاب میں اکہتّر ٹن پٹرول ایک دفعہ میں بھرا جا سکتا ہے اور یہ آٹھ ہزار ساڑھے سات سو میل کے سفر کے لئے کافی ہوگا۔ یوں سمجھو کہ اگر یہ جہاز خط استوا پر تمام دنیا کا چکر لگائے تو کے

پٹرول بھرنے کے لئے صرف دو بار رکنا پڑے گا۔ اسی میل فی گھنٹے کی رفتار سے اس میں کوئی تیرہ دن لگیں گے۔ اس جہاز میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے پنکھے چلتے چلتے بند ہو جائیں تو یہ ہوا میں اسی طرح تیرتا رہے گا۔ جیسے پانی کا جہاز سمندر میں۔

اس میں مسافروں کے لئے ہر طرح کی ضرورت اور آرام و آسائش کا بندوبست کیا گیا ہے جہاز میں ان کے لئے دو تختے ہیں اوپر کے تختے پر بہت بڑا ہوٹل ہے سیرگاہ ہے۔ لکھنے پڑھنے کا کمرہ ہے اور چلنے پھرنے کے لئے کھلی ہوئی جگہ ہے۔ کھانے کے کمرے میں ایک وقت میں پچاس آدمی کھانا کھا سکتے ہیں اس کمرے میں کھڑکیاں بھی ہیں جن سے اگر چاہیں تو باہر کی دنیا کو بھی جھانک کر دیکھ سکتے ہیں

ایک خاص بات یہ ہے کہ سگرٹ پینے کے لئے ایک علیحدہ کمرہ بنایا گیا ہے۔ اس کا فرش ایسے مسالے کا ہے کہ اس پر آگ کا اثر نہیں ہوتا دروازہ صرف ایک ہی رکھا گیا ہے۔ وہ بھی باہر کی طرف تاکہ تمباکو کی بو اور دھواں دوسرے کمروں تک نہ پہنچے۔ سگرٹ یا سگار راکھ دان میں آپ ہی آپ بجھ جاتا ہے۔ سوڈا اور لیمونیڈ پینے کے لئے بھی ایک علیحدہ کمرہ ہے۔ نیچے والے تختوں میں غسل خانے ہیں اور ایک باورچی خانہ جس میں کھانا بجلی کے ذریعے پکتا ہے۔ پانی کے جہازوں میں جو کھیل کھیلے جاتے ہیں اُن کا بھی اس جہاز پر انتظام کیا گیا ہے۔ ایک قیمتی پیانو مسافروں کا دل بہلانے کے لئے رکھا گیا ہے۔

مسافروں کے رہنے کے لئے کل پچیس کمرے ہیں۔ ہر کمرے میں دو آدمی بہت فراغت اور آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اِن کمروں میں آرام کے ساتھ نفاست کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ گرم اور سرد پانی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ دیواروں پر ریشمی کپڑے لگے ہیں۔ نقشے اور اُن جگہوں کی خوبصورت تصویریں بنی ہیں جہاں سے ہو کر جہاز گذرتا ہے کمروں کو گرم رکھنے کے لئے تمام میزوں کے پائے کھوکھلے رکھے گئے ہیں اور اُن میں گرم ہوا بھر دی گئی ہے۔

یہ جہاز مارچ سنہ ۳۶ء میں پہلی مرتبہ تجربے کے طور پر اُڑایا گیا اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ اس میں

کوئی خرابی نہیں ہے تو دور دور کے چکر کاٹنے لگا ۱۲ مارچ کو یہ انگلستان گیا۔ پھر سمندر پار کر کے جنوبی امریکا اور شمالی امریکا۔ جہاں جہاں یہ گیا لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے اس نے ساڑھے ساٹھ (۶۰½) گھنٹوں میں تین ہزار آٹھ سو پچانوے میل سفر طے کیا یعنی کوئی ۶۴½ میل فی گھنٹہ، غالباً آہستہ آہستہ اس کی رفتار بڑھائی جائے گی اور ۸۰ میل فی گھنٹہ کر دی جائے گی۔

اکتوبر میں یہ ہندوستان بھی آئے گا۔ کراچی کے ہوائی اسٹیشن پر اترے گا اور یہاں سے چین و جاپان کی طرف چلا جائے گا۔ بہت دن ہوتے کراچی کے ہوائی اسٹیشن میں آر ۱۰۱ کو ٹھہرانے کے لئے لوہے کا بہت بڑا مینار بنایا گیا تھا۔ اب ہنڈن برگ کے اترنے کے لئے اس مینار کی پھر سے مرمت کی گئی ہے یہ جہاز جرمنی کے نئے ہوائی اسٹیشن فرنکفرٹ سے روانہ ہوگا اور قاہرہ میں ٹھہرتا ہوا ہندوستان پہنچے گا۔ رات دن اڑے گا۔ اور تین دن میں اس کا سفر ختم ہو جائے گا۔

ہنڈن برگ جب فرنکفرٹ کے اسٹیشن پر پہنچے اترتا ہے تو ہزاروں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اس کے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے آس پاس کھڑے ہوئے لوگ اس کے مقابلے میں چیونٹی کی طرح نظر آتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ اس کے بنانے والے اسی طرح کا اور اتنا ہی بڑا ایک اور ہوائی جہاز بڑی تیزی سے بنا رہے ہیں اگر ہوائی جہاز اتنی ہی تیزی سے ترقی کرتے رہے تو کوئی عجب نہیں جو کچھ دنوں بعد پانی کے جہازوں کی ان کے مقابلے میں کوئی حقیقت ہی نہ رہے اور سب لوگ ان ہی کے ذریعے دور دور کا سفر کیا کریں۔

(انگریزی اور اردو اخباروں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا)

عقلمند لڑکا

از جناب سید شمیم صاحب جامعی

کسی زمانے کا قصہ ہے کہ ایک راجہ، اس کا وزیر اور سپہ سالار فوج کے ساتھ ایک گاؤں کے پاس سے گذر رہے تھے۔ گاؤں کے باہر اُن کے راستے میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ لڑکوں نے ایک گڈھا کھود رکھا تھا اور اس کے چاروں طرف مٹی اور ریت کے ٹیلے بنائے تھے۔ راجہ اور اس کی فوج کو آتے دیکھ کر سب لڑکے تو بھاگ گئے۔ لیکن ایک لڑکا اسی طرح اس گڈھے کے پاس کھڑا رہا۔ راجہ اور اس کی فوج اس گڈھے کو ترپ گئی سب سے آخر میں وزیر آیا اور گڈھے میں آ پڑا، وزیر نے لڑکے سے پوچھا کہ گڈھا کس لئے کھود رکھا ہے لڑکے نے کہا "جس آدمی کے دل میں کینہ ہوتا ہے۔ وہ اس گڈھے میں گر پڑتا ہے۔ وزیر نے کہا کہ آگے اتنی فوج گئی۔ کیا اس میں کوئی کینہ ور نہیں تھا؟" لڑکے نے جواب دیا "نہیں" تب وزیر نے پوچھا "کیا میں کینہ ور ہوں" لڑکے نے جواب دیا "وزیر صاحب! میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ خود ہی سمجھ لیں"

وزیر لڑکے کی بات چیت کے ڈھنگ سے بہت خوش ہوا، اس نے لڑکے سے پوچھا "کیا تم نوکری کروگے" لڑکے نے جواب دیا "ہاں! نوکری تو کروں گا۔ لیکن میرے ماں باپ سے اجازت لے لیجئے۔ وزیر نے اس کے ماں باپ سے پوچھا تو اُن لوگوں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش نصیبی ہوگی کہ ہمارا لڑکا وزیر کا نوکر ہو"۔ وزیر نے لڑکے سے پوچھا کہ "تم کیا تنخواہ لوگے"۔ لڑکے نے کہا "میں طلب ولب کچھ نہیں لوں گا۔ میری ایک شرط ہے کہ دربار میں جو کچھ بات ہو ہر روز آکر مجھے سنانی ہوگی، جس دن آپ نہیں سنائیں گے اس دن سے آپ کو میرا نوکر ہو کر رہنا پڑے گا۔ وزیر نے یہ شرط منظور کر لی۔

لڑکے نے پوچھا "اچھا! اب بتائیے کہ آپ مجھ سے کیا کام لیں گے" وزیر نے کہا۔ "تمھارا کام یہ ہے کہ جب میں دربار سے واپس آؤں تو میرا پلنگ بچھا ہوا ہو پاؤں دھونے کے لئے پانی گرم ہو۔ اور جب میں پلنگ پر لیٹ جاؤں تو تم میرا بدن دبایا کرو"۔ لڑکے نے کہا "بہت اچھا" اور وہ اسی طرح وزیر کی خدمت کرنے لگا

خدا کی جیسی مرضی! ایک دن یہ بات ہوئی کہ ایک دوسرے ملک کے راجہ نے اس ملک کے راجہ کی عقل کا امتحان لینے کے لئے جادو کے تین کبوتر بنا کر اس کے دربار میں بھیج دئے۔ جب تک راجہ اپنی گدی پر بیٹھا رہتا وہ بھی اس کے سامنے بیٹھے رہتے۔ جب وہ اُٹھ کر چلا جاتا تو وہ بھی اُڑ جاتے۔ اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ ایک دن

راجہ نے وزیر سے کہا۔ دیکھو یہ تینوں کبوتر روز آکر یہاں بیٹھتے ہیں۔ اور جب میں اُٹھ کر جاتا ہوں تو یہ بھی چلے جاتے ہیں۔ اس کا پتہ لگاؤ کہ یہ کس لئے یہاں آتے ہیں۔ نہیں تو میں تمہارے بال بچوں کو کولھو میں پلوا ڈالوں گا۔"

وزیر کو بہت فکر ہوئی۔ جب وہ گھر آیا تو چپ چاپ پلنگ پر لیٹ گیا۔ وزیر کو اداس دیکھ لڑکے نے پوچھا "آج آپ اداس کیوں ہیں؟" وزیر نے سارا قصہ سنا دیا لڑکے نے کہا "یہ تو کوئی بات نہیں! آپ مجھے کل دربار لے چلئے۔ میں کبوتروں کی ساری بات بتا دوں گا۔"

وزیر یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور دوسرے دن اپنے ساتھ لڑکے کو کچہری لے جاکر راجہ سے کہا "مہاراج ان کبوتروں کی بات میرا نوکر بتائے گا"۔ راجہ نے کہا "بہت اچھا۔"

لڑکے نے ایک تیر کمان مانگا۔ جب اُسے تیر کمان مل گیا تو اس نے کبوتروں کی طرف نشانہ کر کے کہا "بولو تم روز یہاں کس لئے آتے ہو؟" اس پر جادو کے تینوں کبوتر بولنے لگے، یہ دیکھ راجہ کو بہت تعجب ہوا۔ ان کبوتروں میں سے ایک نے کہا "یہ کبوتری میری بیوی ہے۔ لیکن یہ دوسرا کبوتر اس کو زبردستی مجھ سے چھین کر لئے جا رہا ہے" تب دوسرا کبوتر بولا۔ "نہیں مہاراج! یہ میری ہی بیوی ہے۔ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ آپ ہمارا انصاف کیجئے۔"

لڑکے نے نشانہ لگا کر کبوتری کے پاؤں میں تیر مارا وہ گھائل ہو کر زمین پر گر پڑی۔ تب ایک کبوتر اس کے پاس آ بیٹھا اور دوسرا تیر کے ڈر سے اُڑ کر بھاگ گیا۔

اس پر لڑکے نے راجہ سے کہا "مہاراج یہ کبوتر جو اس کے پاس بیٹھا ہے۔ یہ اسی کی بیوی ہے۔ دوسرا کبوتر جھوٹا تھا۔" راجہ نے کبوتر کے زخم پر مرہم لگوا دیا اور وہ فوراً بھر گیا۔ تب راجہ نے کبوتر کے گلے میں ایک کاغذ پر یہ لکھ کر باندھ دیا کہ یہ کبوتری اسی کی ہے دوسرے کی نہیں" جب دونوں کبوتر اپنے راجہ کے پاس پہنچے تو وہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا میں تو سمجھتا تھا کہ راجہ بے وقوف ہوگا۔ لیکن وہ تو عقلمند معلوم ہوتا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے پھر اس راجہ کی عقل کا امتحان لینا چاہا۔ کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر وہ بے وقوف نکلے تو کسی طرح میں اس کے ملک پر قبضہ کر لوں۔ اسی لئے اس نے دو گھوڑیاں بھیج کر پوچھا کہ اس میں سے کون سی گھوڑی ماں ہے اور کون سی بیٹی۔ ان دونوں گھوڑیوں کا رنگ روپ، ڈیل ڈول اور قد بالکل ایک ہی طرح کا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا بہت مشکل تھا۔

راجہ ان گھوڑیوں کو دیکھ کر بہت پریشان ہوا اس نے پھر وزیر سے کہا "ان گھوڑیوں میں سے ماں اور بیٹی کو پہچانو۔ نہیں تو تمہارے بال بچوں کو بھاڑ میں جھکوا دوں گا۔"

وزیر نے یہ بات گھر آکر پھر اس لڑکے کو سنائی۔ لڑکے نے اسی طرح وزیر کو تسلی دے کر کہا کہ آپ فکر نہ کیجئے میں کل دربار میں جاکر ان کو پہچان دوں گا۔ لیکن یہ بات سن کر وزیر کے دل میں ایک کھٹکا پیدا ہو گیا۔ وہ ڈرنے لگا کہ کہیں راجہ مجھے ہٹا کر اسی لڑکے کو وزیر نہ بنا دے

اس نے اس نے اس لڑکے کو مروا ڈالنے کی ٹھانی۔ اس نے ایک چٹھی لکھ کر لڑکے کے ہاتھ میں دی کہ جاؤ راجہ کو دے آؤ اس خط میں اس نے لکھا تھا کہ جس وقت یہ لڑکا آپ کے پاس پہنچے فوراً اسے فلاں مکان کی نیو میں رکھ کر جھٹ پٹ اس پر دیوار چن دی جائے

وہ لڑکا خط لے کر راجہ کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے کچھ لڑکے کھیلتے ہوئے ملے ان میں جو بازی جیت جاتے تھے وہ ہارے ہوؤں پر سواری کرتے تھے اتفاق سے وزیر کا لڑکا بھی وہاں کھیل رہا تھا وہ بازی ہار گیا اور اسے دوسروں کو سواری دینی پڑی۔ لڑکوں نے اس سے کہا "وہ تیرا نوکر آ رہا ہے تو اس سے کیوں نہیں کہتا کہ وہ تیرے بدلے سواری دے دے"

وزیر کے لڑکے نے اس لڑکے کو بلا کر کہا کہ تو میرے بدلے ان لڑکوں کو سواری دے اس نے کہا مجھے یہ خط راجہ کے پاس لے جانا ہے۔ میں یہاں سواری دوں تو اسے کون پہنچائے گا؟ وزیر کے لڑکے نے کہا میں یہ خط راجہ کو دے آتا ہوں۔ تو یہاں گھوڑی بن کر سواری دے لڑکے نے کہا بہت اچھا۔

اب اس لڑکے نے تین تین چار چار لڑکوں کو اکٹھا اٹھا کر جلدی جلدی سواری دے دی۔ ادھر جب وزیر کا لڑکا راجہ کے پاس پہنچا اور راجہ نے خط کو پڑھا تو اس نے جھٹ پٹ مکان کی نیو میں چنوا دیا۔ اب جب وہ لوٹ کر گھر پہنچا تو اسے جیتا جاگتا دیکھ کر وزیر کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا کیا تم وہ خط راجہ کو دے آئے لڑکے نے سارا قصہ سنا کر کہا وہ خط تو آپ کا لڑکا راجہ کو دینے گیا ہے۔ تب تو وزیر اور اس کی بیوی دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ ہائے میرا اکلوتا بچہ مر گیا۔ اس لڑکے نے وزیر سے کہا بدنصیب تو میرا برا چاہتا تھا لیکن خدا نے تیری برائی کا نتیجہ تجھے فوراً ہی دیا یاد ہے! جب تم نے مجھ سے پہلے دن پوچھا تھا کہ یہ گدھا کیوں کھودا ہے تو میں نے کیا جواب دیا تھا۔ میری بات سچ نکلی یا نہیں، تمھارے دل میں کتنا کینہ ہے۔

وزیر بہت شرمندہ ہوا اور پچھتا کر کہنے لگا کہ تمھارا کہنا بالکل سچ ہے۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب میرے لئے جو کچھ ہو تم ہی ہو۔ مجھے معاف کرو اور کل دربار میں چل کر گھوڑیوں کو پہچانو۔ لڑکے نے کہا بہت اچھا۔

دوسرے دن لڑکے نے دربار میں جا کر کہا کہ پہلے ان دونوں گھوڑیوں کا منہ مسالا لگا کر بند کر دو اور شام تک ان کو پانی نہ دو۔ راجہ نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ جب شام ہوئی تو ایک تالاب کے بیچ میں ایک لانبا پردہ تان کر اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا پھر دونوں گھوڑیوں کو تالاب پر لے جا کر پردے کے ایک ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ جو بچھیری تھی اس نے تو جاتے ہی پانی میں منہ ڈال کر ایک ہی سانس میں پانی پینا شروع کر دیا۔ لیکن جو گھوڑی تھی وہ دو گھونٹ پانی پی کر ادھر اُدھر اپنی بیٹی کو دیکھنے لگی۔ اس پر لڑکے نے راجہ کو بتا دیا کہ یہ گھوڑی اور دوسری بچھیری ہے۔ راجہ نے ان کے نام کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر ان کے گلے میں باندھ دئے اور انہیں الگ راجہ کے پاس لوٹا دیا۔ راجہ ان کے کاغذ کے ٹکڑوں کو پڑھ بہت تعجب کرنے لگا۔ اس نے دل ہی

دل میں کہا کہ ان کو پہچاننے کی عقل راجہ میں کبھی نہیں ہو سکتی
ہو نہ ہو یہ کوئی دوسرا آدمی ہے جو ان کو اپنی عقل سے
پہچانتا ہے۔

اب اس نے تیسری بار امتحان لینے کا ارادہ
کیا۔ اس نے راجہ سے پوچھ بھیجا کہ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ

اپنے سے بُرا - بُرے سے بھلا
کچہری میں کتا - گدّی پر گدھا

راجہ نے کہا مجھے تو سب باتیں جھوٹ معلوم ہوتی
ہیں۔ لیکن آؤ اس لڑکے سے بھی پوچھ لیں۔ جب لڑکے سے
پوچھا گیا تو اس نے کہا "مہاراج! یہ سب باتیں سچی ہیں
ان میں ایک بھی جھوٹی نہیں۔ راجہ نے پوچھا۔ کیسے ؟۔
لڑکے نے کہا یہ باتیں میں اس راجہ کے ملک میں جاکر بتاؤں
گا۔ آپ مجھے وہاں بھیج دیجئے"۔ راجہ نے کہا بہت اچھا۔

لڑکے نے دو خچر روپے سے لاد لئے اور اس راجہ
کی راجدھانی کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک
محلے میں ایک مکان کرائے پر لے لیا اور رہنے لگا۔ اس
نے محلے کے لوگوں میں سے کسی کو روپیہ دے کر، کسی کی
خدمت کرکے، اور کسی کو مدد دے کر ان کے ساتھ خوب
میل ملاپ پیدا کر لیا۔ یہاں تک کہ اس محلے میں سے
ایک آدمی نے اس کے دھن دولت کو دیکھ کر اس کے
ساتھ اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔

اس محلے میں راجہ کی ایک طوائف بھی رہتی
تھی۔ ایک دن وہ لڑکا اس کے پاس سے ہو کر نکلا۔ تو
اس کے گلے میں موتیوں کی ایک مالا دیکھ کر پوچھنے لگا۔
مائی۔ یہ موتی سچے یا جھوٹے۔ طوائف نے کہا یہ اصلی
ہیں۔ کیوں کہ یہ مال مجھے راجہ نے دیا ہے۔ لڑکے نے کہا
نہیں نقلی ہیں۔

طوائف نے کہا "تم کیسے جانتے ہو" لڑکے نے
مالا میں سے نکال کر دو دانے آگ میں ڈالے۔ وہ کالے پڑ گئے
پھر اس نے اپنے پاس سے دو موتی نکال آگ میں ڈالے
لیکن اُن کی سفیدی میں فرق نہ آیا تب طوائف کو اس کی
بات کا یقین ہو گیا

ایک رات وہ لڑکا پلنگ پر سو رہا تھا۔ اتنے میں
ایک چوکی دار پہرہ دیتے ہوئے اس محلے میں آنکلا۔ اس
نے چوکی دار کو اپنے پاس بلا کر کہا "تم کو کتنے روپے تنخواہ کے
ملتے ہیں" اس نے جواب دیا "بارہ روپے" لڑکے نے کہا تم
مجھ سے بارہ روپے لے لیا کرو اور میرے پلنگ کے پاس
آکر بیٹھ رہا کرو۔ پہرہ دینے کی تمھیں کیا ضرورت ہے
چوکی دار نے کہا "بہت اچھا"۔ وہ دو تین آوازیں اِدھر
اُدھر لگا کر لڑکے کے پاس آبیٹھتا۔ اور راجہ اور لڑکے
دونوں سے طلب (تنخواہ) لے لیتا۔

ایک دن اس لڑکے نے تین چار ہزار روپے کے
بچوں کے زیور بنوائے۔ اور ایک بکرے کے سر کو قصاب
سے چھلوا کر گول سا بنوا لیا۔ پھر اس سر کو ایک رومال میں
باندھ کر گھر لے آیا۔ پھر گھر آکر اس نے اپنی بیوی سے کہا
"آج میں نے فلاں ساہوکار کے لڑکے کو مار ڈالا ہے۔
یہ اس کا سر ہے اسے کوٹھی میں چھپا دو۔ یہ لو تین چار
ہزار روپے کے سونے کے زیور۔ یہ میں نے اس کے
گلے اور ہاتھوں پر سے اتارے ہیں۔ لیکن یہ بات پوشیدہ
رکھنا کسی سے کہنا نہیں۔ اودھر وہ ساہوکار کے لڑکے

کو کہیں سے پکڑ لایا اور اسے کسی جگہ چھپا دیا۔

بھلا عورت کے پیٹ میں بات کب پچنے لگی تھی شوہر کے باہر جاتے ہی وہ فوراً اپنی سہیلیوں کے پاس دوڑی ہوئی گئی اور کہنے لگی بہن! کیا کہوں کچھ کہنے کی بات نہیں۔ میرے شوہر نے آج فلاں ساہوکار کے لڑکے کو مار ڈالا۔ اور اس کا سر اور اس کے زیور گھر لے آیا ہے۔ بہنو! دیکھنا کہیں یہ بات اور کسی سے نہ کہنا۔ انھوں نے کہا "نہ بہن۔ ہم کیوں کسی سے کہنے لگے تھے، لیکن عورت کے لئے تو کسی بات کو چھپا رکھنا بہت مشکل ہے جیسے ہی اُن کے شوہر گھر آئے جھٹ انھوں نے ساری باتیں اُن سے کہہ دیں۔ اس طرح پھیلتے پھیلتے یہ بات راجہ کے کانوں تک جا پہنچی۔ راجہ نے فوراً سپاہی بھیج کر لڑکے کو پکڑ منگوایا۔ جب سپاہی اس کو پکڑ کر لئے جا رہے تو راستے میں اسی طوائف نے پوچھا۔ "سچ کہو۔ کیا واقعہ ہے؟" لڑکے نے کہا۔ "میں بالکل بے قصور ہوں"

جب لڑکا کچہری میں پہنچا تو وہی چوکی داری کر رہا تھا۔ پر اس نے اس سے بات تک نہیں کی، راجہ نے بغیر کچھ پوچھے کچھ کئے حکم دے دیا کہ اس نے ساہوکار کے لڑکے کو قتل کیا ہے اس لئے اس کو پھانسی دے دی جائے بس پھر کیا تھا اُسے پھانسی پر لٹکانے کے لئے چلے راستے میں وہی طوائف پھر ملی۔ اس نے پھر پوچھا سچ کہو کیا واقعہ ہے۔ لڑکے نے کہا۔ میں بالکل بے قصور ہوں"

تب طوائف نے راجہ سے جا کر کہا کہ آپ اس کو یونہی پھانسی دے رہے ہیں یہ بالکل بے قصور ہے

پھر پوچھ کچھ تو کر دیکھئے۔ راجہ نے کہا بہت اچھا تب راجہ نے لڑکے سے پوچھا "کیا تم نے ساہوکار کے لڑکے کو نہیں مارا" لڑکے نے کہا نہیں مہاراج۔ میں نے نہیں مارا ہے۔ راجہ نے کہا تو تمھارے گھر میں جو سر پڑا ہے وہ کس کا ہے؟ لڑکے نے کنجیوں کا گچھا نکال کر کہا " مہاراج یہ کنجیاں ہیں۔ وہ سر منگا کر دیکھا جائے"

جب وہ رومال منگا کر کھولا گیا تو اس میں سے بکرے کا سر نکلا۔ راجہ یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ لڑکے نے ساہوکار کے لڑکے کو بھی نکال کر حاضر کر دیا پھر تو راجہ معافی مانگنے لگا۔ لڑکے نے جیب سے خط نکال کر دکھلایا اور کہا کہ راجہ صاحب آپ نے جو ہمارے مہاراج سے پوچھا تھا کہ کیا

اپنے سے بُرا۔ بُرے سے بھلا
کچہری میں کتا۔ گدی پر گدھا

سچ ہے یا جھوٹ۔ تو اس کا جواب میں نے دے دیا۔ کہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔ اپنے سے بُرا دیکھنا ہو تو میری بیوی کو دیکھئے۔ بُرے سے بھلے کی مثال آپ کی طوائف ہے۔ کچہری میں کتا چوکی دار ہے۔ اور گدی پر گدھا مہاراج آپ خود ہی سمجھ لیں

لڑکے کی عقل مندی سے۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ اور بڑے سامان کے ساتھ اس کو اپنے وطن واپس کر دیا۔
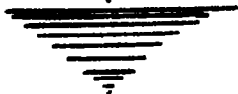
بنگلہ سال کا پہلا دِن

از سلطان احمد (کلکتہ)

مجھے بنگال میں رہتے ایک مدت گذر چکی ہے بہت سے بنگالیوں سے دوستی کے تعلقات ہو گئے ہیں یہاں تک کہ شادی بیاہ اور تیوہار کے موقعوں پر بھی اکثر شرکت کا موقع ملتا ہے۔ اب کے ۱۴ اپریل ۳۶ء کو بنگلہ سال کا پہلا دن تھا۔ ہمیں بھی ایک دعوتی رقعہ روبن بابو کی طرف سے ملا۔ اس میں انھوں نے آج کے تیوہار کے جلسے میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی چنانچہ مقررہ وقت یعنی ٹھیک آٹھ بجے رات اُن کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ بنگلے کے چاروں طرف خوب صورت باغ تھا اور طرح طرح کے ولایتی اور دیسی پھولوں سے گلزار بنا ہوا تھا بجلی کی روشنی سے دن کا دھوکا ہوتا تھا۔ ہزاروں درختوں پر طرح طرح کے رنگین قمقمے لگے تھے۔ مثلاً آم کے درخت پر آم کی وضع کے جیسے قدرتی پھل لگے ہوں اسی طرح جس جس قسم کے پھل کے درخت یا پھولوں کے پودے تھے۔ اسی وضع کے قمقمے بھی تھے جوں ہی ہماری موٹر احاطے میں داخل ہوئی۔ میزبان صاحب ہماری طرف لپکے اور دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار (بنگالی سلام) کیا۔ موٹر سے اُترتے ہی ہم ہاتھوں ہاتھ لے گئے اور ایک بڑے سے خوب صورت ہال میں لے جائے گئے جو بنگالی مذاق کے مطابق سجا ہوا تھا۔ فرش پر سفید دودھ سی چاندنی۔ درمیان میں ایک ایرانی قالین۔ دیوار کے سہارے زری کے کام کے دو گاؤ تکیے۔ قالین کے بیچوں بیچ گنیش جی کی مورتی اس کے سامنے ایک نیا اور سادہ کھاتا۔

ہمارے بعد چند اور مہمان بھی آئے جب سب آگئے تو کھانا چنا گیا۔ کھانا مختلف قسم کا تھا اور بہت پر تکلف۔ اتنی کافی مقدار میں کہ بہت سا بچ رہا۔ کھانے کے بعد گانا شروع ہوا اور کوئی

۱۰ بجے تک یہ دلچسپ صحبت رہی جب چلنے کا وقت آیا تو میزبان صاحب کھاتا کھول کر بیٹھ گئے وہاں اپنے نام کھاتے میں درج کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ رقم اس میں جمع کراتے تھے۔ اس وقت کسی نے پانچ، کسی نے دس کسی نے بیس کسی نے چالیس جمع کرائے۔ بعضوں نے ایک ایک روپیہ بھی دیا۔ دس روپے ہم نے بھی دے کر اپنا نام کھاتے پر لکھوالیا۔ رخصت ہوتے وقت بچوں کے لئے بھی میزبان صاحب نے بڑے اصرار سے کچھ تحفے دئے۔

صبح کو ایک اور بنگالی دوست سے ملاقات ہوئی اور ہم نے اُن سے اس تیوہار کی اور تفصیل پوچھی انھوں نے بتایا کہ بنگلہ سال ۱۴ اپریل سے شروع ہوتا ہے اسی روز یہاں کے لوگ نیا حساب کھولتے ہیں اس سے پہلے جو کچھ لینا دینا ہوتا ہے وہ تیرہ تک ختم کر دیتے ہیں۔ چودھویں دن صبح ۶ بجے ہر ایک دوکاندار اور کاروباری نیا کھاتا بغل میں دبائے کالی مائی کے مندر پہنچتا ہے اور ۱۲ بجے تک پوجا کرتا ہے۔ کالی مائی کے مندر کلکتہ میں بہت ہیں لیکن سب سے بڑا مندر کالی گھاٹ میں ہے۔

زیادہ ہجوم یہیں رہتا ہے۔ پوجا کا طریقہ یہ ہے کہ کھاتے کے پہلے صفحے پر ایک پتہ آم کا ایک تلسی کا رکھ دیتے ہیں۔ اس پر ایک روپیہ بھی رکھتے ہیں۔ صفحے کے بیچ میں ایک آدمی کی تصویر بنائی جاتی ہے جو بالکل ایسی ہوتی ہے۔
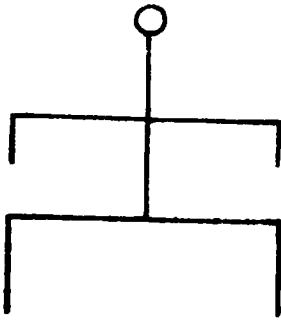
یہ کھاتا کالی مائی کی مورت کے سامنے رکھتے ہیں اور سنسکرت کے چند کلمے پڑھ کر اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ پوجا کے بعد گھر آتے ہیں۔ اور کھاتا کھول کر گنیش جی کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے چاروں طرف لوبان سلگایا جاتا ہے شام کو خوب پرتکلف دعوتیں ہوتی ہیں۔ اور ناچ گانے کا سلسلہ رہتا ہے غرض بنگالی اپنے سال کا پہلا دن بہت اچھی طرح مناتے ہیں ٭

مختلف ملکوں کے بچے

محمد حسین حسان

سوئزرلینڈ کی سوئزرٹے

سوئزرٹے سوئزرلینڈ میں رہتی ہے۔ اس ملک کا شمار دنیا کے بہت ہی خوب صورت اور

خوش منظر ملکوں میں ہے۔ آب و ہوا کا کیا کہنا۔ ملکوں ملکوں کے لوگ گرمیوں کے موسم یہیں گذارتے ہیں۔ بس ایسے ہی جیسے ہمارے ہندوستان کے امیر اور دولت مند گرمیوں کے زمانے میں کشمیر، شملہ نینی تال یا مسوری جاتے ہیں۔ اور ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اُٹھاتے ہیں۔

اچھا آؤ ذرا اس ملک کی سیر تو کریں ۔ مگر
پہلے سوزنے کو اپنے ساتھ لے لیں ۔ یہ بڑی پیاری
لڑکی ہے ۔ بھورے بھورے بال ، نیلی آنکھیں ، گورا
رنگ ، جیسا یورپ میں عام طور پر ہوتا ہے ، کالی مخمل
کی کرتی پہنے ، خوب چست ، چمکیلے رنگ کا سایہ

سوزنے بڑے مزے کی باتیں کرتی ہے
اس نے ہمیں بتایا کہ اس کا گھر بہت اونچے پہاڑوں
پر ہے ۔ راستے میں کئی شہر پڑتے ہیں ۔ یہ شہر ایسے
ہی ہیں جیسے یورپ کے اور دوسرے ملکوں کے ،
مکان اینٹ یا پتھر کے خوب صورت بنے ہوئے
چاروں طرف احاطہ کھنچا اور باغ لگا ہوا ، خوب صورت
دکانیں ، بڑے بڑے کارخانے جن میں مرد اور
عورت اور بچے کام کرتے ہیں ۔ لڑکیاں زیادہ تر
لیس اور کارچوبی کا کام کرتی ہیں ۔ بڑی دکانوں
میں مرد اور لڑکے گھڑیاں اور کھلونے بناتے ہیں ،
کارخانے کی کلیں اکثر پانی کے زور سے چلتی ہیں
پہاڑی چشموں سے جو آبشار نیچے گرتے ہیں ۔ ان سے
یہ کام لیا جاتا ہے ۔

ایک شہر میں ہم بازار دیکھنے گئے ، پھلوں
ترکاریوں اور پنیر کی افراط تھی ۔ دودھ کی بوتلیں
گاڑیوں میں ادھر سے اُدھر آجا رہی تھیں ۔ ان گاڑیوں
کو کتے کھینچ رہے تھے یہ کتے گاڑیوں میں اسی طرح
جتے ہوئے تھے جیسے اسکیمو لینڈ کی سلیج میں ، اس
کے بعد ہمارا گذر اسکول کی طرف ہوا ۔ یہاں کھیل کے
بڑے بڑے میدان تھے ، بچے روزانہ ان میدانوں
میں کھیلتے اور ورزش کرتے ہیں ۔ بہت سے بچوں
کی ایک ٹولی اپنے اُستادوں کے ساتھ دیہات
کی طرف جاتی ہوئی ملی ۔ یہ سارا دن پہاڑوں اور
وادیوں میں گذاریں گے ۔ اور جغرافیے کے عملی سبق
سیکھیں گے ۔

اس شہر سے ہم نے دوسرے سفر کی تیاری
کی اور ریل میں سوار ہو گئے ۔ اس ریل نے ہمیں
پہاڑوں کی جڑوں تک پہنچا دیا ۔ راستے میں بہت سے
کھیت ملے ۔ پہاڑ کی نیچی ڈھلوانوں پر انگور کی بیلیں
چڑھی تھیں ۔ غرض شروع سے آخر تک بڑا اچھا منظر
تھا ۔ آخر ہم نے ریل چھوڑ دی اور سوزنے کے گھر
تک پہنچنے کے لئے ۔ پہاڑ پر چڑھنے لگے ۔ جوں جوں
اوپر چڑھتے تھے نیچے کے کھیت چھوٹے ہوتے جاتے

تھے۔ آخر ہم اتنی اونچائی پر پہنچ گئے۔ جہاں صرف گھاس ہی گھاس تھی۔ یہاں لوگ گھاس کو خشک کر رہے تھے۔ پاس ہی گائیں، بکریاں اور بھیڑیں چر رہی تھیں۔ بعض جگہ بچے پنیر کی تیاری میں اپنے ماں باپ کی مدد کر رہے تھے اب ہم اور بھی اونچے پہنچ گئے ہیں اور صنوبر کے درختوں کے جنگل سے گذر رہے ہیں۔ لو اب کھلی ہوئی جگہ پر آ گئے۔ جہاں چاروں طرف گھاس ہے۔ جتنا اوپر چڑھو درختوں کی لمبائی کم ہوتی جائے گی اور چاروں طرف جنگلی پھولوں کی بہار ہوگی۔ جنگلی گلاب اور نیلے گلابی۔ ارغوانی رنگوں کے خوب صورت، خوب صورت پھول اور اوپر جاؤ تو درخت بالکل نہ ہوں گے۔ صرف گھاس ہوگی اور ایک قسم کا چھوٹا چھوٹا سفید پھول، اس سے بھی اوپر ننگی چٹانیں ملیں گی اور اُن کے بیچ بیچ برف ہوگا۔ بہت اونچی چوٹیوں پر سال بھر تک برف گرتا رہتا ہے۔

مگر سوئزنے کا گھر اتنے اونچے پر نہیں ہے اس کے گھر کے چاروں طرف۔ چھوٹے چھوٹے درخت۔ گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں، گھر کا کچھ حصّہ لٹھوں یا تختوں کا بنا ہے چھت بالکل ڈھلوان جیسے یہاں کی کھپریلیں اُن پر پتھر رکھ دئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہواؤں کے جھکّڑ بعض وقت ایسے سخت ہوتے ہیں کہ چھتیں اُڑ جانے کا ڈر رہتا ہے۔ اکثر مکان دو منزلہ ہیں۔ دوسرے مکانوں کی طرح سوئزنے کے گھر میں بھی ایک حصہ رہنے کے لئے ہے۔ دوسرا غلّے، گھاس اور جانوروں کے لئے۔ جانوروں کا اصطبل سوئزنے کے کمرے سے لگا ہوا ہے۔

گھر کی ہر چیز سلیقے اور صفائی سے رہتی ہے کھڑکیوں میں لکڑی کے بنے ہوئے گملے رکھے ہیں اُن میں خوب صورت خوب صورت پھولوں کے پودے لگے ہیں۔ نیچے نیچے درختوں پر چڑیوں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔ سوئزنے کا گھر بہت خوب صورت ہے چھت گہرے بادامی رنگ کی۔ دیواریں کچھ سفید کچھ بادامی۔

اچھا آؤ ذرا سوئزنے کے بھائی کے ساتھ اونچی چوٹیوں کی چراگاہوں تک ہو آئیں۔ اور اُن لڑکوں کو دیکھیں جو یہاں گائے، بھیڑیں اور بکریاں چراتے

ہیں ۔ یہ لڑکے ان چوپایوں کو اونچی سے اونچی چراگاہوں پر لے جاتے ہیں ۔ تین چار مہینے تک اوپر ہی رہتے ہیں ان کے سونے کے لئے معمولی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کمرے سے ہوتے ہیں ۔ اُن ہی میں وہ مکھن اور پنیر بھی بناتے ہیں ۔ سردیوں میں برف گرنے لگتا ہے تو جانوروں کو نیچے لے آتے ہیں ۔ اور گھر کے اصطبل میں باندھتے ہیں ۔

سوئزرلینڈ کو گرمیوں کا موسم بہت پسند ہے اس لئے کہ اس موسم میں بہت سے سیاح اس کا خوب صورت ملک اور اس کا پیارا گھر دیکھنے آتے ہیں

لطیفہ

کسی امیر نے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی ایک مہمان صاحب نے پہلے تو کھانا خوب جی بھر کر کھایا اور پھر دسترخوان سے ایک چاندی کا چمچا اٹھاکر جیب میں رکھ لیا ۔ اتفاق سے ایک اور صاحب نے یہ کارروائی دیکھ لی جو اُن سے ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے ۔ چنانچہ ان کے دل میں بھی ایک چمچا اڑانے کا خیال پیدا ہوا ۔ لیکن انھوں نے سوچا کہ ایک چمچا تو پہلے ہی غائب ہو چکا ہے ۔ اب اگر میں نے ایک اور چرایا تو بھانڈا نہ پھوٹ جائے ۔ یکایک انھیں ایک ترکیب سوجھی میزبان اور مہمانوں کو مخاطب کرکے بولے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک شعبدہ دکھاؤں ۔ جب سب نے اشتیاق ظاہر کیا تو انھوں نے دسترخوان سے ایک چمچا اٹھایا اور اپنی جیب میں رکھ کر کہا کہ آپ سب دیکھ رہے ہیں کہ یہ چمچا میں نے اپنی جیب میں رکھا ہے (اور پھر دوسرے صاحب کی طرف اشارہ کرکے) اب یہ چمچا میری جیب میں سے ان صاحب کی جیب میں پہنچ جائے گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چور صاحب کی جیب میں سے چمچا نکل آیا ۔ شعبدے دکھلانے والے صاحب اطمینان سے چمچا لے کر چلتے بنے ۔ چور صاحب اپنا بھید کھل جانے کے ڈر سے کچھ نہ بولے اور دل ہی دل میں کہنے لگے

"یہ تو میرے بھی چچا نکلے ۔"

تصدق مصطفےٰ شروانی ۔ جامعہ

غذا

از جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ سلطانیہ کھیڑ ضلع ناندیڑ

چاول

گو غذا کی حیثیت سے یہ گیہوں سے کم درجے پر ہے۔ پھر بھی دنیا کی بڑی آبادی کی غذا ہے خصوصاً گرم مرطوب خطوں میں جہاں اس کی پیداوار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا کے سب سے آباد حصے وہی ہیں جہاں چاول بکثرت پیدا ہوتا اور کھایا جاتا ہے۔ اس کی پیداوار کے لئے گرم مرطوب آب و ہوا کی ضرورت ہے اور چکنی مٹی یا دومٹ زمین اچھی ہوتی ہے۔ عموماً یہ خریف کی فصل میں بویا جاتا ہے۔ مگر بعض مقامات کے نہری علاقوں میں (مثلاً مدراس) دو، دو اور تین تین فصلیں بھی حاصل کی جاتی ہیں اب تم دنیا کا نقشہ لے کر منطقہ حارہ اور منطقہ معتدلہ نیم گرم کے ان حصوں پر غور کرو جہاں بارش ۴۰ انچ سے زیادہ ہوتی ہے۔ یورپ اور آسٹریلیا میں تو کوئی حصہ نظر نہ آئے گا، البتہ جنوبی ایشیا، جنوبی امریکہ میں وادی امیزن اور افریقہ میں وادی کانگو ایسے علاقے ہیں جہاں حرارت بھی کافی ہے۔ اور بارش بھی خوب ہوتی ہے لیکن وادی امیزن اور وادی کانگو میں یہ قدرت کا عطیہ ضرورت سے زیادہ ہے یعنی حرارت اور رطوبت کی بہتات سے وہاں کی زمین میں پیداوار کی قوت اس قدر زیادہ ہے کہ ایک چیز بوئی جاتی ہے تو دس جنگلی چیزیں خود بخود اُگ آتی ہیں۔ اس وجہ سے وہاں کی زمین پر کاشت تقریباً ناممکن ہو گئی ہے، اور وہاں سوائے تیرہ و تار جنگلات کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لئے ان علاقوں میں آبادی بھی کم ہے اور چاول کی کاشت بھی نہیں ہوتی۔ چاول کا پیدا کرنے والا علاقہ براعظم ایشیا ہے اور وہ بھی اس کا جنوبی حصہ یعنی مونسی ہواؤں کا خطہ جس میں ہندوستان، برما، ہندچینی

جزائر شرق الہند اور جنوبی چین شامل ہیں۔ جاپان کے جنوبی حصے میں بھی چاول پیدا ہوتا ہے۔

ہندوستان میں چاول کی زیادہ پیداوار بنگال، بہار اور آسام میں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں بارش بکثرت ہوتی ہے۔ جوں جوں ہم مغرب کی جانب بڑھتے جائیں بارش کم ہوتی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ چاول کی پیداوار بھی گھٹتی جاتی ہے۔ چنانچہ پنجاب میں جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے چاول نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے ساحلی میدانوں میں بھی چاول خوب پیدا ہوتا ہے۔

تقریباً یہی حالت چین کی ہے۔ جنوبی حصے میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور یہیں چاول بھی زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ جوں جوں ہم شمال کی جانب بڑھتے جائیں۔ بارش کی کمی کے ساتھ چاول کی پیداوار بھی گھٹتی جاتی ہے۔

تجارت کے لحاظ سے چاول کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ چونکہ بلحاظ غذا یہ گیہوں سے کمتر درجے پر ہے اس لئے دوسرے ملک میں اس کا استعمال نہیں کرتے خصوصاً یورپ میں دوسرے یہ کہ جہاں چاول زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اس قدر گنجان آبادی کے ملک ہیں کہ تقریباً ساری پیداوار وہیں صرف ہو جاتی ہے۔ صرف وہی ملک چاول منگواتے ہیں، جہاں یہ کھایا جاتا ہے اور پیدا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہاں کی زمینیں، دوسری مزدوری اور قیمتی چیزوں کی کاشت کے لئے استعمال کر لی گئی ہیں۔ اس لئے انھیں چاول باہر سے منگانا پڑتا ہے مثلاً ملابار، جاوا اور لنکا جاپان کی پیداوار چونکہ کہ ناکافی ہے اس لئے اُسے بھی منگانا پڑتا ہے۔

۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں (۸) کرور (۲۳) لاکھ ایکڑ پر چاول کی کاشت ہوئی اور (۷۵) کرور (۴۹) لاکھ من چاول پیدا ہوا۔ یہ رنگون کلکتہ اور مدراس کی بندرگاہوں سے باہر بھیجا جاتا ہے ۱۹۱۰ء میں ہندوستان اور برما سے (۱۸) کرور (۰۴) لاکھ روپے کا چاول باہر بھیجا گیا۔

جو:-

جو کی پیداوار عموماً اُن ہی علاقوں میں ہوتی ہے جہاں گیہوں پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے

ہلکی زمینوں اور کم پانی میں بھی اس کا پودا پرورش پاسکتا ہے۔ ہندوستان میں اس کی پیداوار، پنجاب، راجپوتانہ اور سندھ میں زیادہ ہے، یورپ میں اسے جانوروں کو بھی کھلاتے ہیں۔

جوار، باجرہ اور راگی

جہاں بارش ۳۰ سے کم ہے ہر جگہ پیدا ہوتے ہیں اور بغیر آبپاشی کے اُن کی کاشت ہوسکتی ہے حتٰی کہ ان علاقوں میں بھی جہاں ۱۰ سے کم بارش ہوتی ہے اور جن مقامات پر ۵۰ سے بارش بڑھ جاتی ہے یہ چیزیں بھی غائب ہوجاتی ہیں۔ اس طرح بارش کے نقشے پر غور کرنے سے بآسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں کہاں پیدا ہوتی ہیں۔ پتھریلی زمینوں میں یہ زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ اس لئے دکن میں ان کی پیداوار زیادہ ہے۔ شمالی ہند میں ان کی کاشت زیادہ تر چارہ کے لئے ہوتی ہے۔ مقامی طور پر غریب غربا ان ہی کا استعمال کرتے ہیں۔ برآمد نہیں ہوتی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ان چیزوں کی کاشت ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ ایکڑ پر ہوئی اور پیداوار ۱۹ کروڑ ۸۲ لاکھ من۔

مکئی

یہ پرانی دنیا کی قدرتی پیداوار نہیں ہے بلکہ امریکہ کی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس کی پیداوار بھی وہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے کے بعد یہ یورپ اور ایشیا پہنچی۔ اور پرتگیزوں کے ذریعے ہندوستان۔ یہاں یہ ہر حصے میں پیدا ہوسکتی ہے۔ خواہ چاہی[۵] یا نہری زمینیں ہوں خواہ بارانی۔ البتہ جہاں بارش ۵۰ سے بڑھ جاتی ہے وہاں نہیں پیدا ہوتی۔ بہار اور صوبہ جات متحدہ میں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ پہاڑوں کی متوسط بلندیوں پر بھی اس کی کاشت کی جاسکتی ہے۔ گویا یہ سردی بھی کافی برداشت کرسکتی ہے اور میسور یا جیسے ملک میں بھی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ غریبوں کی مقامی خوراک ہے باہر نہیں جاتی۔

(باقی آئندہ)

---

[۵] چاہی زمینیں جو کنوئیں سے۔ نہری جو نہروں سے اور بارانی وہ جو بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔

موٹو اور چھوٹو

محمد عمران فتح گڈھ

ایک دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چھوٹو کو ایسے میں سیر سپاٹے کی سوجھی۔ سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ آخر ایک ترکیب اُن کی سمجھ میں آہی گئی۔ بس پھر کیا تھا فوراً اچھلتے کودتے اپنے یار غار موٹو کے پاس پہنچے۔ اور ترکیب کہہ سنائی موٹو نے کہا دوست ترکیب تو بڑی اچھی ہے لیکن گھوڑا کہاں سے آئے۔ چھوٹو نے کہا یہ کیا بڑی بات ہے۔ دیکھو میں گھات لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر سے باہر نکلے۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ تھوڑی دور پر ایک گھوڑا چر رہا تھا۔ اس کا مالک ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ بس چھوٹو فوراً دوڑ کے موٹو کے پاس آئے اور سب حال کہہ سنایا۔ موٹو اور چھوٹو دونوں تیار ہو کر باہر نکلے اور چپکے سے گھوڑا کھولا اسے زین وغیرہ سے لیس کیا اور اُچک کر سوار ہو گئے۔ موٹو نے چھوٹو کو پیچھے بٹھا لیا۔ موسم بہت اچھا تھا۔ گھوڑا تازہ دم تھا۔ موٹو نے جو ایڑ لگائی تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ موٹو اور چھوٹو نے خوب ہی خوب سواری کی جب تین چار میل تک چلے گئے تو واپس ہونے کا خیال آیا۔ اتنی دیر میں سورج بھی نکل آیا۔ نہ جانے گھوڑے کے جی میں کیا آئی کہ چلتے چلتے ایک دم جھجک کر کھڑا ہو گیا شاید کوئی چیز دیکھ لی ہو گی۔ موٹو نے ہر چند لگام پکڑ کر کھینچی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب موٹو اور چھوٹو بڑے پریشان ہوئے۔ موٹو نے چھوٹو سے کہا کہ ایسے تو کام چلے گا نہیں۔ تم اس کے اوپر بیٹھ کر دھکا دو۔ اور میں اُتر کر اس کی لگام کھینچتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں موٹو صاحب پسینہ پسینہ ہو گئے۔ آخر کار تنگ آ کر گھوڑے کی پچھلی ٹانگیں پکڑ کر اسے دھکا دینے لگے چھوٹو نے یہ دیکھا تو گھوڑے سے اُتر ایک طرف

بھاگے۔ یکایک نظر اٹھا کر کیا دیکھتے ہیں کہ چھوٹو صاحب کسی ٹھیلے والے کے دو ٹھیلے لئے چلے آتے ہیں۔ اب دونوں نے مل کر گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کو ایک ٹھیلے پر اور اگلی ٹانگوں کو دوسرے ٹھیلے پر چڑھایا اور اگلے ٹھیلے کو چھوٹو صاحب کھینچتے ہوئے اور پچھلے ٹھیلے کو موٹو صاحب دھکا دیتے ہوئے لے گئے۔

چھوٹو موٹو (۶)
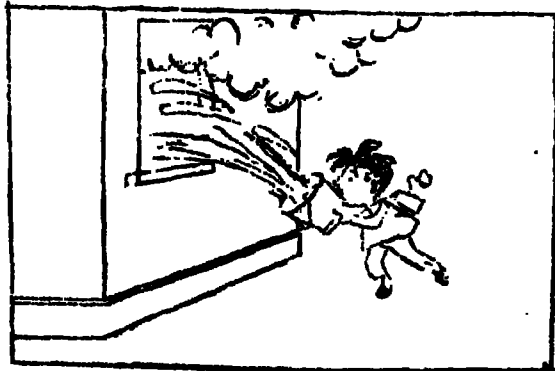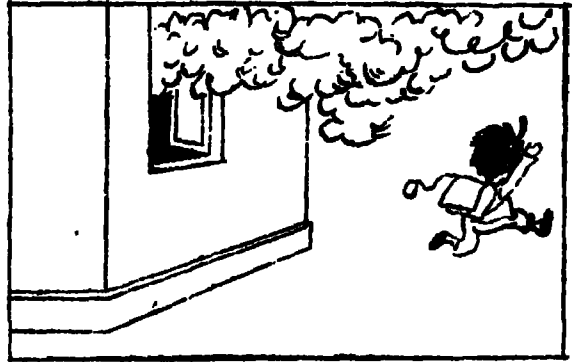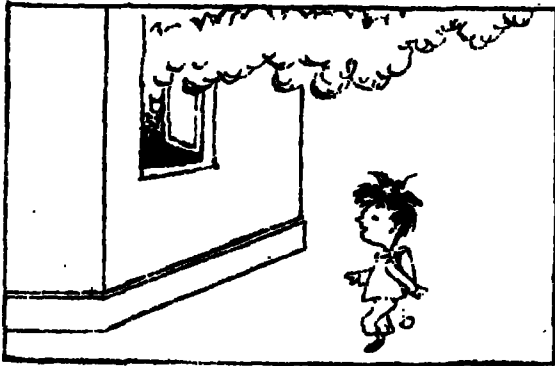
لچک دار کمان

از ایڈیٹر

سرنگاپٹم میسور کی ریاست میں ایک شہر ہے یہاں ایک لچک دار کمان تھی۔ یہ کمان ۲ جولائی کو ٹوٹ کر گر پڑی۔ جن لوگوں کو تاریخی عمارتوں سے دلچسپی ہے انھیں یہ خبر سن کر افسوس ہوا

لچکدار کمان اب سے کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے سلطان ٹیپو کے حکم سے بنائی گئی تھی اس کے بنانے کا قصہ یوں ہے کہ سلطان ٹیپو اپنے قلعے کے پاس دریا کا پل بنانا چاہتا تھا۔ بنیادیں بھی رکھ دی گئی تھیں لیکن ٹیپو کی سلطنت کی تباہی کی وجہ سے یہ پل بنتے بنتے رہ گیا۔ سلطان چاہتا تھا کہ اس پل کی کمانیں لچکدار ہوں اس نے آزمائش اور تجربے کے طور پر ایک کمان بنوائی اور یہ وہی کمان ہے جو پچھلے مہینے منہدم ہو گئی (ٹوٹ کر گر پڑی) لوگوں کا بیان ہے کہ اس طرح کی دو کمانیں بنی تھیں اور ایک پل کی کمانوں کی طرح۔ دونوں بالکل پاس پاس تھیں۔ اُن پر پتھر رکھ کر ایک آزمائشی پل بنایا گیا تھا۔ اور ان پر ہاتھی وغیرہ چڑھا کر اسے آزمایا بھی گیا تھا۔ سرنگاپٹم جب انگریزوں کے قبضے میں آیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کا پل بنانا چاہا۔ مگر یہ بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی کہ کمان میں لچک کیسے پیدا ہو گئی جس فرانسیسی انجینیر کی نگرانی میں یہ کمانیں تیار ہوئی تھیں اُس سے دریافت کیا گیا۔ مگر یہ بھید اسے بھی معلوم نہ تھا۔ آخر یہ بات معلوم کرنے کے لئے ان میں سے ایک کمان توڑ دی گئی۔ مگر اس کے توڑنے کے بعد بھی کوئی خاص چیز نہ نکلی اور یہ معما اب بھی حل نہ ہوا۔ دوسری کمان یادگار کے طور پر محفوظ رکھی گئی اور محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں دے دی گئی۔ خدا کی قدرت کہ اب یہ بھی ٹوٹ گئی +

(رسالہ کوثر بنگلور کے ایک مضمون کو سامنے رکھ کر لکھا گیا)

ہوائی ٹکٹ

از محمد محمود جامعی میمن - علی گڑھ

ہوائی جہازوں کا رواج دنیا میں دن بہ دن عام ہوتا جا رہا ہے۔ کئی سال سے تو مختلف ملکوں میں جلدی کی ڈاک بھی ان ہی کے ذریعے آتی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے لئے ایک نیا اور دلچسپ مشغلہ پیدا ہو گیا ہے۔

شروع شروع میں جب ہوائی جہاز آزمائشی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ یا کسی مہم پر جاتے تھے تو خطوط بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ ان خطوں پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اور ان پر جو ٹکٹ لگائے جاتے تھے اُن کا منشا یہ تھا کہ یہ محصول سے مستثنیٰ کر دئے گئے۔ مثلاً نیوزی لینڈ کے ٹکٹ یہ اُن خطوں پر لگائے گئے تھے جن میں ہوا باز ہاکر ۱۹۱۹ء میں بحیرۂ اٹلانٹک کو عبور کرنے کی کوشش کے وقت اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

تھوڑے ہی زمانے کے بعد باقاعدہ ہوائی ٹکٹ استعمال ہونے لگے اور بہت سے ملکوں نے ہوائی ڈاک کے لئے خاص نمونوں کے ٹکٹ چھاپے۔ اب ہزاروں قسم کے ہوائی ٹکٹ ہیں جنھیں جمع کر کے بہت بڑا اور خوب صورت البم تیار ہو سکتا ہے۔ ہر ملک نے نئے نئے نمونے کے ٹکٹ شائع کئے ہیں بعض ٹکٹوں میں ہوائی جہاز اُڑ رہے ہیں۔ کوئی دریائے نیل کے ڈیلٹا کو عبور کر رہا ہے۔ کوئی چین کی بڑی دیوار کو، کوئی کسی بڑے شہر پر سے گذر رہا ہے۔ بعض ٹکٹ ایسے بھی شائع ہوئے ہیں جن سے ہوائی جہاز کی کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے پر دار آدمی، پر دار عورتیں، پر دار گھوڑے۔ کوئی پرندہ یا اُڑتے ہوئے تیر۔ مثلاً سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹوں پر پر دار عورتیں۔ جرمنی ایران اور آئس لینڈ کے ٹکٹوں پر پرندے اور اٹلی کے ٹکٹوں پر اُڑتے ہوئے تیر بنائے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ تاریخی نقطۂ نظر سے خاص ہوائی پوسٹ کارڈ اور لفافے مثلاً جو ۱۹۱۱ء میں "لندن ونڈسر کوروشین" پروازوں میں لے جائے گئے تھے۔ یہ بہت زیادہ دلچسپ ہیں یا وہ خطوط جنھیں برکس، ہاکر، ہاکر وغیرہ، اپنی اونچی اڑانوں میں لے گئے تھے۔ شاید ان لوگوں نے ان پر کچھ ہاتھ سے بھی لکھا ہو۔ یہ فن پرواز کی ترقی کی اہم اور عمدہ یادگاریں

کچھ پروا نہیں

از قدسیہ بیگم

ماں نے کہا "بیٹا بلی کے بچے کے ساتھ بہت دیر کھیل چکے اب اپنا سبق یاد کرو۔ نہیں تو ماسٹر صاحب خفا ہوں گے۔ لڑکے نے جواب دیا "کچھ پروا نہیں" ماں "تم کو ضرور پروا ہونی چاہئے پڑھو گے نہیں تو امتحان میں فیل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری کوئی عزت نہ کرے گا" لڑکے نے پھر وہی جواب دیا "کچھ پروا نہیں" اور یہ کہہ کر پھر بلی کے بچے کے ساتھ کھیلنے لگا۔ ماں نے کہا جمیل تم نہیں مانتے؟ مدرسے کا وقت سر پر چلا آتا ہے۔ پھر گھبراتے ہوئے ڈھونڈتے پھرو گے کہ سلیٹ کہاں ہے؟ کاپی کہاں ہے؟ لڑکے نے پھر اسی طرح کہا "اماں جان کچھ پروا نہیں"

ماں نے سوچا یہ اس کی بری عادت پڑ گئی ہے جو بات کہو یہی جواب دے دیتا ہے۔ کہ "کچھ پروا نہیں"

یہ سوچ کر انھوں نے جان بوجھ کر کھانے میں دیر کر دی۔ نہ ہنڈیا چڑھائی نہ روٹی پکائی، مدرسے کا وقت آگیا تو جمیل نے کہا اماں جان بھوک لگ رہی ہے۔ ماں نے کہا "کچھ پروا نہیں" اور وہ اسی طرح بیٹھی سیتی رہی۔ جمیل نے تھوڑی دیر انتظار کے بعد کہا، ماں اسکول کا وقت گذرا جاتا ہے کھانے میں دیر ہوئی تو میری غیر حاضری لگ جائے گی، ماں نے پھر وہی جواب دیا کہ "کچھ پروا نہیں"۔ اب تو جمیل بہت گھبرایا کہ اماں نے پہلے کبھی ایسی بات نہیں کہی تھی اور نہ اس روکھے پن سے جواب دیا تھا وہ حیران تھا کہ کیا بات ہے! دو تین منٹ تک خاموش رہا۔ پھر بولا کہ اماں مجھے کھانا دو بہت بھوک لگ رہی ہے! مدرسے کا وقت بہت تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے۔ ماں نے پھر وہی جواب دیا "کچھ پروا نہیں"۔ اب تو لڑکے نے ماں کی اس بات کی سہا

نہ رہی۔ رونے لگا اور اپنی بے وقوفی پر بہت پچھتایا۔ ماں کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ اب لڑکے کو نصیحت مل گئی تب اس نے اپنا کام چھوڑا۔ اور بچے کو پاس بلا کر بہت محبت سے سمجھایا کہ بیٹا تمھاری یہ عادت بہت بری ہے۔ ہر بات کے جواب میں کہہ دیتے ہو "کچھ پروا نہیں"۔

اگر تمھاری طرح میں بھی یہی جواب دیا کروں تو تمھارے۔ کھانے، پینے کپڑوں کا بندوبست کس طرح ہو۔ اور تمھارا کیا حال ہو جاتے۔ اس عادت کو چھوڑو اور تمیز سیکھو! اگر تم میری مرضی پر نہ چلوگے اور میرے کہنے کی پروا نہ کروگے تو بہت دکھ اٹھاؤگے" جمیل نے اس بات کے نقصان کو اب تک نہ سمجھا تھا۔ اب اُسے ہوش آیا۔ کہ پروا نہ کرنے سے کیا خرابی ہوتی ہے۔ اس نے پکا وعدہ کیا کہ وہ پھر کبھی ایسی نکمی بات نہ کہے گا۔ جمیل کو اس کی ماں نے کھلا پلا کر اسکول بھجوا دیا۔

کیلنڈر سال سنہ ۳۶ء

از سید ذکا الرحمٰن صاحب دہلی

ستمبر، دسمبر	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات
اپریل، جولائی	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
جنوری، اکتوبر	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ
مئی	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار
اگست	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر
فروری، مارچ	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل
جون	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ
					۱	۲	۳
	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷
	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱

دوستی

از نیناد وسیلہ، میرٹھ

بہت دنوں کی بات ہے جزیرہ سسلی پر جو اٹلی کے جنوب میں واقع ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ڈائی نوسی اس (DIONYSIUS) حکومت کرتا تھا یہ بہت ظالم بادشاہ تھا۔ اس زمانے میں سسلی کا دار السلطنت سائراکوس تھا۔ ایک مرتبہ ایک اجنبی جس کا نام پتھیاس (PYTHIAS) تھا قیدی کی حیثیت سے سائراکوس میں لایا گیا اور ڈائی نوسی اس نے اسے موت کا حکم دیا۔ پتھیاس جانتا تھا کہ اس کو چھٹکارا ملنا ناممکن ہے۔ پھر بھی اس نے بادشاہ سے رحم کی درخواست کی اور عرض کیا کہ "جہاں پناہ مجھ پر ایک عنایت کی جائے اور مجھے اجازت دی جائے کہ اپنی بیوی اور پیارے بچوں سے مل آؤں"۔ بادشاہ نے ہنس کر کہا "کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ تم واپس آ جاؤ گے"۔

اس زمانے میں پتھیاس کا ایک دوست ڈیمن بھی سائراکوس میں مقیم تھا اس نے سن کر بادشاہ سے کہا "جہاں پناہ میں پتھیاس کی ضمانت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں اگر پتھیاس لوٹ کر نہ آئے تو مجھے موت کی سزا دی جائے"

یہ سن کر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا اُسے کبھی گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص دوسرے کی جان بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر سکتا ہے اسے پورا یقین تھا کہ پتھیاس کبھی نہ آئے گا اس نے حقارت سے مسکرا کر کہا "ڈیمن اگر تو ایسا ہی بیوقوف ہے تو بے شک تجھے اپنی جان دے دینی چاہیئے" پتھیاس نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے روانہ ہو گیا۔ ڈیمن کو جیل خانے میں ڈال دیا گیا۔

ہوا کی موافقت کی وجہ سے پتھیاس جلد ہی اپنے وطن پہنچ گیا اور اپنے دوستوں بیوی اور

برف کا ایک پہاڑ قطب جنوبی کے پاس بہتا ہوا

یہ ہوائی جہاز صرف تین دن میں انگلستان سے ہندوستان کا سفر کریگا ۔

بچوں سے مل ملا کر بے چارا واپسی ہی لوٹ پڑا، لیکن آب و ہوا موافق نہ تھی۔ اس کا جہاز تباہ و برباد ہو گیا۔ جنگلوں میں خوفناک جانوروں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور اس طرح اس کو واپس ہونے میں دیر ہو گئی

اس زمانے میں ڈیمن صبر سے قید کے دن گذارتا رہا۔ وہ پتھیاس کا انتظار ضرور کرتا رہا۔ لیکن اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ اسے اپنے دوست کے بدلے میں جان دینے کا موقع مل جائے۔

ایک مرتبہ بادشاہ جیل خانے کی طرف سے گذرا اور طنزاً ڈیمن سے کہا "تیرا وقت قریب آگیا ہے" ڈیمن نے صبر سے کام لیا اور سنجیدگی سے جواب دیا۔ اگر ہو سکا تو میرا دوست ضرور واپس آئے گا نہیں تو میں بڑی خوشی سے اس کے بدلے جان دیدوں گا۔ آخر کار قتل کا دن آپہنچا اور بہت سے لوگ اس وفادار دوست کی جاں نثاری کا تماشا دیکھنے جمع ہو گئے۔ ڈیمن قید خانے سے مقتل میں لایا گیا۔ سب لوگوں کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ڈائی نوسی اس تخت شاہی سے حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا لوگ تعجب سے اس طرف دیکھ رہے تھے اور حیران تھے کہ اس قدر بے تحاشا کون بھاگا چلا آرہا ہے۔ یکایک مجمع چلا اٹھا "لو پتھیاس آگیا" "پتھیاس آگیا" اور پسینے سے تر تھکا ماندہ، ہانپتا ہوا سوار گھوڑے سے کود پڑا۔

جلاد ڈیمن کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن بادشاہ نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "خبردار ٹھہرو" مجمع خاموش کھڑا تھا۔ بادشاہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے

ظالم بادشاہ نے گرج کر کہا "یہ نہیں مارے جائیں گے انہوں نے مجھے دوستی اور وفاداری کا سبق سکھایا ہے کیا اچھا ہوتا اگر میں بھی اس دوستی کے رشتے میں تیسرا فریق بن سکتا"۔

لطیفے

باپ :۔ حامد تم گھوڑے پر بیٹھے کیا کر رہے ہو ؟
حامد :۔ ابا جان ماسٹر صاحب نے کہا تھا کہ گھوڑے
پر مضمون لکھ کر لاؤ۔
باپ :۔ گھوڑے پر بیٹھ کر ؟
حامد :۔ ابا جان تو پھر کس طرح لکھوں ۔ ماسٹر صاحب نے
تو مجھے گھوڑے پر لکھنے کو کہا تھا۔

قدسیہ

ماں :۔ (ناراضگی سے) اصغر
اصغر :۔ جی اماں
ماں :۔ رات اس الماری میں دو بسکٹ میں نے رکھے
تھے ایک ان میں سے غائب ہے ۔ یہ ایک کیسے
رہ گیا۔
اصغر اماں رات اندھیرا بہت تھا۔ اس لئے ایک مجھ
کو نظر نہیں آیا ۔

ایک گنوار نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور فرسٹ
کلاس میں جا کر بیٹھ گیا ۔ جب بابو نے ٹکٹ دیکھا تو وہ بہت
ناخوش ہوا اور کہا کہ یہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ہے ۔ تم فرسٹ
کلاس میں کیوں بیٹھے ۔
گنوار :۔ تم بھی ظلم کرتے ہو (ظلم کرتے ہوا پہنچیں گے تو سب

بابو :۔ (ناخوش ہو کر) نامعقول دیکھتا نہیں کہ اس میں کریچ
کی گدیاں لگی ہیں ۔ تھرڈ کلاس اور فرسٹ کلاس
میں کتنا فرق ہے ۔ (گنوار چلتی ریل سے گدیاں پھینک کر)
لیو اب تو سب برابر ہو گئے ۔

د ، ب بنت سید یاد علی صاحب زیدی

ماں :۔ فرنیک (ایک لڑکے کا نام) تمہارے لئے میں کیا
منگواؤں ۔ کیونکہ آج تمہاری سالگرہ ہے۔
فرنیک :۔ اماں ایک ٹیلیفون ۔ تاکہ میں بغیر اسکول
جائے ہی ماسٹر صاحب کے سوال کا
جواب دے سکوں ۔

ماسٹر صاحب :۔ کیا کوئی لڑکا بتا سکتا ہے کہ مچھلی پکڑنے کی جالی
کس طرح بنی ہے ؟
ایک شاگرد :۔ ماسٹر صاحب بہت سے سوراخوں کو ایک
ساتھ باندھ دینے سے جالی بن جاتی ہے۔

رضیہ خاتون

مجسٹریٹ :۔ حاضرین عدالت میں سے اگر کسی نے شور کیا تو ہم باہر نکال دیں گے
چور :۔ لیجئے صاحب میں شور مچاتا ہوں

معلومات

پولینڈ میں ایک نہر پر پچاس فٹ لمبا لوہے کا پل تھا کسی نے نہ جانے کیسے چرا لیا۔ پولیس چوروں کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن ابھی تک نہ چوروں کا سراغ ملا ہے نہ پل کا۔

ہنگری میں ایک کتیا نے ایک جھول میں ۲۶ بچے دئے تمام دنیا میں یہ پہلی مثال ہے۔ ابھی تک تمام بچے تندرست اور زندہ ہیں۔

ایک اخبار نویس نے بتایا ہے کہ اس کی عمر اس وقت ۲۵ سال کی ہے اس نے ۹½ سال کی عمر سے سگرٹ پینا شروع کیا وہ اس وقت جتنے سگرٹ پی چکا ہے اگر انہیں سیدھی قطار میں ساتھ ساتھ رکھ دیا جائے تو ۱۳½ میل لمبا سگرٹ بن جائے۔

زیکو سلوویکیا میں بچوں کی دلچسپی کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا کئے جا رہے ہیں۔ آئندہ بچوں کو اسکول بلانے کے لئے گھنٹے اور گھڑیال کی جگہ وائرلیس (ریڈیو) سے کام لیا جائے گا۔ درجوں میں بیٹھنے کے بعد ۵ منٹ تک ریڈیو پر تمام ملکی خبریں سنائی جائیں گی۔ پھر کچھ دیر بیٹھے بیٹھے گیت سنانے کے بعد اسکول کا کام شروع ہو جائے گا

ویسٹ ورتھنگ میں ایک شخص کے مکان کے باہر گلاب کی ایک جھاڑی ہے۔ مالک مکان کا دعویٰ ہے کہ اسے اس کی ماں نے آج سے اسی سال پہلے وہاں لگایا تھا۔ انگلستان میں یہ جھاڑی سب سے پرانی سمجھی جاتی ہے۔

از صلاح الدین خاں۔

پانی گرم کرتے وقت تم نے دیکھا ہوگا کہ بلبلے اٹھنے لگتے ہیں بات یہ ہے کہ پانی میں ہوا بھی ملی ہوتی ہے۔ پانی کو گرم کرنے سے اس میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس گرمی کا اثر ہوا پر بھی ہوتا ہے وہ ہلکی ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ خارج ہونے لگتی ہے بلبلے اس ہوا کے نکلنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

احمد عزیز خاں ضیا، لدھیانہ

کیلی فورنیا میں مینڈکوں کے کودنے کا مقابلہ ہوا تھا ایک مینڈک ۱۳ فٹ ۱۱ انچ کود گیا۔

جولس برٹل نک نام کا ایک انگریز دنیا کے گرد پندرھویں مرتبہ چکر لگا رہا ہے۔

یارک شائر میں ایک جگہ پر پچھلے ستر سال سے دن رات برابر آگ جل رہی ہے۔

مچھر کے منہ میں ۲۲ دانت ہوتے ہیں۔

دنیا کا سب سے گہرا کنواں فرانس میں ہے اس کی گہرائی ۳½ ہزار فٹ ہے

ہنگری میں ایک گراموفون ایجاد کیا گیا ہے جو اوسط درجے کی جیبی گھڑی کے برابر ہے ریکارڈ بھی اتنے ہی بڑے۔ باوجود اس کے آواز بہت صاف ہے

دنیا کی سب سے چھوٹی گھڑی لندن کے ایک جوہری کے پاس ہے یہ تین پنس کے سکے کے برابر ہے اس کی بڑی سوئی ½ انچ لمبی ہے

صنوبر کے درخت کی عمر ساڑھے تین سو، زیتون کے درخت کی سات سو اور دیودار کے درخت کی ڈھائی ہزار سال ہے۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ طوطے ۶۰ برس تک زندہ رہتے ہیں۔

اب سے سات آٹھ برس پہلے سینما کی تصویریں صرف چلتی پھرتی تھیں۔ بولتی نہ تھیں - اب تصویروں کا بولنا عام بات ہے۔ ترقی کا اگلا قدم یہ ہوگا کہ جو منظر سامنے ہوگا اس کی بو بھی آئے گی۔ باغ کا منظر ہوگا تو پھولوں کی خوشبو آئے گی۔ کرنٹے کی دکان کا منظر ہوگا تو کونٹے کی بو آئے گی اور اگر کچی سڑک پر پانی کا چھڑکاؤ ہوگا تو مٹی کی سوندھی سوندھی بو آئے گی۔

انگلستان میں ہر ہفتے ایک کروڑ پچاس لاکھ انسان سینما دیکھنے جاتے ہیں۔

انگلستان میں کبوتروں کی دوڑ کا بہت شوق ہے وہاں اس وقت ایک لاکھ ایسے شوقین ہیں جن کا مشغلہ ہی کبوتر اڑانا ہے ان کے پاس چار کروڑ کبوتر ہیں۔

سلطنت برطانیہ میں آج سے ۵۹ برس پہلے ایک بھی ٹیلیفون نہ تھا

ہر ایک آدمی ہر روز ساڑھے سترہ سیر ہوا اپنے پھیپھڑوں میں لے جاتا ہے

ہالینڈ میں دس ہزار سے زیادہ ہوائی مشینیں ہیں جن میں سے ہر ایک اوسطاً ۳۱۰ ایکڑ زمین سیراب کرتی ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے جہازوں کی رفتار شکاری کتے کی رفتار کے برابر ہوتی ہے یعنی ۳۰ میل فی گھنٹہ

سید نصیر احمد صاحب جامعی، از لاہور

لندن کے ٹیلیفون کے محکمے میں چار ہزار لڑکیاں کام کرتی ہیں۔

محترم بندہ سلام مسنون ...... کل .... اسکول گیا۔ معلوم ہوا کہ اگست کا پیام تعلیم آیا ہے ۔ ایک صاحب پڑھ رہے تھے۔ مگر ادب و لحاظ کو بالائے طاق رکھ کر رسالہ چھین لیا ۔ ماشاء اللہ آپ کا رسالہ تو روز بروز ترقی کر رہا ہے ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ ٹائٹل پیج رسالے میں بہترین چیز ہے اور واقعی قابلِ داد و تعریف ، جناب نیر صاحب ظلہٗ تو گویا بچوں کی شاعری کے بادشاہ ہیں موٹو چھوٹو کے متعلق ایک بات یہ عرض کرنا ہے کہ اُن کے متعلق جو مضامین بچے لکھ کر روانہ کرتے ہیں ان میں سے بہترین مضمون کبھی کبھی رسالے میں تو شائع فرمایا کیجئے ۔ تاکہ دوسرے بچوں کو معلوم ہو جائے کہ کس قسم کا مضمون ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں ۔ بہر حال آپ کی ادارت میں رسالے نے کافی ترقی کی ہے ۔

آپکا نیازمند (پروفیسر) اظہر (علی صاحب فاروقی)

محترم ..... تسلیم ۔ پیام تعلیم کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے ۔ لطیفوں کا انعام کتابوں کی صورت میں ہونا چاہیئے .... پیام تعلیم پندرہ روزہ ہونا اشد ضروری ہے ۔ ایک صفحہ خبروں کا بھی ہو ۔ پہیلے بھی ہوں ۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ٹائٹل ہر مہینے نیا ہوتا ہے ۔ اب کے سالگرہ نمبر میں ایڈیٹر صاحب کی تصویر بھی ہونی چاہیئے ۔ فقط

محمد یحییٰ انصاری

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب قبلہ

السلام علیکم ۔ رسالہ "پیام تعلیم" ہمارے مدرسے میں برابر آتا ہے ۔ اور ہم تمام طلباء کا ہر دل عزیز رسالہ ہے ۔ خاص کر وہ میرا سچا رہبر اور حقیقی دوست ہے جسے پڑھ کر ختم کئے بغیر دل بے قرار رہتا ہے ۔ سچ مچ پیام تعلیم طلباء کے لئے ایک استاد کا کام دیتا ہے جس میں ہر ایک عنوان پر اچھے اچھے مضمون شائع ہوا کرتے ہیں

آپ کا سید صاحب پیران ۔ چنیل گڑھ میسور

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ۔ اس خط کے ساتھ تصویر میں رنگ بھر کے بھیج رہی ہوں ۔ پیام تعلیم مجھے پسند ہے ۔ کوشش کر رہی ہوں کہ اگلے مہینے سے اپنے نام جاری کراؤں ۔ مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہو گیا ہے اور میرے پاس ریاست پٹیالہ کے نئے اور پرانے ٹکٹ ہیں ۔ یعنی وکٹوریہ ، ایڈورڈ اور جارج پنجم کے ۔ ان ٹکٹوں میں ریاست پٹیالہ کے فالتو ٹکٹ بھی ہیں جو شوقین بدلنا چاہیں وہ غیر ملکی اور دوسری ریاستوں کے پرانے اور نئے ٹکٹ بھیج کر بدل سکتے ہیں انشاء اللہ ڈرائنگ کے متعلق مضمون لکھ کر بھیجا کروں گی ۔

زاہدہ خانم ۔ معرفت امیر احمد خاں صاحب
محلہ نئی سرائے ۔ بسی پٹھانان ۔
سرہند روپڑ ریلوے

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

میرے پاس حیدرآباد دکن کے کافی تعداد میں ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں۔ اس لئے میں ان ٹکٹوں کا ہندوستان کے انڈوند ہنم کے زمانے کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں اگر کوئی پیام بھائی ہم خیال ہوں تو اس پتے پر خط کتابت کریں فقط

فاروق اسداللہ (نمبر خریداری ۵۴۴) فرزند مولوی محمد اسداللہ صاحب اسسٹنٹ انجنیئر، نظام ساگر (حیدرآباد دکن)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ پیام تعلیم تسلیم

جولائی کا پرچہ ملا۔ ماشاء اللہ خوب ہے۔ مضامین بھی عام فہم ہیں۔ اگر آپ اس قسم کے مضامین کا اضافہ اور کردیں، جیسے ننھوں کے پلنے بچپن میں۔ وغیرہ وغیرہ تو بہت عمدہ ہوسکتا ہے مجھے زیادہ تر اسی قسم کے مضامین پسند ہیں۔ میں آپ کے پرچے کے متعلق ایک اور مشورہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ پیام تعلیم ہر مہینے ہر قسم کے نظمیں، مضامین، لطیفے پیش کرتا ہے۔ لیکن نظم نما نثر اب تک شائع نہیں ہوئی۔ ضرور شائع کیجئے اور پیام تعلیم پابندی وقت سے شائع ہو تو بہت ممکن ہے رسالہ روز افزوں ترقی کرے بفضل خدا اب بھی رسالے کی حالت ترقی پذیر ہے۔ جب اور بھی لوگ خریدار ہوں گے

محمود علی (نبشاشر) خیریت آباد۔ (دکن)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

ماہ اگست کا پرچہ بڑے انتظار کے بعد وصول ہوا۔ سر فضل حسین صاحب مرحوم کے حالات نہایت ہی شوق سے پڑھے۔ بھائی غلام احمد صاحب ناصر کے شعبدے بھی پسند آئے بھائی صاحب کے اکثر مضمون اخبار پھول میں بھی دیکھتا رہتا ہوں بھائی محمود علی صاحب کی رائے سے مجھ بھی اتفاق ہے پیام کو نصف ماہی کردینا ہی ٹھیک ہوگا۔ اگست کے پرچے میں نہ خریداروں کی فہرست میں نہ خط کتابت میں مجھے اپنا نام پاکر سخت افسوس ہوا میں چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے ٹکٹوں کا دوسرے ملک کے ٹکٹوں سے مبادلہ کروں کیا بھائی محمد ابن یامین صاحب حیدرآباد کے موجودہ ٹکٹوں کے بدلے میں افغانستان کے ٹکٹ روانہ فرمائیں گے مجھ سے خط کتابت کریں اگر آپکے پاس بیرون ہند کے ٹکٹ ہوں تو روانہ فرمایئے مشکور ہوں گا۔ ماہ جولائی کے مہینے میں رنگ بھرنے کی تصویروں کے میچ میں شرکت نہ کرسکا مگر اب کی مرتبہ اخبار کو تصویروں سے خالی پاکر افسوس ہوا۔ جو بھائی ٹکٹوں کا تبادلہ کرنا چاہیں۔ ذیل کے پتے پر خط کتابت کریں۔

بشیر احمد صاحب

سلطان بازار مارکیٹ روڈ بنگلہ نمبر ۲۰۹۔ حیدرآباد دکن

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب اخبار پیام تعلیم

تسلیم۔ آپ کا پرچہ بابت ماہ اگست ملا۔ میرے بچوں نے اسے خوب شوق سے پڑھا اور بے حد پسند کیا واقعی پرچہ ہے بھی اُن کی قدر کے لائق۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اُن کو پسند نہ آتا۔

نیاز مند یوسف

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

گذارش ہے کہ پیام تعلیم ماہ اگست ملا پڑھ کر دل کو نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اس میں حسب ذیل مضمون اچھے ہیں:۔

نادان ظفر، موتی بیگم، فلسطین، اتفاق، یونان کا ایک پڑنا شہر

(مظہر الحق۔ کلکتہ)

F.S.
نام .... عمر .... درجہ .... تصدیق ....
پورا پتہ ....

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

چندہ سالانہ عہ

فی پرچہ ۴ر

عزیز احمد صاحب ۔ بالاگھاٹ
ابوبکر جوزف صاحب ۔ کولمبو
مدرسہ تحتانیہ درجہ اول پربھنی
〃 〃 جنتور
احمد کلب دارالامان ، بانکی پور
محمد شاکر خاں صاحب ۔ بربہرہ
عبدالاحد خاں صاحب ۔ مغل سرائے
مدرسہ اسلامیہ ۔ بنٹوا ۔
انارس خاں صاحب ۔ گنتہ ملیہ
محمد شجاعت حسین صاحب ۔ بھکاری
سی ، ایم ، ایس ، اے ، وی ۔ مڈل اسکول سکندرہ
صاحبزادہ افسر حسین صاحب داتا گنج
قیصر باغ ، فائنل اسکول کلب ، لکھنؤ
زہرہ خاتون بیگم صاحبہ ، دہلی
میمونہ خاتون صاحبہ ، حیدرآباد
صہبائی عباس ہاشمی صاحب ، لشکر
آر ، بی ، حیدر مہرا صاحب ، پالم پور
بنت محمد عبدالخالق صاحب ۔ حیدرآباد
صابر علی خاں صاحب جے پور
سردار اعجاز احمد خاں صاحب کالا افغانان

اسلامیہ ہائی اسکول ۔ ایبٹ آباد
مسلم اے وی اسکول ۔ نصیر آباد
عبدالعزیز صاحب ۔ سیالکوٹ شہر
صلاح الدین محمود خاں صاحب علی گڑھ
ایم ایچ پیر محمد صاحب ۔ کولمبو
انوار علی صاحب ۔ کلکتہ
منشی محمد صالح صاحب ، ناگپور
مبشر احمد صاحب تمنائی ۔ حیدرآباد
جنواز خاں صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں
محمد عبدالسلیم صاحب ۔ آسی لہریا سرائے
ڈی ، بی اسکول ۔ ڈیرہ گوپی پور
سید بدر عالم صاحب ۔ مکن پور شریف
مسٹر قاضی محمد قاضی ، محمد قاسم میمن ٹنڈو محمد خاں
بیگم صاحبہ چوہدری عظمت رسول صاحب رودولی
محمد سلیم صاحب ۔ شملہ
محمد فضل اللہ صاحب ۔ بستی
رحیم النسا بیگم صاحبہ ۔ پونہ
صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ ۔ وصناسری
〃 〃 〃 〃 وگوال
〃 〃 〃 〃 کوہلی
〃 〃 〃 〃 کھوارم

صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ منگتم
〃 〃 〃 〃 الگوڑہ
〃 〃 〃 〃 ہلدکھری
〃 〃 〃 〃 مرطول
صدر معلمہ صاحبہ مدرسہ نسواں اردو ۔ بیدر
〃 〃 〃 〃 کوہیر
〃 〃 〃 〃 اسد گنج
صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ واڑھونہ
〃 〃 〃 〃 ہڈولتی
〃 〃 〃 〃 کنگاؤں
〃 〃 〃 〃 وڈول
〃 〃 〃 〃 نیل گاؤں
〃 〃 〃 〃 چاکور
〃 〃 〃 〃 گنڑپور
〃 〃 〃 〃 چالوبلی
〃 〃 〃 〃 منڈرگی
〃 〃 〃 〃 اندھوری
〃 〃 〃 〃 کھنڈوالی
〃 〃 〃 〃 سالگوڑ گاؤں
صدر معلمہ صاحبہ مدرسہ نسواں اردو احمد پور
〃 〃 〃 〃 ہڈولتی

حاجی بابا اصفہانی

ایرانی زبان کی ایسی دلچسپ کہانی جو یورپی اور ایشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ حاجی بابا اپنی کہانی مزے لے لے کر سناتا ہے۔ خود بھی ہنستا اور سننے والوں کو بھی لٹا لٹا دیتا ہے۔ ایرانی معاشرت کا مرقع۔ اس سے بچوں کا فطری جذبہ ظرافت بیدار ہو جاتا ہے۔ حاجی بابا کی زبان سے بات میں بات پیدا کر کے ہندوستانی طرز حکومت، شہریت اور مدنیت کے شعبوں، مثلاً میونسپل ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلوں، زراعت، تجارت وغیرہ ہندوستانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں سے بچوں کو اس طرح واقف کرایا گیا ہے کہ مزے دار کہانی کے پیرائے میں بے شمار مفید باتیں اور معلومات ان کے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ یہ ملک کے مشہور ادیب پروفیسر تاجور صاحب نجیب آبادی نے بڑی کامیابی اور حسن و خوبی سے فارسی سے اردو میں اس طرح منتقل کی ہے کہ بالکل ہندوستانی معلوم ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے بہت مفید ہے۔ دس حصوں میں مجموعی حجم کوئی ۹۵۰ صفحے۔ اور قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے .... ہے

پھول باغ تاجور صاحب کی لکھی ہوئی بچوں کے لئے بہت مزے دار کہانیاں، تین حصوں میں ۲۵۲ صفحے۔ قیمت صرف تیرہ آنے ۱۳ر

مذہبی پیشوا تاجور صاحب نے ہر مذہب کے بانیوں کے حالات الگ الگ اس طرح لکھے ہیں کہ دل میں ہر مذہب والوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آج کل ملک میں ایسی کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔ بچے انہیں ضرور پڑھیں

حضرت مسیح ۵ر — حضرت زرتشت ۵ر

حضرت کنفیوشس ۵ر — راجہ رام موہن رائے ۵ر

ارجن پروفیسر رام سروپ کوشل جی نے ہندوستان کے بعض قدیم مشہور مہا پرشوں کے حالات الگ الگ لکھے ہیں۔ ۳ر

بھیشم ۳ر — نرسی ۳ر

دھرو ۳ر — ہریش چندر ۳ر

چندر ہانسا ۳ر — پرہلاد ۳ر

سدھارتھ ۳ر

شیطان کا چرخہ مشہور ادیب ایم اسلم صاحب نے بچوں کے لئے تین مزے دار کہانیاں لکھی ہیں دوسری کا نام "دانا لڑکی" تیسری کا نام "ہوشیار شہزادہ" ہے۔ ٹائٹل بہت پیارا۔ قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ دہلی

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۹۶۷

۲۹ر اکتوبر کو یاد رکھو

چند بزرگوں کی رائیں

منشی پریم چند صاحب فرماتے ہیں :-

پیام تعلیم کے پرچے کا مشکور ہوں مجھے تو اس کی نظمیں، مضامین اور تصاویر سبھی بچوں کے لئے خاص طور پر دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ موٹو اور چھوٹو خوب ہیں ریاستوں کی تاریخ چند لفظوں میں بڑی خوبصورتی سے بیان کر دی گئی ہے لطیفے جن لڑکوں نے بھیجے ہیں ان کے حسن مذاق کی داد دینے کو جی چاہتا ہے

پریم چند

جناب پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج حیدرآباد فرماتے ہیں :-

جامعہ کی جملہ تحریکات کے میں پیام تعلیم کو ... کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ وہ میرا ... ہمارے ملک کو اس قسم کے ... کی ضرورت ہے۔

اس دن تمہارے پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر شائع ہو جائے گا اب کے یہ پچھلے خاص نمبروں سے بھی بہتر ہوگا اچھے اچھے مضمون مزیدار کہانیاں سیر و سیاحت کے قصے اپنے دیس کے بڑے لوگوں اور جانوروں پرندوں وغیرہ کے حالات، گنجن چکا اور اپورٹ کی بہنوں کی ... اچھی اچھی نظمیں معلومات، معمے، شعبدے، لطیفے، ننھے ننھے کھیل، لیتھو اور بلاک کی بے شمار تصویریں۔ اس نمبر میں لڑکیوں کی دلچسپی کے مضمون بھی خاص طور سے لکھوائے گئے ہیں۔ تم یہ نمبر حاصل کرنا چاہتے ہو تو ابھی سے اس کے خریدار بن جاؤ۔ عمر کے ... ہو۔ ... حضرات کو بھی باخبر رہنا چاہیے۔ اشتہارات بھی چھپ سکتے ہیں۔ لیکن وہی جو بچوں کی دلچسپی اور فائدے سے تعلق رکھتے ہوں۔

مکتبہ جامعہ دہلی

پیامِ تعلیم

نو آبادیات کے نئے ٹکٹ جن پر شاہی خاندان کے لوگوں کی تصویریں ہیں۔
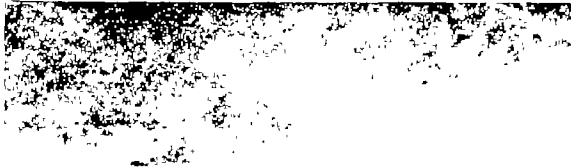
بوائے اسکاؤٹ لکڑی کی ناؤ بنا کر دریا پار کر رہے ہیں۔

طوطوں کے کرتب

پیامِ تعلیم دہلی

سالانہ قیمت عـہ

فی پرچہ ۳ـہ

جلد ۱۹ اکتوبر سنہ ۳۶ء نمبر ۱۰

فہرستِ مضامین

ایڈیٹر:۔ محمد حسین حسان ندوی۔ جامعی۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ جامعہ پریس

بچوں سے باتیں

سال گرہ نمبر کی تیاری بہت اہتمام سے جاری ہے، اور جس وقت یہ رسالہ تمھارے ہاتھوں میں پہنچے گا بہت سا کام نبٹ چکا ہوگا۔ اس مرتبہ کے مضمون اور تصویریں سب انشاء اللہ لاجواب ہوں گی۔

اس مہینے کے پیام تعلیم میں چھپنے کے لئے ان بچوں نے لطیفے بھیجے (۱) محمد فضل بہاولپور (۲) تصدق مصطفےٰ شروانی بگرہا (۳) محمد اسحٰق پشاوری (۴) ن، خ چھپرا منو (۵) شوکت بخش خان ملتانی (۶) میاں خورشید الدین کاکاخیل (۷) ابن الحسن رڑکی (۸) موسیٰ قادری حیدر آباد (۹) فضل الرحمٰن علی گڑھ (۱۰) اوم پرکاش صراف جہلم (۱۱) رفیق احمد شملہ (۱۲) محبوب الرحمٰن لکھنؤ (۱۳) قدیر احمد خاں رودائن (۱۴) زہرا خاتون (۱۵) محمد طیب اشرف بیکس (۱۶) سید ابو القاسم گیا۔ ان میں سے جن کے لطیفے چھپنے کے قابل سمجھے گئے۔ وہ کسی دوسری جگہ شائع ہوئے ہیں

حیدر آباد کے افسران محکمۂ تعلیم کی طرف سے جو مدد ہمیں ملتی رہتی ہے۔ اس کا شکریہ ہم پر ہی نہیں پیام تعلیم پڑھنے والوں پر بھی واجب ہے۔ اس لئے کہ ان ہی کی سرپرستی و قدر افزائی کی بدولت پیام تعلیم بڑی حد تک اس کامیابی سے چل رہا ہے نیچے ہم ان بزرگوں کی نوازشوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

جناب مہتمم صاحب تعلیمات ضلع گلبرگہ شریف ۱۹ خریدار

" " " " " بیدر ۹۴ "

" " " " " عثمان آباد ۷ "

" " " " " ورنگل ۳۱ "

" " " " " پربھنی ۳ "

" " " " " بلدہ و ضلع و اطراف ۸ "

بلدہ سرکار عالی

اسی سلسلے میں ہم حضرت عتیق جائسی کا بھی دلی شکریہ ادا کرتے ہیں وہ بھی خریداروں کی فراہمی کے سلسلے میں بہت سرگرمی سے کام کر رہے ہیں

جامعہ کی اوکھلے والی عمارت اب قریب قریب مکمل ہوگئی ہے۔ ۱۵ اگست سے ابتدائی مدرسہ وہیں چلا گیا ہے۔ تعلیم بھی باقاعدہ شروع ہوگئی ہے۔ کھلی ہوئی اور صحت بخش آب و ہوا کا بچوں اور بڑوں سب کی صحت پر خوش گوار اثر پڑ رہا ہے۔ اور قرول باغ کے مقابلے میں انھوں نے صحت میں نمایاں ترقی کی ہے۔

ستمبر کی رنگ بھرنے کی تصویر کے لئے ہم نے وقت مقرر نہیں کیا تھا بچے ۱۰ اکتوبر تک اِن تصویروں میں رنگ بھر کر بھیج دیں

سُورَج

(۱)

اُٹھ اور خدا کی پوجا کر مالک کی رب کی پوجا کر

اس قدرت کو تو دیکھ ذرا

کیوں رات گئی اور دن آیا

کیوں ننھے تارے ٹوٹ گئے

کیوں چندا ماموں چھوٹ گئے

کیوں ظلمت[لہ] بھاگی جاتی ہے

کیوں دنیا جاگی جاتی ہے

او نیند کے ماتے اٹھ جا تو یہ کس کی سواری آتی ہے

(۲)

آکاس کے منڈل میں دیکھو

یہ کس کی ڈھولک باجی ہے

یہ کون پپیہا آتا ہے

پی کہہ کے کون بلاتا ہے

لہ :- اندھیاری

یہ کیسی چمک ہے پورب میں
یہ کس کی دمک ہے پورب میں
او نیند کے ماتے اُٹھ جا تو   او دیکھ چمک یہ کیسی ہے؟

(۳)

وہ نور کے رتھ میں کون چڑھا
وہ نور کی چھاؤں میں کون بڑھا
وہ کون شہنشاہ آتا ہے
ہر سر کو جو یوں جھکواتا ہے
او سب سے اونچے کون ہے تو   او نور کے پتلے کون ہے تو؟

سورج کا جواب

میں تیرے رب کا بندا ہوں
میں اس کی پوجا کرتا ہوں
مجھ جیسے لاکھوں بندے ہیں
جو اس کی سیوا کرتے ہیں۔
پر ہم سے بھی اونچا رب ہے تیرا!!   ہر چیز سے اونچا رب ہے تیرا!!
اٹھ اور خدا کی پوجا کر
مالک کی رب کی پوجا کر

گالی لیو اور دوربین

از محمد احمد صاحب سبزواری

گالی لیو شہر فلارنس کے ایک امیر اور معزز آدمی کا لڑکا تھا۔ یہ ۱۵۶۴ء میں پیدا ہوا۔ جب یہ بچہ تھا تو اس کو گانے اور شاعری کا بہت شوق تھا۔ اس کے باپ نے اس کو پیسا کی یونیورسٹی میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن اُسے بجائے ڈاکٹری کے علم ریاضی سے دلچسپی تھی اس زمانے میں تمام طالب علم یونان کے ایک مشہور حکیم ارسطو کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اُن کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوتا تھا۔ اس کو ٹھیک مانتے تھے۔ لیکن گالی لیو نے جب غور سے کام لینا شروع کیا تو اسے معلوم ہوا کہ ارسطو کی بتائی ہوئی بعض باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ مثلاً یونانی حکیم کہتا تھا کہ اگر ایک ہی اونچائی سے ایک ہی وقت میں دو مختلف وزن کی گیندیں زمین پر پھینکی جائیں تو جس کا وزن زیادہ ہوگا وہ پہلے زمین پر گرے گی اور جس کا وزن کم ہوگا وہ بعد میں۔ گالی لیو نے کہا کہ ارسطو کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا کہ دیکھو یہ شخص حکیم ارسطو کا قول جھٹلاتا ہے۔ گالی لیو کو یہ بات ناگوار گذری تو ایک دن کچھ پروفیسروں کو ساتھ لے کر پیسا[1] کے جھکے ہوئے مینار پر چڑھ گیا اور وہاں سے دو گیندیں جن میں سے ایک کا وزن دس پونڈ اور دوسری کا ایک پونڈ تھا ایک ہی وقت میں زمین پر پھینکیں۔ وہ دونوں گیندیں ایک ساتھ زمین پر گریں اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ ارسطو غلط کہتا ہے اور اس کا خیال صحیح ہے۔ جن پروفیسروں نے اس تجربے کو دیکھا وہ بھی کچھ خوش نہ ہوتے اور وہ یہ سمجھے کہ گالی لیو نے اُن کا مذاق اُڑایا۔ اس کو یہ بات بہت ہی ناگوار گذری اور اس نے شہر پیسا کو چھوڑ دیا۔

اب اس نے سورج، چاند اور ستاروں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور اپنے اس کام کے لئے اس نے دوربین بنائی سب سے پہلے اس نے ایک شیشے کی نلکی میں دو شیشے لگائے یہ دونوں ایک طرف سے چپٹے تھے۔ مگر اوپر کے شیشے میں ہر چیز بڑی نظر آتی تھی اور نیچے والے میں ہر چیز چھوٹی نظر آتی تھی۔ اس آلے کی ایجاد سے وہ تمام آسمانی چیزوں کو پہلے سے تین گنا دیکھنے کے قابل ہو گیا اور اپنی اس دوربین کی مدد سے اس نے بہت سے نئے ستارے معلوم

---

[1] اٹلی میں ایک شہر ہے جہاں پرانے زمانے کا ایک مینار ہے جو برسوں سے اسی طرح جھکا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اسے جھکا ہوا مینارا کہا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں انجینیروں نے بتایا ہے کہ مینار کی حالت کچھ خطرناک ہو گئی ہے۔ اور اس وجہ سے لوگوں کو اس پر چڑھنے اور اس کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔

گئے جواب تک کسی کو معلوم نہ تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک اور دوربین بنائی جس میں ہر چیز اپنی اصلی جسامت سے (۳۰) گنا بڑی نظر آتی تھی اسی کی مدد سے اس نے معلوم کیا کہ چاند میں پہاڑ ہیں۔

گالی لیو سے بہت عرصے پہلے ایک شخص کوپرنکس نامی نے یہ دریافت کیا تھا کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین اور دوسرے سیارے سورج کے چاروں طرف چکر لگاتے ہیں۔ لوگ اس شخص کی بات کو نہیں مانتے تھے۔ مگر گالی لیو نے چونکہ خود ان چیزوں کا مطالعہ کیا تھا اس وجہ سے اس نے کہا کہ کوپرنکس جو کچھ کہتا تھا وہ صحیح ہے۔ اس واقعہ سے اس کی شہرت بہت ہو گئی۔ اور وہ بہت جلد مشہور ہو گیا مگر تمام مذہبی پیشوا اس کے خلاف ہو گئے۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ بائبل کو جو ان کی مذہبی کتاب ہے غلط ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لئے اس کو روم بلایا گیا جو اس زمانے میں مذہبی لوگوں کا مرکز تھا اور اس کو ایک مذہبی جماعت کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ مذہبی جج سائنس سے بالکل ناواقف تھے اس لئے انھوں نے طے کیا کہ اگر آئندہ گالی لیو یہ کہے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے تو اس کو قید کر دیا جائے غریب گالی لیو نے سزا کے ڈر سے کہہ دیا کہ نہیں میں غلط کہتا ہوں زمین سورج کے گرد نہیں گھومتی بلکہ سورج زمین کے آس پاس چکر لگاتا ہے۔ پادری یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اُسے آزاد کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد گالی لیو اندھا ہو گیا اس کو اپنے اندھے ہونے کا بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ اپنی آنکھوں کی بدولت ہی دوربین وغیرہ سے کام لیتا تھا۔ اور نئی نئی باتیں دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر ۷۸ سال کی عمر میں غریب بوڑھا بہت ہی ذلت کی حالت میں مر گیا۔ لیکن اس کے مرنے کے ایک عرصے کے بعد لوگوں کو احساس ہوا کہ گالی لیو کتنا بڑا غور و فکر کرنے والا آدمی تھا چنانچہ انھوں نے اس کی قبر پر ایک یادگار بنائی اور آج ہر شخص جس کو سائنس کے علم سے ذرا بھی تعلق ہے اسے بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتا ہے

چند نادر ٹکٹ

یہ فہرست ان ٹکٹوں کی ہے جو حال ہی میں نکلے ہیں۔ بلجین کونگو (BELGIAN GONGO) ۵، ۱۰، ۲۵، ۱۲۵ اور ۱۵۰ سنٹس۔ ان ٹکٹوں پر ملکہ البرٹ (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے) کی تصویر ہے مصر (EGYPT) دس ملیم کے لال ٹکٹ یکم مارچ کو نکلے تھے کیپ جوبلی ۱۰ سینٹ کے گہرے سبز، ۲۰ سینٹ کے سیاہی مائل ٹکٹ جو ۱۹۳۲ء میں نکلے تھے اب ان پر لال رنگ سے کیپ جوبلی (CABO JUBLY) لکھا ہوا ہے۔ نیوزیلینڈ (NEWZEALAND)۔ دو نئے ٹکٹ جن پر ۱۹۱۵، ۱۹۳۶ لکھا ہوا ہے بہت خوب صورت ہیں عراق۔ عراق کے وہ ٹکٹ جن پر "دورِ عہد برطانیہ" لکھا ہوا ہے۔ چار چار آنے کو ملتے ہیں اور ٹکٹ جو حکومت نے استعمال کئے تھے پانچ پانچ آنے کو

از ظہور احمد

موٹو اور چھوٹو

ذکی احمد ہاشمی

ایک دن موٹو نے اپنے گھر میں فرش بچھایا! لکھنے پڑھنے کا کچھ کام کرنا چاہتے تھے۔ اتنے میں اُن کے دوست چھوٹو آ گئے مگر فرش پر قدم رکھتے ہی اُن کا پیر پھسل گیا اور دھڑام سے گرے اُن کے گرنے سے دوات بھی الٹ گئی۔ اور فرش خراب ہو گیا موٹو نے جو یہ حال دیکھا تو اپنا سر پیٹ لیا اور غصّے میں بھرے ہوئے باہر نکل گئے۔ شاید چھوٹو کو سزا دینے کے لئے لکڑی لینے گئے تھے۔ چھوٹو گرتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ بے چارے کو افسوس بھی تھا۔ پریشانی اور گھبراہٹ بھی موٹو کی عادت سے واقف تھے کہ اب مار پیٹ کی نوبت آنے والی ہے۔ مگر تم جانو تھے بہت ذہین فرش پر گری ہوئی روشنائی کو غور سے جو دیکھا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ تصویر سی بنی ہوئی ہے بس بیٹھ کر اُسے ٹھیک کرنے لگے۔ اور شیر کی تصویر بنا ڈالی۔ اتنے میں موٹو بھی چھڑی لے کر پہنچ گئے غصے میں بھوت بنے ہوئے تھے۔ چھوٹو اپنے کام میں اس قدر مشغول تھے کہ انھیں موٹو کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ موٹو نے قریب آ کر دیکھا کہ آخر یہ کر کیا رہا ہے۔ جھک کر دیکھنے لگے۔ انھیں چھوٹو کی یہ بات بہت پسند آئی۔ غصہ وُصّہ سب اُتر گیا۔ اور خود بھی لگے تصویر بنانے اور فرش کے بیچوں بیچ ایک اژدہے کی تصویر بنا ڈالی۔ چھوٹو نے اتنی دیر میں سارے فرش پر شیر کی تصویریں بنا دیں۔ تصویریں بن چکیں، تو دونوں بڑی شان اور فخر سے اپنے کارنامے کو دیکھنے لگے۔ جیسے بہت بڑے مصوّر ہوں ؛

موٹو اور چھوٹو نمبر (۲)

دھوئیں کی پھانسی

سید ابو طاہر داؤد صاحب

ایک مرتبہ میں نے بھٹے کی سفید داڑھی اپنی سیاہ روشنائی میں رنگ کر مونچھیں تیار کیں اور منہ پر لگانے کے بعد آئینہ میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہو بہو ابا جاں کی مونچھیں ہیں۔ امی جان نے اس وضع میں دیکھ کر کہا۔ مونچھیں کیا ہیں۔ دو سیاہ مکھیاں تمھارے آبا کے ہونٹوں پر بیٹھی ہوئی ڈنڈ پیل رہی ہیں۔ اچھی نقل اتاری ہے۔

میاں عرشی جو مجھے سیدھا سمجھ کر "اللہ میاں کی گائے کا خطاب" دے چکے تھے۔ کہنے لگے۔ چلو آج چچا میاں کا روپ بھریں" یہ حضرت مجھ کو کبھی نہ کبھی الّو بنا ہی جاتے تھے اور میں بھی ایسا گول تھا کہ اُن کے گراموفون کی سوئی پر ریکارڈ کی طرح ناچنے لگتا تھا۔ آج یہ وجہ بھی تھی کہ میں خود بھی بڑا بننے کا شوقین تھا۔ غرض اُن کے کہنے میں اس طرح آگیا جس طرح شیطان کے کہے میں ہمارے دوسرے بھائی۔

اتفاق سے آج ابا جان اوپر کے کمرے میں سو رہے تھے۔ اس لئے اُن کے لباس کا کمرہ جو نیچے تھا بالکل خالی تھا ہم دونوں سب کی آنکھ بچاکر اس کمرے میں پہنچے اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے کپڑوں کو اس طرح ٹٹولنے لگے جس طرح کپڑوں کے شوقین تھاکس (پرانا مال بیچنے کے بازار) کے کپڑوں کو دیکھتے ہیں۔ بڑی مشکل سے میاں عرشی کو ابا جان کا ایک نیا "ڈنر سوٹ" (دعوتی لباس) پسند آیا۔ جس کا رنگ میرے بالوں سے زیادہ سیاہ تھا اور اس کی چمک دمک میرے چہرے سے زیادہ تیز اور روشن۔ میں نے اُن سے کہا بھی کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں خراب ہو جائے لیکن وہ کہنے لگے "کپڑے پہننے سے کبھی خراب نہیں ہوتا۔ آخر چچا میاں بھی تو پہن کر جاتے ہیں۔ خیر میں نے ڈرتے ڈرتے وہ لمبی پتلون اپنی ننھی ننھی ٹانگوں میں ڈال لی جیسے تکیوں پر غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بٹن بجائے کمر پر لگانے کے سینے پر لگائے اور اس کی مہریوں کو جو تاڑ کے درخت کی طرح لمبی تھیں پلیٹیں دے کر دو ریشمی رومالوں سے اپنی دونوں رانوں پر باندھ لیا۔ اور میں اچھا خاصا کارٹون معلوم ہونے لگا اس کے بعد میں نے کوٹ پہنا جس سے میرا سارا جسم ڈھک گیا۔ اس کوٹ کی لمبی آستینوں کو موڑنے کے بعد میں نے سر پر ہیٹ رکھا۔ جو واقعی مچھیروں کی ٹوکری معلوم ہوتا تھا۔ اور ہاتھ میں بید کی چھڑی لی جو میرے اتنے سے قد پر ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے چیونٹی کی پیٹھ پر دو گز کا تنکا۔

ان تمام تیاریوں کے بعد آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی مداری کا چھوکرا ہوں یا

رکھی کی مٹھائی بیچنے والا لونڈا۔ واہ ماشاء اللہ کیا صورت تھی۔ ذرا
خیال تو کیجئے کہ سر سے پیر تک ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے
کی طرح پردے لٹک رہے تھے۔ جس کے اندر سے ہماری چونچ
ہی دکھائی دے رہی تھی۔

عرشی نے ہمیں غور سے دیکھ کر کہا واہ تم تو مین میں
چچا معلوم ہوتے ہو۔ میں نے تیز ہو کر کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔
کیا میرے ابا جان کی ایسی ہی صورت ہے۔ اس نے کہا۔ اللہ پاک
کی قسم سچ کہہ رہا ہوں۔ یقین نہ آئے تو جمیلہ سے پوچھ لو۔"
یہ کہہ کر وہ میرا جواب سنے بغیر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا
اور چند منٹ بعد جمیلہ ثریا۔ رشید اور ہمایوں فر کی فوج ساتھ
لئے ہوئے واپس آیا۔ یہ لوگ کوئی موقع ہوتا تو مجھے اپنے قہقہوں اور
تالیوں سے دیوانہ کتا بنا ڈالتے لیکن اس وقت وہ گائے جیسی بلکہ سنز
اور بھولی صورت بنا کر مجھے یقین دلانے لگے کہ واقعی میں نے ابا جان
کا روپ ایسا اچھا بھرا ہے کہ اگر امی جان بھی آکر دیکھ لیں تو ان
کو شک ہو جائے۔ یہ سن کر میں ان کے جھانسے میں آگیا۔ اور
ایک خوشامدی کوے کی طرح مکار لومڑی کی چکنی چپڑی باتوں
پر یقین کرکے آئینہ کو غلط اور ان کی باتوں کو سچا خیال کر بیٹھا۔

"بچو مجھے سلام کرو۔ میں پیسہ دوں گا۔ میں نے
ان سب سے اکڑ کر کہا۔ گویا میں دس سال کا بچہ نہ تھا۔ بلکہ
چالیس سال کا بڈھا تھا۔ یہ سن کر سب کھل کھلا کر ہنس
پڑے۔ مگر میاں ہمایوں فر میرے قریب آکر کہنے لگے
"ابھی ایک کسر اور باقی ہے۔ اس کے بعد ہم پیسہ
لیں گے۔"

"وہ کیا؟" میں نے تن کر پوچھا
کہنے لگے کہ آپ کے ابا جان کے منہ میں ہر وقت
سگرٹ رہتا ہے"

"تو؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا
"تم بھی سگرٹ منہ میں لو۔ تب روپ پورا ہوگا"
"میں کبھی سگرٹ منہ میں نہ لوں گا۔ منہ سے بدبو آنے
لگتی ہے" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

واہ رے گنوار۔ کیا چچا جان کے منہ سے بھی
بدبو آتی ہے: عرشی نے کہا۔

میں اس جواب پر کچھ شرما سا گیا۔ لیکن چونکہ
میں ابا کی زبانی سن چکا تھا کہ سگرٹ بہت بری چیز ہے
اس لئے یوں ہی بات بنا کر کہنے لگا۔
"سگرٹ منہ میں لینے سے "دم گھوٹ" ہو جاتا ہے"
میرے اس کہنے پر سب قہقہہ مار کر اس طرح
ہنسے کہ میں جھینپ کر رہ گیا۔

"ارے گنوار ہے گنوار" ۔ عرشی نے کہا۔
بندر ہے بندر۔ "ہمایوں فر نے چڑا
"کیا سگرٹ بھی کوئی سانپ ہے جو ڈس لے گا۔"
ثریا نے اڑایا۔

سب کی پھبتیوں، فقروں اور طعنوں سے میں
بوکھلا گیا۔ اور آخرکار سگرٹ منہ میں لینے پر راضی ہو گیا۔
لیکن اب مشکل یہ آن پڑی تھی کہ ابا جان کے سگرٹ کے
ڈبے کا پتہ معلوم نہ تھا۔ چونکہ بھائی عرشی ہندوستانی
لڑکے تو تھے نہیں جو خاموش بیٹھتے۔ وہ تو ولایتی چھو کروں
کے بھی کان کاٹتے تھے۔ سب طرف تلاش کرنے کے بعد
کہنے لگے۔ ہو نہ ہو الماری ہی میں ہوگا۔ مگر اس کا کیا کیا جائے
کہ صندوق میں تالا لگا ہوا تھا جس کی کنجیاں ابا جان کی قمیص

کی جیب میں تھیں ...... آخر لاچار ہوکر عرشی صاحب چوری کرنے پر آمادہ ہوئے۔ اپنی امی جان کی کنجیوں کا بھاری بھرکم گچھا جس میں غدر کے زمانے سے لے کر آج تک کی کنجیاں موجود تھیں۔ اس طرح اڑا لائے جس طرح ہمارے اسکول کے لڑکے اپنے ساتھیوں کی پنسلیں اور کتابیں غائب کر دیتے ہیں غرض تالا کھولا۔ بکس نکالا اور اس میں سے سگرٹ لے کر میرے

منہ میں دیا گیا جس کو میں نے اپنے دانتوں میں اس طرح دبایا جیسے ہمارا ننھا بھائی دودھ پینے کی نپل کو دبالیتا ہے۔

اس کے بعد میں نے شان سے ان لوگوں کی طرف دیکھا تاکہ یہ میرے روپ کی تعریف کے گیت گائیں۔ مگر اب کی مرتبہ عرشی صاحب بول اُٹھے

"ابھی ایک کسر اور باقی ہے۔

خدا کے لئے وہ بھی بتاؤ۔" میں نے بیتاب ہوکر کہا

کہنے لگے۔ "تم نے سگرٹ تو سلگایا ہی نہیں" جس پر مجھ کو بڑا طیش آیا۔ لیکن میں اپنا خون پی کر رہ گیا ابھی میں کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ ہمایوں فر صاحب نے فوراً دیا سلائی جلاکر میری سگرٹ کے منہ پر لگا ہی دی۔ جو جل کر راکھ ہوگئی لیکن سگرٹ اسی طرح رہا۔ البتہ کچھ جھلس گیا۔ دوسری دیا سلائی جلائی۔ اس کے بعد تیسری اور چوتھی۔ لیکن سگرٹ تھا کہ جلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا میاں عرشی چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ گویا یہ ایسے بھولے بھالے ہیں کہ ان کو دیا سلائی اور سگرٹ کا حال ہی نہیں معلوم۔

کہنے لگے:۔

"میں ایک ترکیب بتاؤں"۔

"کہو" ہمایوں فر نے کہا۔

تجھ سے کہنے لگے " میاں شمسی ذرا دیر کے لئے اپنا سانس اندر کھینچ لو تو سگرٹ جل اُٹھے گا"

میں نے گھبرا کر پوچھا "دھواں تو میرے حلق میں نہ جانے لگا:

کہنے لگے اُس کی کیا مجال جو تمہارے حلق کی طرف رُخ بھی کرے "

پھر کہنے لگے " منہ میں جاکر دھواں تو "مجھے اُٹھالو (PICK . ME . UP) سوڈا واٹر کی طرح میٹھا اور خوشبودار ہو جاتا ہے "

میں اپنی بے وقوفی بیان کرتے ہوئے شرما رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں مجھے پیام بھائیوں کی خاطر سچ بولنا پڑتا ہے۔ تاکہ اُن کو سبق حاصل ہو۔ قصہ مختصر یہ کہ ادھر جلتی ہوئی دیاسلائی نے میرے منہ کے سگرٹ کا منہ چوما اور اُدھر میں نے کس کے ایک لمبا سانس کھینچا جیسے آپ ندی میں غوطہ لگاتے وقت کھینچتے ہیں۔ آہ کس طرح لکھوں کہ اس عمل کے کرنے سے سگرٹ کے منہ سے بجلی کی طرح کوندتا ہوا شعلہ باہر آیا۔ اور دھوئیں کا ایک زہریلا بادل میرے منہ کے اندر داخل ہوا جو میرے حلق میں چکر کاٹتا ہوا سینے پر لگا جس طرح توپ کا گولا قلعہ کی دیوار پر لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا سر گھومنے لگا دل دھڑکنے لگا۔ اور میں ہائے ابا کہہ کر بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ گرتے وقت میرے ساتھیوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور بے ساختہ قہقہے لگائے اور وہاں سے اس طرح بھاگ گئے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ معلوم نہیں میں کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ لیکن ابا کہتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر اور مجھ کو ہوش نہ آتا تو میں ضرور دم گھٹ ہو جاتا...... یہ دھوئیں کی پھانسی میری ننھی سی جان کا خاتمہ کر دیتی۔ اس لئے میں نے اُن سب سے دانہ پانی کُھٹ کر لیا ہے۔

کتابوں کی کیاری

یوں تو گھر میں بہت سی چیزیں ہیں جو مجھے اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ پھولوں کی کیاری بھی پسند ہے لیکن کتابوں کی الماری سب سے زیادہ عزیز ہے۔ جب الماری کے پاس بیٹھ جاتی ہوں تو اٹھنے کو جی نہیں چاہتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ نئی نئی کتابیں نکال کر پڑھے جاؤں۔ اللہ نے چاہا تو اس سال اسے خوب سجاؤں گی اور نئی نئی کتابیں خرید کر اسے بھر دوں گی۔ کتابوں کی الماری بھی پھولوں کی کیاری سے کم نہیں۔ کتابیں پودے اور بوٹے ہیں اور جو نصیحتیں ہمیں ان کتابوں سے ملتی ہیں وہ اس کیاری کے پھول ہیں۔

از سعیدہ خانم

مختلف ملکوں کے بچّے

اسپین کی کارلوٹا

محمد حسین حسان

کارلوٹا غرناطہ (GRANADA) میں رہتی ہے۔ اس کا گھر ایک تنگ گلی میں ہے۔ یہاں اکثر مکان بہت خوب صورت اور ہلکے رنگوں سے پُتے ہوئے ہیں۔ گھروں کے چھجے لوہے کے ہیں اور بیل لگتے ہیں۔ کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں ہیں یورپ کے اور ملکوں میں اس قسم کی سلاخوں کا دستور نہیں۔

گھر میں سب سے اچھی جگہ آنگن ہے۔ یہ کافی بڑا ہوتا ہے۔ فرش سنگ مرمر کا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے ایک حصے میں سائبان۔ باقی حصہ تازہ ہوا اور دھوپ کے لئے کھلا ہوا۔ گھر کے لوگ چھوٹے بڑے عموماً اسی آنگن میں جمع ہوتے اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ بڑے گھروں میں کئی کئی خاندان رہتے ہیں۔ صحن سب کے لئے مشترک ہوتا ہے۔

آنگن کے بیچوں بیچ کنواں یا فوارہ ہوتا ہے ۔
کارلوٹا کے آنگن میں فرش کے کنارے کنارے فوارے کے چاروں طرف ۔ سنترے ۔ یاسمین اور مختلف رنگ کے پھولوں کے پودے ہیں جن کی وجہ سے ہر وقت کچھ عجیب بہار رہتی ہے۔

کارلوٹا مدرسے میں پڑھتی ہے ۔ تڑکے سے اُٹھ جاتی ہے ۔ ناشتے میں اسے دلیا، گرم دودھ توس انڈے اور شہد ملتا ہے ۔ اسکول میں بہت محنت سے جی لگا کے پڑھتی ہے ۔ دوپہر کو کھانا کھانے بھاگی بھاگی آتی ہے ۔ اس وقت کھانے میں یخنی ہوتی ہے ۔ ترکاریاں ہوتی ہیں اور تھوڑے سے پھل ۔ کھانا کھا کے پھر اسکول جاتی ہے اور کہیں چار بجے لوٹتی ہے ۔ اب وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ باغ میں کھیلتی کودتی ہے یہاں تک کہ اسے خوب بھوک لگ آتی ہے اس وقت اُسے چاکلیٹ روٹی اور شہد کھانے کو ملتا ہے کبھی کبھی اسے خاص قسم کے کیک بھی کھانے کو مل جاتے ہیں۔

کارلوٹا کبھی کبھی دیہات میں اپنے چچا کے پاس بھی جاتی ہے راستے میں وہ ایسے میدان سے گذرتی ہے جہاں سنترے اور زیتون کے درختوں میں سفید سفید گھر دور سے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ہلکے ہلکے سبز رنگ میں سفید سفید نقطے

اس کے چچا کا گھر بہت بڑا لیکن کچھ نیچا نیچا بنا ہے چاروں طرف انگور اور گلاب کی بیلیں دیواروں پر چڑھی ہیں۔ یہ گھر پہاڑی پر ہے ۔ پہاڑی کی ڈھلوانوں پر انگور کے درخت یا بیلیں ہیں۔ اُن میں سفید سرخ اور ارغوانی رنگ کے انگوروں کے بڑے بڑے خوشے لگے ہیں ۔ یہ خوشے بڑے بڑے چبوتروں پر خشک کئے جاتے ہیں ۔ یہ خشک انگور منقیٰ کہلاتے ہیں ۔ ہمارے یہاں منقیٰ کا استعمال عام طور پر دوا کے طور پر ہوتا ہے ۔

انگور کے باغ تو خوب صورت ہوتے ہی ہیں۔ لیکن سنتروں کے درختوں کے جھنڈ اُن سے کہیں زیادہ خوب صورت ہوتے ہیں۔ گہرے سبز رنگ کے درخت پتوں سے ڈھکے ہوئے اکثر پیڑوں میں پھول اور سبز رنگ کے

پکے پکے سنترے لگے ہوئے۔

کارلوٹا پھل توڑنے میں بڑے شوق اور دلچسپی سے مدد دیتی ہے۔ یہ بڑی احتیاط کا کام ہے۔ اس کا بہت خیال رکھا جاتا ہے کہ توڑتے وقت سنترے چھل نہ جائیں۔ ہر ایک پھل توڑنے والے کے پاس ایک ٹوکری ہوتی ہے جو گلے میں بندھی ہوتی ہے اور وہ بڑی احتیاط سے ایک وقت میں ایک پھل توڑتا ہے۔ ٹوکریاں بھر جاتی ہیں تو سنترے رات بھر کے لئے سائبان میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کے چھلکے ذرا سخت ہو جائیں۔ پھر ہر ایک سنترہ سفید باریک کاغذ میں لپیٹا جاتا ہے۔ یہ کام چھوٹے بچے اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ انھیں بہت جلد اس کام میں مہارت ہو جاتی ہے۔ ہاتھ کے ذرا سے اشارے سے سنترہ بالکل لپٹ جاتا ہے۔

کارلوٹا اکثر اتنے سنترے کھا جاتی تھی کہ اُسے دوپہر کے وقت بھوک نہیں لگتی تھی حالانکہ اس کے چچا اس کے لئے بڑے بڑے مزے کی چیزیں تیار کرواتے تھے۔ مثلاً انڈوں کا خاگینہ، مرغی کا چوزہ، آلو وغیرہ۔

کارلوٹا اسپین کے دار الخلافہ میڈرڈ بھی ہو آئی ہے۔ وہاں کی اچھی اچھی شان دار دکانیں بھی اس نے دیکھی ہیں۔ یہاں کی چوڑی چوڑی سڑکیں اور ان کی بھیڑ بھاڑ بالکل ایسی ہی ہے جیسی کلکتہ، بمبئی حیدرآباد اور دلی میں ؀

لطیفہ

استاد (شاگردوں سے) تم بادشاہوں سے کیوں نفرت کرتے ہو۔

شاگرد:۔ ان کی وجہ سے ہمیں تاریخ یاد کرنی پڑتی ہے۔ (شوکت بخش)

خطۂ یونان کا ایک بہادر شہید وطن

لی اونی ڈس

از بشیر احمد خاں صاحب

تمھیں معلوم ہے کہ ملک یونان کہاں ہے؟ اگر نہ معلوم ہو تو اپنے ماسٹر صاحب یا والد صاحب سے پوچھ لینا۔ اور اپنی جغرافیے کی کتاب میں یورپ کے نقشے میں اسے تلاش کرنا۔ یہ بہت خوب صورت ملک ہے تمام علاقے میں بہت سے چھوٹے بڑے پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں ان پر خوب صورت درخت اُگے ہیں اُن کے درمیان نہایت ہی دل کش سبزے سے ڈھکی ہوئی وادیاں ہیں اور صاف شفاف ندیاں بہتی ہیں مگر ان پہاڑوں میں سے گذرنے کے لئے بہت ہی کم راستے اور سڑکیں ہیں۔ یہ ملک ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کو تین طرف سے بحیرۂ روم نے گھیر رکھا ہے۔ سمندر کا پانی اس کے ساحل کاٹتا ہوا کئی جزیرے اور بہت سے خلیج اور راستے بناتا ہوا دور تک خشکی کے اندر چلا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے یونان کے لوگوں سے چاہے وہ ملک کے کسی ہی حصے میں کیوں نہ ہوں ہماری طرح سمندر اتنی دور نہیں۔

اسی ملک یونان کے مشرقی ساحل پر سمندر کے کنارے پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت ہی تنگ راستہ ہے اس راستے کا نام "گرم چشموں کی طرف کا دروازہ" ہے اور جو لوگ کہ ساحل سمندر کے کنارے شمال کی طرف سے آئیں اور ملک یونان میں داخل ہونا چاہیں ان کو ہر حال میں اس تنگ دروازے سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے۔

دو ہزار سال کا عرصہ ہوا ایک دن یہاں چھوٹی سی فوج نے ڈیرے ڈنڈے لگا رکھے تھے۔ سپاہیوں نے اس تنگ راستے کے آر پار ایک مضبوط دیوار بنا کر اسے بند کر دیا تھا۔ مگر دیوار بہت زیادہ اونچی نہ تھی وہ اس کے پیچھے سے ساحل، ساحلی میدانوں اور سمندر کے نیلے پانی کو نیچے موجیں مارتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔

یہ فوجی اس جگہ اس لئے آئے تھے کہ اپنے دشمنوں کو اپنے پیارے وطن میں داخل ہونے سے روکیں اور اُسے تباہی و بربادی سے بچائیں۔ یہ دشمن نیچے ساحلی میدانوں میں خیمے لگائے پڑے تھے۔ دشمن کی فوج کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ تمام کے تمام میدان اُن سے بھرے پڑے تھے اور کہیں کوئی جگہ خالی نہ تھی۔

پہاڑوں کے درمیان یہ مٹھی بھر فوج یونان کے لوگوں کی تھی۔ اس فوج کے اکثر سپاہی صرف اپنے ہی شہر سپارٹا کے لوگ تھے۔ ان سب کا سردار سپارٹا کا بادشاہ لی اونی ڈس تھا۔ اور ان کے یہ زبردست دشمن ایرانی تھے۔ ایرانی سمندر پار ایران سے آئے تھے۔ ان کا سردار

ایران کا بادشاہ گشتاسپ تھا جو اس وقت دنیا میں سب
سے بڑا اور سب سے مالدار بادشاہ تھا۔

تم شاید حیران ہو کہ ایک ایسے بادشاہ کو جس کے پاس
اتنی بڑی اور خوب صورت سلطنت ہو۔ یونان جیسے چھوٹے
سے کم زور اور غریب ملک کو فتح کرنے کی کیا ضرورت تھی،
مگر بات یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کا بادشاہ بننا چاہتا تھا۔

اس حریص بادشاہ نے بہت بڑی فوج جمع کی یہ
اتنی بڑی تھی کہ لوگوں نے اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی فوج نہ
دیکھی تھی۔ اس فوج کے سپاہی صرف ایرانی ہی نہ تھے بلکہ اس
میں ان تمام قوموں کے سپاہی شامل تھے کہ جن کو ایرانی فتح
کرچکے تھے۔ اور پھر اس بادشاہ نے جہازوں کا ایک بہت بڑا
بیڑا تیار کیا۔ اس بیڑے میں ایک ہزار دو سو جہاز تھے اس
نے کچھ فوج کو تو سمندر کے راستے میں جہازوں پر یونان کی
طرف بھیجا اور باقی فوج لے کر خود خشکی کے راستے یونان
کی طرف روانہ ہوا۔

اب ذرا اس بادشاہ کی بات سنئے اگرچہ یہ بادشاہ
بہت امیر تھا اور اس کے پاس بہت ہی بڑی اور طاقتور
فوج تھی۔ مگر وہ خود ایک کم زور اور نکما آدمی تھا وہ
بڑا ہی ضدی تھا۔ کبھی کسی کی نہ مانتا تھا اس کی یہ حرکتیں
بالکل ایک چھوٹے سے بے سمجھ ضدی بچے کی سی ہوتی تھیں۔

یونان کو جاتے ہوئے راستے میں ایک چھوٹی سی
آبنائے تھی۔ اس میں فوجوں کے گذرنے کے لئے بادشاہ نے
کشتیوں کا پل بندھوایا۔ مگر اتفاق سے سمندر میں طوفان
آیا اور پل ٹوٹ گیا اس پر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور حکم
دیا کہ لہروں کو، جنہوں نے ہمارے پل کو توڑ دیا ہے چابکوں
سے سزا دی جائے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق بہت سے
سپاہی سمندر کے کنارے پانی میں کھڑے ہوگئے اور اپنے
لمبے لمبے چابکوں کو زور زور سے پانی میں مارنے لگے خوب
چھینٹیں اڑیں، شور مچا۔ اور عجیب تماشا ہوا۔

آخر ایک اور پل بنایا گیا اور یہ زبردست فوج
پار اتر کر میلوں کوچ کرتی نکل گئی۔ آخر وہ اس تنگ راستے
کے قریب پہنچی جس کا نام "گرم چشموں کی طرف کا دروازہ" ہے
یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ لی اونی ڈس کی چھوٹی فوج اس تنگ
دروازے میں ان کا راستہ روکے پڑی ہے۔ بادشاہ کو
یقین نہ آیا کہ یہ مختصر سی فوج ان کے مقابلے کے لئے آئی ہے
پورے چار روز تک اس نے کسی قسم کا حکم نہ دیا اور وہ صرف
اس امید پر پڑے آرام لیتے رہے کہ یونانی ان کی اتنی بڑی
ہیبت ناک فوج کو دیکھ کر خود بھاگ کھڑے ہوں گے۔

یونانی سپاہیوں نے دیوار سے نیچے دیکھا اور
انھیں ایرانی پڑاؤ میں بے شمار مختلف قوموں کے عجیب عجیب
لوگ نظر آئے۔ یہ سب ان سے لڑنے آئے تھے۔ آئے کیا
تھے ایرانیوں کے لائے ہوئے تھے۔ کہیں سیاہ فام حبشی
تھے جنھوں نے چیتوں کی کھالیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے
ہاتھوں میں لٹھ تھے اور لٹھوں کے سروں پر ہرنوں کے نوک دار
سینگ لگے ہوئے تھے۔ کہیں ایک خوب صورت قوم کے
لوگ تھے۔ ان کے سروں پر لکڑی کی ٹوپیاں تھیں اور
کمر میں خوب صورت لمبے لمبے چاقو۔ اسی جگہ ایک اور
دوسرے سیاہی مائل لوگ تھے۔ ان لوگوں کے پاس
صرف لکڑی کے نوک دار نیزے تھے۔

ان تمام وحشی لوگوں کے علاوہ ہزار ہا قدم قدم دیکھیوں کے شکم بہادر ایرانی تھے۔ ان کی شکلیں عجب شان دار تھیں۔ یہ لوگ زبردست جنگجو سپاہی تھے یہ تقریباً ہر لڑائی میں فتح پاتے۔ گویا شکست اُن کی قسمت میں ہی نہ تھی۔

یونانی سپاہیوں کو یہ لاتعداد فوجیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان کی مٹھی بھر قوت کا اس "دنیا بھر کی قوموں کے سیلاب" سے ٹکرانا کس قدر خطرناک ہے۔

مگر کیا وہ ڈر گئے؟ یا ڈر کر بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔؟

نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ نہ حیران و پریشان نہیں ہوئے بلکہ دل جمعی کے ساتھ لڑائی کا انتظار کرنے لگے۔ اس عرصے میں وہ برابر مختلف کھیل کھیلتے تھے جیسے ان کے یہاں کوئی بڑا تہوار ہو۔ اور ہر روز اپنے بالوں میں تیل لگا کر اُن کو سنوارا کرتے۔

ایرانیوں کی اتنی بڑی اور زبردست فوج کا اُن کے دل میں کوئی خوف نہ تھا

ایرانی بادشاہ نے ایک جاسوس حال معلوم کرنے بھیجا۔ جب اس نے واپس آکر یہ خبر سنائی کہ وہ بالکل بے خوف و خطر طرح طرح کے کھیلوں میں حصہ لیتے کھیلتے کودتے اور اپنے کو اسی طرح بنا سنوار کے رکھتے ہیں جیسے لڑائی کا انہیں خیال بھی نہ ہو۔ تو بادشاہ یہ سن کر بہت ہی حیران ہوا۔ اسے ان باتوں پر یقین نہ آتا تھا۔

اس نے اپنے لئے ایک تخت بنوایا اور پانچویں دن اپنی فوج کے ایک حصے کو حملے کا حکم دیا اور خود تخت پر بیٹھ کر ان کو دیکھنے لگا۔ سپاہی بہادری سے یونانیوں کی طرف بڑھ رہے تھے جلد ہی وہ ان تک جا پہنچے۔ پھر کیا تھا ہاتھوں ہاتھ لڑائی شروع ہو گئی۔

لیکن سپارٹا کے لوگ اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے۔ ان کے دل جوش اور وطن کی محبت سے بھرے تھے۔ وہ تعداد میں بہت کم تھے مگر دو پہاڑوں کے درمیان تنگ راستے میں کھڑے تھے جہاں تھوڑے ہی آدمی اُن سے لڑ سکتے تھے اور پھر اُن کے بھالے ایرانیوں کے بھالوں سے بہت لمبے اور اُن کی ڈھالیں ایرانیوں کی ڈھالوں سے بہت چوڑی اور مضبوط تھیں۔ انہوں نے ایرانیوں کی فوج کے دستوں کے دستے بھالوں سے نیچے گرا دئے اور ہزارہا موت کے گھاٹ اتار دئے۔ یونانی فوج کے چند ہی سپاہی مارے گئے۔

تمام دن لگاتار لڑائی ہوتی رہی اور اسی طرح دوسرے دن۔ لائق سے لائق افسروں کو فوج دے کر بھیجا گیا۔ مگر اُن سب کا وہی حشر ہوا۔ ایک دفعہ تو تین سرداروں کو یکے بعد دیگرے سخت ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ غم و غصے کے مارے وہ تخت پر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پاگلوں کی طرح ان کو کوسنے لگا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سپارٹا والے جیت جائیں گے اور ایرانیوں کے بے پناہ لشکر کو شکست کھا کر شرم کے مارے گردنیں نیچے جھکائے واپس جانے پر مجبور ہونا پڑے گا

لیکن رات کو ایک دغا باز غدار یونانی ایرانی فوج میں آیا اس نے ایرانی بادشاہ کو بتایا کہ جنگلوں اور پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا ایک نامعلوم فلاں راستہ ہے جس کے

فدیسے ایرانی فوج یونانیوں کے پیچھے سے پہنچ کر ان کو دم بھر میں اپنی جگہ سے کاٹ کر ہٹا سکتی ہے۔

رات کے اندھیرے میں ایرانی فوج کا ایک حصہ دریا کے کنارے کنارے جنگلوں میں سے کوچ کرتا ہوا چلا جاتا تھا۔ صبح سویرے یہ فوج ایسے مقام پر پہنچی جہاں اس راستے کی حفاظت کے لئے تھوڑے سے یونانی سپاہی موجود تھے۔ ایرانیوں نے اُن پر پتھر برسانے شروع کر دئے۔ آخر اُن کو بھگا دیا اور آگے چلے

جب یہ خبر لی اونی ڈس کو پہنچی تو دشمن کے پہنچتے پہنچتے وہ بھاگ سکتا تھا؟

مگر کیا لی اونی ڈس نے واپس بھاگنے کا حکم دے دیا۔

نہیں، نہیں اسے اپنے وطن سے سچی محبت تھی وہ اپنے وطن سے غداری نہیں کر سکتا تھا اس نے کہہ دیا جو لوگ چاہیں واپس جا سکتے ہیں مگر وہ اپنے تین سو سپارٹا کے سپاہیوں کے ساتھ وہیں رہے گا۔ اس اجازت پر دوسرے شہروں کے لوگوں میں سے چند ایک کے سوا باقی سب واپس چلے گئے۔

یونان میں یہ بات مشہور چلی آتی تھی کہ جب کبھی بھی یونان پر کوئی دشمن حملہ کرے گا تو سپارٹا کا بادشاہ مارا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو ملک دشمن کے قبضے میں چلا جائے گا۔

لی اونی ڈس بھی یہ بات جانتا تھا۔ بس اس نے اپنی موت پسند کی مگر اپنا ملک غیر کے قبضے میں دیکھنا گوارا نہ کیا اس کے ساتھ سپارٹا کے ہر ایک سپاہی نے قسم کھائی کہ یا تو وہ ایرانیوں کو اپنے پیارے ملک سے بھگا دیں گے یا خود اُن کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔

اب اُن کی موت یقینی تھی مگر وہ سب کے سب خوش خوش نظر آتے تھے

وہ خوش تھے کہ وہ اپنے پیارے وطن کی حفاظت کے لئے قربان ہوں گے۔

وہ خوش تھے کہ وہ اپنے پیارے وطن کی آزادی کے لئے مریں گے۔

وہ خوش تھے کہ وہ غلامی کی ذلت جھیلنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اُٹھ جائیں گے۔

اب سپارٹا کے سپاہیوں نے اس تنگ رستے میں کھڑے رہنا ٹھیک نہ سمجھا۔

سورج ذرا اوپر ہوا ہی تھا کہ وہ پہاڑوں سے نکلے اور ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اس جوش خروش سے حملے کئے کہ بدحواس ایرانیوں کو دور تک دھکیلتے لے گئے ہزاروں ایرانی ان کی تلوار کے گھاٹ اُترے۔ ہزاروں ایک دوسرے سے ٹکرا کر گرے اور اپنے ہی ساتھیوں کے پاؤں تلے مسلے گئے۔ ہزاروں سمندر میں ڈوب گئے۔ اور ہزاروں دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔ مگر یونانیوں میں سے ہر ایک لڑ لڑ کر اور اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھا دکھا کر جان دے رہا تھا لڑتے لڑتے اُن کے بھالے ٹوٹ گئے اور وہ تلواروں سے لڑنے لگے کچھ دیر بعد تلواریں بھی ٹوٹنی شروع ہو گئیں تو انھوں نے خنجر سنبھالے۔ آخرکار جب خنجروں کے بھی دستے ہی ہاتھ میں رہ گئے تو وہ نہتے ہی لڑنے لگے۔

جب لڑائی عین زور شور سے ہو رہی تھی بادشاہ لی اونی ڈس مارا گیا۔ اس کی نعش کے لئے بہت لڑائی

ہوئی۔ سپارٹا کے بچے کھچے سپاہی اس کی نعش کے گرد جمع ہو گئے تھے اور آخر اُسے اُٹھا کر دیوار کے پار لے جانے میں کامیاب ہو گئے

عین اس وقت ایرانیوں کی وہ فوج جو رات کے وقت روانہ ہوئی تھی پچھلی طرف سے حملہ آور ہوئی۔ پھر کیا تھا سپارٹا کے سپاہی ہر طرف سے گھر گئے۔

ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی طرف کو بھاگ کر جان بچانے کی کوشش نہ کی اور سب کے سب اپنے پیارے وطن کی حفاظت کے لئے بہادروں کی طرح دشمن سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے۔

بعد میں یونان کے دوسرے شہروں کے بادشاہوں نے مل کر ایرانیوں کا مقابلہ کیا اور آخر ان کو اپنے پیارے وطن سے نکال کر ہی دم لیا۔

جب لڑائی ختم ہو چکی، ملک دشمنوں سے پاک ہو گیا اور یونانیوں کو اطمینان نصیب ہوا تو انھوں نے سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا اور خوب صورت شیر ببر اس جگہ پر نصب کر دیا جہاں بہادر لی اونی ڈس زخم کھا کر گرا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ بہادر لی اونی ڈس اپنے وطن کو دشمنوں سے بچانے کے لئے شیر ببر کی طرح بہادری سے لڑا تھا۔ اور جس طرح شیر ببر جنگل کا بادشاہ اور جنگل میں سب سے بہادر ہوتا ہے لی اونی ڈس اپنے ملک کا بادشاہ اور ملک بھر میں سب سے زیادہ بہادر تھا۔

جس چبوترے پر شیر ببر کھڑا تھا اس پر یہ الفاظ کھدے تھے۔ "او راہیاں ہمارے پاس سے گذرنے والے جا اور سپارٹا کے لوگوں سے کہہ دے کہ ہم ان کے ہر قانون کی تابعداری میں اپنے ملک کے لئے اپنی جانیں قربان کر کے یہاں لیٹے"

اس بات کو ہزاروں سال گذر گئے، اب وہاں کوئی شیر ببر ہے نہ کوئی اور نشانی مگر لی اونی ڈس کا نام لوگ بھولے نہیں ہیں۔ اس کا کارنامہ اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گا لوگ اب بھی اسے بہادر شیر ببر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

غذا

از جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ کیمبر

(۲)
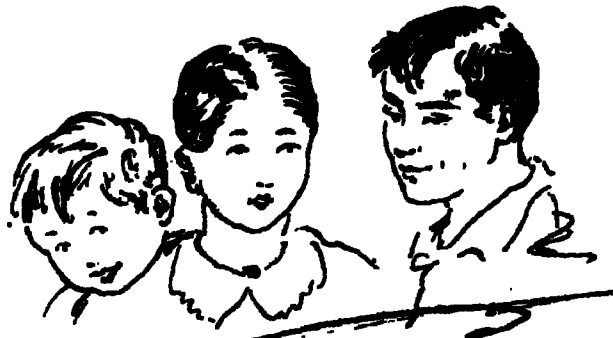
چنا اور دالیں

ان کا استعمال ہندوستان میں زیادہ ہے۔ کیوں کہ یہاں گوشت کا استعمال کم ہے۔ دوسرے ملکوں میں دالیں بہت کم پکائی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے ہر حصے میں کم و بیش یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں خصوصاً "۶۰ سے کم بارش کے علاقے میں۔ چنا گھوڑے اور مویشیوں کو بھی کھلایا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر شمالی ہند اور کہیں کہیں صوبہ جات متوسط اور دکن میں بھی ہوتا ہے۔ زیادہ بارش برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے آسام اور بنگال میں اس کی پیداوار نہیں ہے۔

میوے

غلے کے علاوہ میوے بھی ہماری غذا کا ضروری جزو ہیں۔ کیونکہ ان سے نہ صرف ہم کو حیاتین حاصل ہوتی ہے بلکہ چند قسموں کے نمک بھی جن کی ہمارے جسم کے لئے سخت ضرورت ہے ہر مقام پر آب و ہوا کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی میوہ ہوتا ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ تمام عمدہ میوے روی آب و ہوا میں زیادہ بہتر پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان تمام ممالک میں جو بحیرہ روم کے اطراف واقع ہیں مثلاً شمالی افریقہ میں مراکش، الجیریا، تیونس، یورپ میں مشرقی ہسپانیا جنوبی فرانس، اطالیا اور یونان، ایشیا میں ایشیائے کوچک شام اور فلسطین وغیرہ، ایران اور افغانستان بھی خشک قسم کی روی آب و ہوا میں داخل ہیں۔ اس لئے ان علاقوں میں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کے ان علاقوں میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جہاں اس قسم کی آب و ہوا پائی جاتی ہو۔ مثلاً شمالی امریکا میں کیلیفورنیا کا علاقہ جنوبی امریکا میں چلی کا کچھ حصہ۔ یوروگوئے۔ پیراگوئے اور ارجنٹائن انگلستان کا جنوب مغربی جزیرہ نما، اس طرح معلوم ہو جائے گا کہ انگور سنترہ، سیب، ناشپاتی، شفتالو وغیرہ منطقۂ معتدلہ نیم گرم کی پیداوار ہیں ہندوستان میں خشک و تر میوے ایران، افغانستان اور وسط ایشیا سے آتے ہیں۔ اور درۂ خیبر کے راستے سے اس لئے پشاور ان چیزوں کی تجارت کا مرکز ہے۔ ہندوستان میں شمال مغربی سرحدی صوبہ اور کشمیر اور جنوب میں کاویری کے ڈیلٹا میں کچھ میوے ہوتے ہیں۔ سنترہ اور موسمی وسط ہند یعنی ناگپور کے اطراف اور دکن کی کالی زمین میں بکثرت ہوتے ہیں۔ اور شمالی ہند کی نہری زمینوں میں بھی اب میوے پیدا کرنے کا خیال ہو رہا ہے۔ منطقہ حارہ کا خاص میوہ آم ہے جو ہندوستان میں بکثرت ہوتا ہے اور اپنی گوناگوں لذتوں کی وجہ سے تمام میووں کی تلافی کر دیتا ہے سرد ممالک میں یہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر اسے انگلستان میں لگانا چاہیں تو کانچ کا شیشہ کا بنا کر خاص

اہتمام کرنا پڑتا ہے تاکہ سرد ہوا سے اسے محفوظ رکھا جائے اور کافی طور پر گرمی پہنچائی جائے ورنہ درخت خشک ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے خشک ممالک میں اس کی پیداوار نہیں ہے

کھجور

تم نے اکثر بازاروں میں خشک و تر کھجور بھی بکتی دیکھی ہو گی۔ مگر یہ ہمارے ہندوستان کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ ریگستانی ممالک سے آتی ہے۔ صحرائی نخلستانوں میں کھجور بکثرت ہوتی ہے اور وہاں کے لوگوں اور جانوروں کی عام غذا ہے۔ اس کی پیداوار شمالی افریقہ، عرب اور عراق عرب میں زیادہ ہوتی ہے۔ اسے وہاں کھاتے بھی ہیں اور شکر بھی تیار کرتے ہیں اور اکثر شراب بھی بناتے ہیں۔

ان چیزوں کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جو ہماری غذا کا لازمی جزو بن گئی ہیں ان میں سب سے اہم شکر ہے یوں تو کوکو اور ساگو دانے کے پتے سے بھی ایک قسم کی شکر حاصل کی جاتی ہے جسے گلبری کہتے ہیں۔ اسی طرح کناڈا میں ایک درخت سے شکر حاصل کی جاتی ہے مگر یہ سب مقامی چیزیں ہیں۔ سب سے زیادہ شکر گنے سے حاصل کی جاتی ہے اور یورپ کے شمالی میدانوں میں جہاں چقندر کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے اس سے شکر بنائی جاتی ہے۔ زیادہ تر جرمنی میں۔

گنا منطقہ حارہ کے مرطوب علاقے کی خاص پیداوار ہے اس لئے جزائر غرب الہند اور شرق الہند میں زیادہ ہوتا ہے۔ برازیل اور ہندوستان میں بھی اس کی کافی پیداوار ہوتی ہے۔

شکر پیدا کرنے والے ممالک میں سب سے اہم جزائر غرب الہند میں کیوبا ہے۔ جس کا نمبر دنیا میں اول ہے اس کی زیادہ تر شکر بلحاظ قربت امریکا میں صرف ہوتی ہے۔ جزائر شرق الہند میں جاوا کو اہمیت حاصل ہے گویا دنیا میں کیوبا کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔ یہاں سے شکر زیادہ مقدار میں ہندوستان اور چین بھیجی جاتی ہے۔ اب تم سوال کرو گے کہ کیا گنا ہندوستان میں پیدا نہیں ہوتا جو شکر باہر سے منگائی جاتی ہے۔ بیشک یہاں بھی گنا پیدا ہوتا ہے۔ جس سے گڑ اور شکر تیار ہوتی ہے مگر یہاں کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ پیداوار بالکل ناکافی ہے یوں تو گنا ہندوستان میں ہر جگہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر صوبہ جات متحدہ اور پنجاب کے نہری علاقوں میں زیادہ بویا جاتا ہے۔ ریاست حیدرآباد میں نظام ساگر کے بن جانے کی وجہ سے بڑے پیمانے پر گنے کی کاشت کے امکانات ہو گئے ہیں اور ممکن ہے کہ یہاں کارخانے قائم کر کے شکر بھی تیار کی جائے۔ اس وقت ہمیں باہر سے شکر منگانے کی ضرورت کم ہو گی۔

ہندوستان کی اشیائے درآمد میں کپڑے کے بعد شکر ہی کا درجہ ہے۔ اس لئے اب کوشش ہو رہی ہے کہ بڑے پیمانے پر گنے کی کاشت اور شکر تیار کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں [illegible] ایکڑ زمین پر گنے کی کاشت ہوئی اور تقریباً ۶½ کروڑ من شکر، راب اور گڑ تیار کیا گیا۔ اس میں صرف صوبہ جات متحدہ میں ۱۳ لاکھ ایکڑ پر گنے کی کاشت کی گئی ہے۔

گنے کی بھی یہاں دو قسمیں ہیں۔ ایک تو موٹا ہوتا ہے اور ایک پتلا جسے ایکھ یا اوکھ کہتے ہیں۔ اسی کی کاشت صوبہ جات متحدہ میں زیادہ ہے اور اس سے گڑ تیار ہوتا ہے شکر کم بنائی جاتی ہے مگر اب وہاں نئی قسم کے موٹے گنے کی کاشت بڑھتی جا رہی ہے۔ کارخانے بھی برابر کھل رہے ہیں۔

چائے

حالانکہ غذا کے طور پر انسان کو اس کی مطلق ضرورت نہیں مگر پھر بھی دیکھتے دیکھتے اس کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور شہروں سے گذر کر دیہاتوں میں بھی پھیلتا جا رہا ہے غالباً سب سے پہلے چائے کا استعمال چینیوں نے کیا۔ پھر رفتہ رفتہ عالمگیر ہو گیا چائے ان مقامات پر زیادہ ہوتی ہے جہاں بارش بکثرت ہو۔ لیکن پانی اس کی جڑ میں ٹھہرنے نہ پائے اس لئے پہاڑی ڈھلانوں پر کاشت کی جاتی ہے۔ چائے پیدا کرنے والے ملک چین اور ہندوستان ہیں۔ چین کی وسطی اور جنوب مغربی پہاڑیوں پر بکثرت چائے پیدا ہوتی ہے اور وہاں اس کی پتی کی اینٹیں سی بنائی جاتی ہیں جو پاک پر تبت اور چینی ترکستان اور اونٹوں پر منگولیا اور سائبیریا کو روانہ کی جاتی ہیں اور بہت قدیم زمانے سے وہاں اس کی تجارت ہوتی چلی آتی ہے۔ اب کثیر مقدار میں چینی چائے امریکہ بھی جا رہی ہے۔ اور وہی اس کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ جاپانی بھی چینی چائے استعمال کرتے ہیں اور خود بھی اب پیدا کرنے لگے ہیں۔

ہندوستان کی چائے چین سے کچھ مختلف ہے یہاں سب سے زیادہ اور عمدہ چائے آسام کی پہاڑیوں پر ہوتی ہے اس کے بعد نیلگری کی پہاڑیوں پر ہمالیہ میں دارجلنگ اور کانگڑا کے اطراف میں بھی چائے کی کاشت ہونے لگی ہے لنکا میں بھی اس کی کاشت کی جاتی ہے ہندستانی چائے زیادہ تر یورپ جاتی ہے۔ آسام کی چائے کلکتہ سے برآمد ہوتی ہے ۱۹۳۶ء میں چائے کی کاشت ۸ لاکھ ایکڑ پر ہوئی اور تقریباً ۴۰ لاکھ من چائے پیدا ہوئی۔

بہن بھائیوں کی تعداد

احمد نے اپنے دوست محمود سے کہا مجھے ایک ایسا حساب آتا ہے جس کے ذریعے میں بتا سکتا ہوں کہ تمہارے کتنے بھائی بہن ہیں

محمود:- اچھا بتاؤ ہم کے بھائی اور بہن ہیں۔

احمد:- تم جتنے بھائی اور بہن ہو ان کی تعداد میں تین جوڑ دو

محمود:- جوڑ دیئے

احمد:- [illegible] کر دو اور حاصل جمع میں سے ایک گھٹا دو

محمود:- گھٹا دیا۔

احمد:- اب پانچ سے ضرب دو اور حاصل ضرب میں بہنوں کی تعداد جوڑ دو اور بتاؤ کہ حاصل ضرب کیا ہوا

محمود:- انتالیس

احمد:- کچھ [illegible] کر تو آپ کے ایک بھائی اور چار بہنیں ہیں

محمود:- بالکل ٹھیک اگر آپ بھی ذرا غور کریں

(احمد نے کس طرح یہ پہیلی بوجھی)

تصدق مصطفٰے خاں شیروانی

قومی ایثار

محمد ابراہیم ۔ گلبرگہ ۔ دکن

محمود گاواں جب بیدر (دکن میں ایک ضلع ہے) کا وزیر مقرر ہوا تو اس نے ۱۴۷۲ء میں ایک مدرسہ بنانے کی فکر کی۔ جس کا ایک بڑا حصہ ساڑھے پانچ سو برس گذر جانے کے باوجود اب بھی موجود ہے۔

مگر مدرسے کی عمارت بناتے وقت ایک مشکل یہ آپڑی کہ زمین کے ایک طرف ایک غریب مزدور کی جھونپڑی تھی۔ مزدور نے یہ جھونپڑا اپنی عمر بھر کی کمائی سے بنایا تھا۔ محمود گاواں سے اس کے نوکروں نے کہا کہ آپ مطمئن رہیے کل ہی اس جھونپڑی کو اٹھوا کر نقشے کے مطابق عمارت بننا شروع ہو جائے گی۔ لیکن محمود گاواں نے کہا کہ تم میری نیکی کو خاک میں ملانا چاہتے ہو۔ اگر کسی غریب کو ستا کر مدرسہ بنایا گیا تو ثواب کی جگہ نہ معلوم مجھے کس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا بہتر ہے کہ نقشے میں سے عمارت کا وہ حصہ نکال دیا جائے ملازموں نے عرض کیا حضور جب اس سے اچھا مکان جھونپڑی والے کو دیا جا سکتا ہے تو اس میں گناہ یا عذاب کو کیا دخل ہے۔ محمود گاواں نے یہ سن کر کہا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اس جھونپڑی کے مالک کے پاس خود جا کر اسے اس بدلے پر راضی کر لوں

شام کے وقت یہ مزدور دن بھر محنت مزدوری کرنے کے بعد اپنی جھونپڑی میں داخل ہوا۔ ہاتھ منہ دھوئے وضو کیا اور نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ محمود گاواں عین اسی وقت جھونپڑی میں پہنچا اور وہ بھی اس کے پیچھے نماز

پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ نماز ختم کرکے مزدور نے محمود کو اپنے پاس کھڑا دیکھا تو بہت فکر مند ہوا محمود گاواں سمجھ گیا کہ مجھ سے گھبرا رہا ہے۔ فوراً کہا۔ میں تمھارے پاس آج کچھ بھیک مانگنے آیا ہوں۔ غریب مزدور اور بھی حیران ہوا کہ آخر میرے پاس ایسی کیا چیز ہے جس کی بھیک مانگی جا رہی ہے۔ بالآخر محمود گاواں نے صاف صاف کہا کہ میں تمھاری اس جھونپڑی کا بھکاری بن کے آیا ہوں۔ تمھارے قومی مدرسے کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس کے بدلے میں بہتر سے بہتر مکان جو بھی تم پسند کرو دے دیا جائے گا۔ ابھی یہ الفاظ محمود گاواں کی زبان سے پورے ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ مزدور نے اپنا مختصر سا سامان اُٹھا کر سر پر رکھا اور یہ کہتا ہوا جھونپڑے سے نکلا کہ قوم اور ملک کے فائدے کے لئے یہ جھونپڑی تو کیا میں اپنی جان سے بھی دریغ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس دنیا میں بدلے کر میں دوسری دنیا کے بدلوں سے محروم ہونا نہیں چاہتا لیجئے یہ جھونپڑا حاضر ہے۔" وہ بڑی تیزی سے جنگل کی طرف نکل گیا اور آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

سچ تو یہ ہے کہ وہی قوم ترقی کرسکتی ہے جس کے غریب مزدوروں میں بھی یہ حوصلہ اور قوم کے فائدے کی خاطر اپنے آپ کو قربان کردینے کا جذبہ ہو۔

نامعلوم مصور

مشہور مصور "مریلو" نے اکثر اپنے شاگردوں کی تصویروں کے نامکمل خاکے مکمل حالت میں پائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نامعلوم شخص رات کی تاریکی میں ان خاکوں کو بھر دیتا تھا۔ استاد اور شاگردوں نے بہت کوشش کی مگر اس شخص کا پتہ نہ چلا سکے۔

ایک روز صبح "مریلو" اپنے تصویر بنانے کے کمرے میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے اس کے تمام شاگرد ایک تصویر کے گرد جمع ہیں اور طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ خود اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ حضرت مریم کا نامکمل سر کسی نے نہایت نزاکت سے بنا دیا ہے اور خوب صورتی پیدا کرنے کی غرض سے جگہ جگہ ہلکے قلم چلا دئے ہیں اس نے ایک ایک کرکے اپنے تمام شاگردوں سے دریافت کیا کہ کون اس تصویر کو مکمل کر سکتا ہے لیکن جب کسی نے ہامی نہ بھری تو اس نے کہا کہ۔

"جس شخص نے یہ نامکمل تصویر بنائی ہے وہ ایک دن ہم سب کا استاد ہو جائے گا۔"

"سیبسٹن" اس نے ایک غلام سے پوچھا جو پاس ہی کھڑا تھا۔

"اس کمرے میں رات کو کون رہتا ہے؟"

"حضور! میرے سوا اور کوئی نہیں" غلام نے جواب دیا

"اچھا تم آج رات کو یہاں رہو اگر کل تم نے مجھے اس نامعلوم شخص کا پتہ نہ دیا تو یاد رکھو کہ تم کو تیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔"

غلام نے جھک کر اپنی تابعداری کا اظہار کیا اور چلا گیا۔

رات کو سیبسٹن اپنا بستر تصویر کے پاس لے آیا۔ اور تین بجے تک نہایت آرام سے سوتا رہا

اس وقت وہ اپنے بستر سے اٹھا اور اپنے دل میں کہا کہ یہ تین گھنٹے تو اپنے ہیں اور باقی آقا کے" وہ ایک برش ہاتھ میں لے کر استادہ کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ تاکہ گذشتہ رات کے کام کو مٹا ڈالے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ ایک ہی ہاتھ پھیر کر تصویر کو مٹا دیتا اس نے اپنے دل میں کہا "میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اس کو مٹا نہیں سکتا۔ مجھے اس کو مکمل کرنا چاہیئے"۔

اس نے کام شروع کر دیا۔ بات کی بات میں تین گھنٹے ختم ہو گئے۔ ابھی وہ کام میں مصروف ہی تھا کہ ایک ہلکی سی آواز نے اسے چونکا دیا۔

مرلیو اپنے شاگردوں کے ساتھ یکایک پہنچ گیا۔ سورج کی روشنی کھڑکی سے چھن کر آ رہی تھی اور کمرے میں بتی اب تک جل رہی تھی۔

وہ پھر ایک غلام تھا۔ اس کی نگاہ دیکھنے والوں سے نیچی ہو گئی "سیبسٹن تمہارا استاد کون ہے؟ مرلیو نے سوال کیا"

"حضور" اس کا جواب تھا۔

"میں نے تم کو مصوری کے سبق کبھی نہیں دیئے" مرلیو نے کہا

"بیشک، نہیں۔ لیکن آپ ان بچوں کو جو سبق دیتے تھے وہ سنا کرتا تھا"

"ٹھیک ہے تم نے بہت اچھا کام کیا"

اب مرلیو اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوا

"اس لڑکے کو سزا دی جائے یا انعام"

"انعام" ماسٹر صاحب۔ ایک ساتھ سب لڑکوں نے جواب دیا

"کیا انعام"

ایک نے کپڑوں کا جوڑا تجویز کیا اور دوسرے نے نقد۔ مگر اس میں سے کوئی بھی اس کو پسند نہ آیا۔ ایک نے غلام سے کہا "دیکھو آج تمہارے آقا تم سے خوش ہیں اپنی آزادی کی درخواست کرو" وہ اپنے آقا کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت عاجزی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا "میرے باپ کو آزاد کر دیجئے"

مرلیو اس سے بہت متاثر ہوا اور کہا اس تصویر سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مصوری کا خاص شوق ہے اب اس کے بعد سے تم میرے غلام نہیں بلکہ بیٹے ہو مجھ کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ نہ صرف میں خود ہی مصور ہوں بلکہ میں نے ایک اچھا مصور بھی بنا دیا ہے

رنگون کی لنچا

محمود طالب علم جماعت پنجم ۔ رنگون

ہمارے شہر میں ہر طرح کی سواریاں ہیں مگر ان سبھوں میں ذکر کے قابل رکشا ہے جسے یہاں والے لنچا کہتے ہیں ۔ یہ دو پہیئے کی گاڑی نہایت ہلکی سستی اور آرام دہ ہے ۔ یہ زیادہ تر جاپان یا چین سے بن کر آتی ہے ۔ یا اس کا سامان ہاں سے جاتا ہے اور یہاں جوڑ جاڑ کر ٹھیک کر لیتے ہیں ۔ اب پہیئے پر ربڑ بھی چڑھایا جاتا ہے ۔ اسے انسان کھینچتا ہے ، خاص کر مدراس کے دیہاتی لوگ ۔ جن کو ہم لوگ کورنگی کہتے ہیں ۔ یہ لوگ سیدھے ۔ نیک ، محنتی ، اور جفاکش ہوتے ہیں ۔ ان کا رنگ عام طور سے کالا اور سر پر عورتوں جیسے لمبے بال ہوتے ہیں جن کی وہ بہت حفاظت کرتے ہیں ۔ سارا جسم چاہے ہر وقت بھیگا رہے ۔ مگر سر بھیگنے نہیں پاتا ۔ برسات میں سر پر ٹین کی بنی ہوئی ٹوپی رکھتے ہیں ۔ اُن کی زبان دیہاتی مدراسی ہے ۔ انھوں نے اردو کے چند جملے یاد کر رکھے ہیں ۔ جن سے وہ اپنا کام نکالتے ہیں ۔ ہر ملک کے لوگوں سے وہ اردو ہی میں بات کرتے ہیں ۔ یہاں رکشا کی اتنی زیادتی ہے کہ کسی مقام پر کھڑے ہو کر نظر دوڑائی جائے تو بیسوں نظر آئیں گے ۔ جہاں کوئی شخص سامنے آیا کہ ان لوگوں نے چلانا شروع کیا ۔ "بابو لنچا" "بابو لنچا"

لنجا بالو! اُن کا کوئی پڑاؤ نہیں۔ ہر وقت ادھر ادھر چلتے ہی نظر آتے ہیں۔ جہاں ہاتھ کا اشارہ کیا گیا یا ذرا آواز دی گئی "او لنجا والا" کہ کئی بالوجی کے سر پر پہنچ گئے۔ بالوجی کا جس پر جی چاہا بیٹھ گئے یہ بتانا نہیں ہوتا کہ کدھر جانا ہے۔ کتنی دور جانا ہے۔ کتنے پیسے دینے ہوں گے۔ ایک سواری ہے کہ دو بچوں سمیت پانچ یا دو بورے چاول لادنے ہیں یا چارپائی تخت اور میز کرسی، جو کچھ بھی ہو گا لادلیں گے بیٹھنے کے بعد جدھر جانا ہوا اشارہ کر دیا اور یہ گھوڑے کی طرح گاڑی لے کر بھاگے۔ کیا مجال کہ اُن کا رستہ کوئی روک دے۔ اگر سامنے کوئی آجاتا ہے۔ تو دور سے ہٹو بچو نہیں کہتے۔ بلکہ جب بالکل قریب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں "کھبردال، کھبردال (خبردار)" جس طرف کو موڑنا ہوا دایاں جاؤ یا بایاں جاؤ کہنے پر گھوم جاتے ہیں۔ نوواردوں کے لئے اس طرح اشارہ کر دینا کافی ہوتا ہے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد سوار خود بخود محنت کے مطابق پیسے دے دیتا ہے۔ کوئی کم پیسے دے کر چلا جاتا ہے تو یہ اپنی زبان میں گالیاں دیتے ہوئے گاڑی لئے چلے جاتے ہیں۔ معقول مزدوری دینے پر بھی کہیں گے "کیا! بالوجی اتنی دور سے آیا صرف اتنا ہی پیسہ!" یہ کہنے پر دو ایک پیسے یا دو ایک گھڑکیاں سن کر چلے جاتے ہیں۔ رات بھر گاڑی لئے ادھر اُدھر گھوما کرتے ہیں۔ جس وقت ضرورت ہو۔ لنجا موجود ملے گی۔ بعض مرتبہ لنجا الٹ جاتا ہے۔ سوار گر جاتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ کہتے ہیں "پروا نہیں بالو پروا نہیں" اگر ان کو بُرا بھلا کہا جائے تو کہتے ہیں "کیا بالو آپ ایسا کیسا بولتا" یہ جلد بیمار نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو جلد اچھے بھی نہیں ہوتے بعض شرابی انھیں زیادہ پریشان کرتے ہیں لنجا پہ سوار ہو، "اِدھر جاؤ۔ اُدھر جاؤ" کہتے اور دوڑتے رہتے ہیں جب لنجا والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ یوں ہی پریشان کرے گا اور پیسے نہ دے گا تو تنہائی میں لے جا کر الٹ دیتے ہیں اور اپنی گاڑی لے کر بھاگتے ہیں

ہمدردی

قاضی سعید احمد صاحب جامعی

بھائی بات یہ ہے کہ خدا نے ہمدردی پیدا کی اور شیطان نے رشک و حسد۔ اگر دنیا سے ہمدردی اُٹھ جائے تو تم خود ہی سوچو کہ لوگوں کی حالت کیسی خراب خستہ ہو جائے۔ کوئی کسی کو پوچھنے والا نہ ہو۔ سڑک پر دو آدمی کچھ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ میرے مدرسے کا راستہ بھی اس طرف سے تھا۔ اس لئے میں اُن کی باتیں بہت غور اور دلچسپی سے سنتا جا رہا تھا ان میں سے ایک صاحب ہمدردی کے خلاف تھے۔ معلوم نہیں کیا وجہ تھی پہلے صاحب نے ہمدردی کی تائید میں بہت سے واقعات بیان کئے اور کہا ابھی تیسرے سال کی بات ہے میں پٹنے گیا تھا۔ گرہن کا دن تھا۔ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی۔ مگر گنگا کے کنارے ہزاروں ہندو جمع تھے اور اشنان ہو رہا تھا۔ ایک لڑکا تیرتے تیرتے کچھ دور نکل گیا۔ بے رحم موجوں کے تھپیڑے اُسے بہا کر دور لئے جا رہے تھے اور وہ بے قابو۔ اور اپنی زندگی سے نا امید ہو چلا تھا۔ تماشائیوں میں سے ایک شخص کھڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ہمدردی کا جذبہ اُسے مدد کے لئے اُکسا رہا تھا۔ مگر شیطان ورغلا رہا تھا کہ خبردار! کود و انہیں کہ نمونیہ میں مبتلا ہوا نہیں۔ دیکھتا نہیں سردی کس بلا کی پڑ رہی ہے پھر وہ تیری پہنچ سے بھی باہر ہے۔ لیکن ہمدردی کا جذبہ آخر غالب آیا۔ وہ چھلانگ مار کر دریا میں کودا اور دیکھتے دیکھتے لڑکے کو موت کے منہ سے بچا لیا۔

مئی کا مہینہ ہے چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہہ رہا ہے۔ پوکھر اور تالاب سب خشک پڑے ہیں۔ ایسے میں زینب بیٹھی کھانا پکا رہی ہو اس کا ننھا سا بچہ پلنگڑی پر میٹھی نیند سو رہا ہے۔ دو بچے آنگن میں کھیل رہے ہیں۔ خاوند کوئی کتاب دیکھنے میں مشغول ہے۔ بچوں کی چہل پہل سے زینب کا کلیجہ بڑھا ہوا ہے۔ اتنے میں ایکا ایکی جانے کیسے آگ لگ گئی اور ذرا دیر میں سارے گھر میں پھیل گئی زینب اور اس کا شوہر دونوں بچوں کو لئے باہر نکل آتے ہیں ننھے کا گھبراہٹ میں خیال نہیں رہتا مگر باہر آکر یاد آتا ہے کہ ننھا تو اندر ہے۔ زینب چیخنے لگتی ہے۔ ہائے میرا بچہ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھس گیا اور بچے کو جیتا جاگتا نکال لایا۔ ہمدردی کے جذبے نے اُسے نیک کام پر مجبور کر دیا تھا۔

سر سید مرحوم کی والدہ اللہ بخشے بیمار پڑیں۔ حکیم صاحب نے ایک قیمتی نسخہ تجویز کیا ان کے پڑوس میں ایک غریب عورت اسی مرض میں مبتلا ہوئی بے چاری کے پاس اتنے دام کہاں تھے کہ اتنا قیمتی نسخہ بنواتی سر سید کی والدہ کو اس غریب عورت کا حال معلوم ہوا تو اپنی دوا اسے کھلا دی اور خدا کی شان دیکھو وہ بغیر دوا کے اچھی ہو گئیں۔ تو بھائی صاحب اگر دنیا میں ہمدردی نہ ہوتی تو آپ ہی غور کیجئے کہ دنیا کا حال کیسا خراب ہوتا۔

لطیفہ

ایک دفعہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ باغ کے داروغہ نے مالی کو ڈانٹ کر کہا۔ درختوں کو پانی کیوں نہیں دیتا؟

مالی: "حضور پانی برس رہا ہے"۔

داروغہ: "ارے بیوقوف کہہ تو رہا ہوں چھتری لگا کر پانی ڈال"۔

موتی قادری

از عبدالحی علوی متعلم درجہ پنجم تعلیمی مرکز نمبر ۱

ایک ندی کے کنارے ایک ہرا بھرا اور خوب صورت جنگل تھا۔ جنگل سے لگا ہوا ایک بڑھیا کا جھونپڑا تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ شمو بڑا شریر اور ضدی۔ جنگل میں ریچھ بہت رہتے تھے۔ شمو کی اماں اس سے کہتیں "بیٹا جنگل میں مت جایا کر! وہاں بہت سے ریچھ رہتے ہیں۔ کہیں تجھے کاٹ نہ کھائیں۔ شمو ضدی تو تھا ہی کہتا "میں تو جاؤں گا۔ مجھے روز یوں ہی ڈرایا کرتی ہیں آپ!"

ایک دن کیا ہوا کہ شمو میاں جنگل میں دور تک چلے گئے۔ دوپہر تک اِدھر اُدھر پھرتے رہے کبھی کسی پیڑ پر چڑھ جاتے اور گلا پھاڑ کر گانے لگتے گانا بھی ماشاء اللہ ہی ہوتا تھا۔ کبھی کسی جھاڑی میں چھپ جاتے اور چیخنے لگتے۔ بے چارے ننھے ننھے خرگوش اس بھونڈی آواز کو سن کر ڈر جاتے۔ اور اپنے اپنے بلوں میں گھس جاتے

ایک دفعہ میاں شمو ایک جھاڑی کے پاس آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑا ہے۔ مگر سنسان دروازہ بھی کھلا ہے۔ میاں شمو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھونپڑے میں گھس ہی تو گئے۔ اندر گئے تو بھونچکے سے ہو گئے۔ دیکھتے ہیں کہ جھونپڑی کے بیچوں بیچ ایک بڑی میز پڑی ہے۔ صاف ستھرا سفید میز پوش بچھا ہے اور اس پر ڈبل روٹی کے ٹکڑے نہایت قرینے سے چنے ہیں۔ سب سے پہلے بڑا ٹکڑا پھر اس سے چھوٹا اور پھر سب سے چھوٹا۔ یہ سب باریک کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے

کھینچا تانی

ملایا کے ریچھ

سائکلوں کے پرانے پیڈلوں سے بنائی ہوئی کشتی جسے چپوؤں کی بجائے پیڈلوں سے چلانے میں پیروں سے کام لینا پڑتا ہے۔

شمو میاں نے ڈبل روٹی دیکھی تو منہ میں پانی بھر آیا۔ اور ندیدوں کی طرح ڈبل روٹی کے ٹکڑوں پر جا گرے۔ سب سے پہلے ہاتھ بڑے ہی ٹکڑے کی طرف بڑھا۔ چکھا تو منہ بنا کر کہنے لگے ۔ اوہو کیسی خراب روٹی ہے! پھر دوسرے ٹکڑے کو اٹھایا۔ وہ بھی ناپسند ہوا۔ تیسرے کو منہ میں ڈالا تو وہ کچھ اچھا لگا۔ بس پھر کیا تھا اسی پر ڈٹ گئے ۔ ابھی آدھا بھی نہ کھانے پائے تھے کہ تین ریچھ جھونپڑی میں آدھمکے ۔ وہ تو خیر یہ ہوئی کہ جھونپڑے کے دو دروازے تھے ۔ ادھر ایک دروازے سے ریچھ داخل ہوتے ۔ ادھر دوسرے دروازے سے میاں شمو نو دو گیارہ ہوتے ۔ ورنہ شامت ہی آگئی تھی۔ تینوں ریچھ اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ میز پر جو ڈبل روٹی کے ٹکڑے رکھے تھے وہ سب بکھرے پڑے ہیں۔ اور بڑا ٹکڑا تو بالکل ہی غائب ہے۔ اب تو تینوں ریچھ مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئے۔ باہر نکلے کہ دیکھیں کس کی شرارت ہے۔ بڑے ریچھ نے نکلتے ہی دیکھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا بھاگا جا رہا ہے ریچھ بھی اس کے پیچھے دوڑا کہ اسے پکڑے ۔ مگر تم جانو شمو میاں کے تو گویا پر لگ گئے تھے۔ یہ جا وہ جا ۔ آنکھوں سے اوجھل ۔ ریچھ بھی تھوڑی دور تک بعد بعد بعد دوڑا ۔ مگر شمو کب ہاتھ آنے والے تھے ۔ آخر پچھتا کر واپس چلا گیا ۔ لیکن شمو میاں کو بھی ماں کی نصیحت اس روز صحیح معلوم ہوئی اور پھر کبھی جنگل کا رخ نہیں کیا۔

لطیفہ

ایک شخص نے اپنے دوست کو دعوت دی اور کھانے میں مرغ مسلم آیا۔

پہلا شخص :- کیوں تم مرغ مسلم کیوں نہیں کھاتے۔

دوسرا شخص :- مجھے ڈر ہے کہ کہیں مرغ میرے پیٹ میں بولنے نہ لگے۔

فضل الرحمن علی گڑھ

ننھی چڑیا

محمد ریاض الحسن

تمھیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ چڑیاں اپنے موسم پر گھونسلے بناتی، انڈے دیتی اور سے کر بچے نکالتی ہیں آج ہم تمھیں ایک بات اُن کے متعلق بتاتے ہیں

ہمارے مکان میں ایک شہتوت کا درخت ہے۔ اس پر کئی پرند آکر بیٹھتے ہیں اور رات میں بسیرا لیتے ہیں۔ ایک دن مئی سنہ ۴۰ء کی تیسری تاریخ کو، ایک کالے رنگ کی لمبی چونچ والی ننھی منی سی چڑیا اسی درخت پر آکر بیٹھی۔ اور ٹہنیوں کی دیکھ بھال شروع کی۔ آخر کار ایک ٹہنی پسند کرکے اس پر گھونسلا بنانا شروع کیا۔ اور بڑی محنت سے مادہ چڑیا نے ایک گھونسلا تیار کیا۔ نر صاحب کبھی کبھار آجایا کرتے اور گھونسلے کا معائنہ فرماکر چلے جاتے۔ گھونسلا انڈے کی شکل کا تھا جس میں ایک طرف آنے جانے کے لئے دروازہ تھا گھر بنا کر فارغ ہوگئی تو اب اس نے ایک دن بیچ کرکے انڈے دینے شروع کئے۔ تھوڑے دنوں میں کئی انڈے جمع ہوگئے۔

چڑیا کا گھونسلا اتفاقاً ایسی جگہ تھا کہ بچے انڈے نکالنے کی کوشش کرتے تو کامیاب ہوجاتے ہم نے سب بچوں کو منع کر دیا تھا کہ اس گھونسلے کو نہ چھوئیں۔ لیکن ایک دن ہمارے پڑوسی کا لڑکا موقع پاکر اندر گھس آیا اور بڑی کوشش کے بعد انڈے نکال لئے۔ اتفاقاً ہم بھی باہر سے آگئے تو اُسے ڈرا دھمکا کر انڈے پھر اُسی گھونسلے میں رکھ دیتے۔ مادہ چڑیا روزانہ آتی اور انڈے سیتی

جب کبھی کوئی اس کے گھونسلے کے نیچے سے گذرتا تو وہ پھُر سے اڑکر ٹہنی پر بیٹھ جاتی۔ اور شور وغل مچاتی۔ آخر گرمی کا موسم ختم ہوا اور برسات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ آسمان پر کچھ کچھ بادل بھی نظر آنے لگے چڑیا کے ننھے سے بچے

نکل آئے۔ یہ بچے کوئی بیس دن میں نکلے مادہ چڑیا روزانہ انھیں بھراتی اور غذا کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کیڑے مکوڑے انھیں کھلاتی۔ ہم اُن کی بہت زیادہ نگرانی کرتے۔ کیوں کہ گھر کے اور بڑوں کے بچے انھیں نکالنے کی کوشش کرتے۔ جب وہ ایسا کرتے تو ہم انھیں سمجھاتے کہ دیکھو تم بھی بچے ہو اور وہ بھی بچے ہیں اگر تمھیں کوئی اُٹھا لے جائے تو تمھیں اور تمھارے ماں باپ کو کتنا دکھ ہوگا کوئی دس دن میں ان ننھے منّے بھونڈے سے بچوں کے پر نکل آئے اور بہت ہی خوب صورت معلوم ہونے لگے۔ دو چار روز کے بعد جب ہم نے گھونسلا دیکھا تو خالی تھا بچے اُڑ کر چلے گئے تھے

اشرفی کو "گنی" بھی کہتے ہیں

از عبد الصمد سلفی (عمر پوری)، استاد مسلم حلیم ہائی اسکول (کانپور)

مغربی افریقہ کے ساحل پر ایک علاقہ گنی (GUINEA) ہے جس کا پرتگالیوں نے سنہ ۱۴۴۶ء میں انکشاف کیا تھا سنہ ۱۵۸۸ء میں ایک انگریزی تجارتی کمپنی قائم ہوئی اور اس علاقے "گنی" میں پہنچی اور وہاں کی مفید مفید چیزیں انگلستان پہنچنے لگیں۔ اس علاقے میں سونے کی کان بھی ہے سونا بھی انگلستان جانے لگا انگریزی حکومت نے اس سونے کی اشرفیاں تیار کرائیں اور اس علاقے کی نسبت سے "گنی" نام رکھا۔ اس سے پہلے انگریزی سکہ سونے کا رائج نہ تھا۔ ان اشرفیوں میں سب سے پہلی سنہ ۱۶۶۳ء میں ڈھالی گئی جس کے اوپر ہاتھی کی تصویر ہے جو اس بات کی علامت ہے اس کا سونا افریقہ کا ہے۔ اس زمانے میں گنی کی قیمت ۲۱ شلنگ تھی پھر سنہ ۱۶۹۵ء میں ۳۰ شلنگ ہوئی۔ اس کی قیمت اسی طرح کم و بیش ہوتی رہی یہاں تک کہ سنہ ۱۷۱۷ء میں پھر ۲۱ شلنگ ہوگئی اور سنہ ۱۸۱۰ء میں ۲۲½ شلنگ میں فروخت ہونے لگی۔ پھر اس کی قیمت ۲۷ شلنگ تک پہنچ گئی۔ آخر کار حکومتِ انگلشیہ نے ۲۱ شلنگ اس کی قیمت مقرر کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ بعد ازاں سنہ ۱۸۱۷ء میں رائج الوقت "گنی" تیار ہوئی۔ اور اس سے پہلے کی اشرفیاں منسوخ ہوگئیں۔

لطیفے

کسی امیر کا مکان لبِ سڑک تھا۔ نوکر سے کہا۔ آج مکان خوب صاف کرنا۔ مگر کوڑا کرکٹ ذرا بھلے آدمی کو دیکھ کر ڈالنا۔ اس بیوقوف نے جب ایک صاحب سوٹ پہن کر نکلے تمام کوڑا اُن پر ڈال دیا۔ وہ نادم ہوکر مالکِ مکان کے پاس آئے اور نوکر کی شکایت کی۔ مالک صاحب نوکر پر بہت ناراض ہوئے۔ نوکر نے کہا۔ آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ بھلے آدمی کو دیکھ کر ڈالنا۔ بھلا ان صاحب سے بہتر آدمی کون ہوگا۔

ن ، ح - چھپرا مئو

ماں :۔ (غصے سے) میں تمھیں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں کہ میرے سرہانے شور مت کرو

بچہ :۔ (بھولے پن سے) پانچ دفعہ "

بابوجی (ٹانگے والے سے) تمھارے نرخ کیا ہیں؟

ٹانگے والا۔ جناب پہلے گھنٹے کے آٹھ آنے۔ دوسرے کے چھ آنے اور تیسرے کے پانچ آنے

بابوجی :۔ اچھا تو مجھے تیسرے گھنٹے میں لے چلو

نیم حکیم :۔ تمھارے جسم میں اب تو کہیں بھی تکلیف نہیں؟

مریض :۔ اور تو کوئی تکلیف نہیں۔ مگر سانس رُک رُک کر آتا ہے۔

نیم حکیم :۔ اس بات کی فکر نہ کرو میں اِسے بھی بند کر دوں گا۔

صراف از جموں

مالک :۔ موٹر کیوں ہل رہی ہے؟

شوفر:۔ سرکار گڑھے ہیں۔

مالک :۔ تو ہارن دے کر کیوں نہیں ہٹاتا۔

(موسیٰ قادری - حیدرآباد دکن)

معلومات

دن میں آفتاب کی روشنی سے ستاروں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ اور وہ نظر نہیں آتے۔ لیکن اگر تم کسی بڑے کارخانے کی لمبی سی چمنی میں گھس کر دیکھو تو آسمان پر ستارے تمھیں ضرور نظر آئیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی نہ ہونے سے تمھاری آنکھیں چندھیاتی نہیں

تتلیاں خوب صورتی کے ساتھ ساتھ نازک بھی بہت ہوتی ہیں۔ لیکن یہ سن کر تمھیں تعجب ہوگا کہ یہ نرم و نازک تتلیاں چار چار ہزار میل کا سفر کرتی ہیں۔ یہ تتلیاں جنوبی افریقہ اور ایشیائے کوچک کے درمیان شمال مشرقی صحرا کے قریب پیدا ہوتی ہیں۔ موسم بہار کے شروع میں وہاں سے روانہ ہو کر اپریل میں بحیرۂ روم کے ساحل پر جا پہنچتی ہیں۔ فلسطین سے شام ترکی ہوتی ہوئی بلقانی حکومتوں کو عبور کرکے مصر اور طرابلس کے راستے جنوبی یورپ میں داخل ہوتی ہیں۔ آخر مئی یا جون کے شروع میں انگلستان پہنچتی ہیں اور ایک ہفتے کے بعد۔ اسکاٹ لینڈ میں۔ بعض تتلیاں آئس لینڈ میں بھی پائی گئی ہیں جو ایشیائے کوچک سے چار ہزار میل دور ہے۔

ایک فرانسیسی آنکھ بند کرکے آسانی سے چل پھر سکتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اجنبی شہر میں بھی آنکھیں بند کرکے بڑی آسانی سے گھوم پھر سکتا ہے۔

برلن کے چڑیاگھر میں ایک سمندری ہاتھی لایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس سے بڑا سمندری ہاتھی دنیا میں موجود نہیں۔ اس کا وزن ۲۴۲ من سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

سوئزرلینڈ کی ایک نمائش میں ایسا موٹر دکھایا گیا ہے جو ۵۰ ڈگری کی بلندی تک چڑھ سکتا ہے چھ فٹ خندق کو پار کرسکتا ہے۔ تین فٹ گہرے پانی سے گذر سکتا ہے۔

سردیوں میں گردن کو گرم رکھنے کے لئے

امریکہ کے ایک سائنس داں نے بجلی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے۔ جو بغیر شعلے اور بدبو کے گیس سے فضا کو گرم رکھتا ہے۔

جرمنی میں ایک ایسی کشتی ایجاد کی گئی ہے جو ضرورت کے وقت ہوائی جہاز کا کام دے سکتی ہے۔

امریکہ کے ایک سائنس داں نے ایک لیمپ ایجاد کیا ہے جو پارے سے جلتا ہے۔ اس کی روشنی بالکل دھوپ کی طرح تیز ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اس کی چمک دھوپ سے بھی تیز ہوجاتی ہے۔

اسکاٹ لینڈ میں کئی سال ہوئے ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ بجائے آنکھ کے ہاتھ سے دیکھتی ہے۔ کتاب پر ہاتھ رکھ کر اُسے پڑھ لیتی ہے اور اسی طرح ہاتھ رکھ کر مختلف رنگ پہچان لیتی ہے

روس میں ربڑ کے ایسے جوتے ایجاد ہوئے ہیں جنھیں پہن کر پانی پر چل سکتے ہیں۔ ان جوتوں میں ہوا بھری ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ربڑ کا ایک پتلون بھی پہننا پڑتا ہے۔ یہ ہوا سے بھرا اور جوتوں سے جڑا ہوتا ہے۔

ناگ پور کے ایک نوجوان نے ایک سائکل ایجاد کی ہے۔ جو پانی پر چل سکتی ہے۔ دریائے تاپتی میں اس کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔

سیاحوں کا بیان ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کے غاروں میں دو دو سو سال کی عمر کے سادھو رہتے ہیں۔

ایک نئے قسم کی دیا سلائی ایجاد کی گئی ہے۔ جو دس منٹ تک جلتی رہتی ہے۔ اور بے خطر ہے۔

ایلپس کی سیر میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ایک شیشے کی ریل گاڑی بنوائی گئی ہے۔ گاڑی کا اوپر کا آدھا حصہ شیشے کا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مسافر ریل میں بیٹھے بیٹھے کوہ ایلپس کا نظارہ بھی کرسکتا ہے۔

کراچی میں ایک بکرا ہے۔ جو مادہ بکری کی طرح دودھ دیتا ہے

ایک جرمن نے چھ سو نو فٹ تک لمبی ہلکی نلکیاں ایجاد کی ہیں۔ اُن کا وزن تقریباً ۱½ سیر ہے۔ انھیں بدن میں لگاکے پانی پر اُچک اُچک کر اس طرح چل سکتا ہے جس طرح برف پر خاص قسم کی لکڑیوں سے چلا کرتا ہے۔ ایک شخص بحیرہ بالٹک میں اُن کی مدد سے چودہ میل چلا۔ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ آلہ ترقی کرتے کرتے اس درجے تک پہنچ جائیگا کہ لوگ پانی پر ہاکی اور فٹ بال کھیل سکیں گے۔

خط کتابت

مکرمی تسلیم

میں بھی ٹکٹ جمع کرتا ہوں۔ جو صاحب نئی دہلی و سلور جوبلی کے ٹکٹ فروخت کریں۔ میں زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنے کو تیار ہوں۔

میں ہندوستانی ٹکٹ جارج پنجم کے ۲ر اور ۳ر کے ۱۰۰ کے حساب سے خریدتا ہوں۔ کوئی صاحب بھوپال کے ٹکٹ فروخت یا مبادلہ کریں تو مندرجۂ ذیل پتہ پر خط کتابت کریں

محمد عمران معرفت مولوی محمد عبدالرحمن صاحب۔ فتح گڑھ۔

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم

مجھے سلور جوبلی ہندوستان کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے مگر وہ کٹے ہوئے نہ ہوں۔ ۲ر اور ۳ر والے بھی کافی تعداد میں خریدنا چاہتا ہوں ۲ر والا ۱ر اور ۳ر والا ۲ر میں۔ اگر کوئی پیام بھائی سٹو ٹکٹ تک بیچنا چاہیں تو مجھ سے خط کتابت کریں اگر کوئی پیام بھائی ہندوستان کے ٹکٹ فروخت کرنا چاہیں تو مجھ سے خط کتابت کریں۔

محمد حسن درجہ ہفتم تفریق دوم
گورنمنٹ ہائی اسکول بانڈیگی

ایڈیٹر صاحب تسلیم

لطیفوں کے انعام کے متعلق آپنے ہم لوگوں سے رائے لی ہے میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ دفتر پیام تعلیم سے انعامی کارڈ تیار کئے جائیں جس پر ہمارے ملک کے مشہور افراد نیز تاریخی مقامات کے فوٹو ہوں کارڈ دو تین قسم کے ہوں۔ سب سے اچھا لطیفہ بھیجنے والے کو اول درجے کا کارڈ ملا کرے۔ ہر قسم کے کارڈ پر اس قسم کا فقرہ بھی درج ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہ انعام کس درجے کا ہے۔

رضا عسکری پاشاہ۔ چھپرا مئو۔

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔ مزاج شریف۔ پیام تعلیم بابت جولائی و اگست موصول ہوئے۔ از ابتدا تا انتہا پڑھے۔ ان کا ہر مضمون دلچسپ سلیس، عام فہم، سبق آموز اور مفید ہے۔ سالگرہ نمبر کی تیاریاں زوروں پر ہوں گی۔ خدا آپ کو آپ کی کوششوں میں کامیاب کرے میری آپ سے ایک عرض ہے وہ یہ کہ سلطان العلوم نظام تاجدار مملکت آصفیہ کی پچیس سالہ جوبلی قریب ہے اور حضور کے جامعہ پر بہت سے احسان ہیں۔ لہٰذا اس مبارک موقعہ پر پیام تعلیم کا ایک شاندار جوبلی نمبر نکالیں جس میں اُن کے پچیس سالہ عہد حکومت پر روشنی ڈالی جائے پیام تعلیم دن بدن سابقہ پرچوں سے سبقت لے جا رہا ہے۔ در حقیقت پیام تعلیم بچوں کے تمام تعلیمی رسالوں کا سرتاج ہے۔ کاغذ اعلیٰ، کتابت دیدہ زیب۔ مضامین پر از معلومات۔ سرورق نت نیا، غرض ہر چیز قابل تعریف۔

ایم یوسف نسیم نوشہری
مقیم حال۔ بہاولپور

پیام تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عہ ۔ فی پرچہ ۴ر

صدر معلمہ صاحبہ مدرسہ نسواں اردو ۔ نیلگاؤں
صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ ۔ گڑسور
" " " نلگیر ۔
" " " کنٹنور
" " " ڈون ہیرگہ
" " " ہرگا پور
" " " بیلکونی
" " " بورل
" " " ڈون گوپرہ
" " " تونڈہار
" " " ہولسمندر
صدر معلمہ صاحب مدرسہ نسواں اردو اودگیر
صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ ۔ کاساربری
" " " سرونت پال
" " " ساکون
" " " نٹور
" " " جولگہ

صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ انبلگہ
" " " مدنسوری
صدر مدرس صاحبہ مدرسہ نسواں اردو نلنگہ
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ ، پاتھری
جناب حمیرا سلطانہ صاحبہ ۔ قنوج ۔
جناب نواب حمایت الدین خاں صاحب حیدرآباد دکن
صباح الدین صاحب ۔ اریریا ۔
سید عارف سجاد صاحب ۔ حیدرآباد دکن
عبدالجبار صاحب ۔ جہانگیر آباد
نند کمار تلسی صاحب ۔ جبال پور
ناظم صاحب انجمن طلبائے مدرسہ فیض عام ۔ کانپور
چیمبر میموریل گرل اسکول ۔ گونڈہ ۔
ماسٹر ایچ اے ، صدیقی صاحب ۔ نینی تال
ہیڈ ماسٹر صاحب مڈل اسکول ۔ ناگل ۔
آصف زماں خاں صاحب ۔ فتح گڑھ
سید ابی صغیر صاحب ایڈوکیٹ ۔ بانکی پور
رتن لال صاحب ۔ مدراس

سید نسیم احمد صاحب ۔ میرٹھ ۔
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مڈل اسکول ۔ نہٹور
پرتاب ہائی اسکول ۔ امالنور ۔
مس منصور علی صاحب ۔ نزیتی
جناب حاجی محمد کریم خاں صاحب ۔ دلبند طن ۔
قمر الحسن صاحب ۔ قائم گنج ۔
ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ وسطانیہ عثمانیہ محبوب نگر
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ جوگی پیٹھ ۔
ماسٹر جمال الدین صاحب ۔ دادر بمبئی ۔
جناب محمد اسماعیل صاحب صدیقی ۔ بریلی ۔
سید انور شاہ صاحب ۔ سرائے لورنگ
مسعود احمد خاں صاحب ۔ بیور
جناب نصیر الدین صاحب ۔ دہلی ۔
ذکی الدین ۔ صادق علی ۔ ناگپور سٹی ۔
محمد اسحٰق صاحب احقر صدیقی ۔ جالنہ ۔ دکن
جناب شیخ محمد رضی صاحب ۔ اناؤ
آر ، اے بیگم صاحبہ ۔ شیرپور ۔

جناب اکرام الدین خاں صاحب ۔ فیروزپور جھرکا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۹۶۱

۲۹ اکتوبر کو یاد رکھو

اُس دن تمہارے پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر شائع ہو جائے گا اب کے یہ پچھلے خاص نمبروں سے بھی بہتر ہوگا اچھے اچھے مضمون مزیدار کہانیاں سیر و سیاحت کے قصے اپنے دیس کے بڑے لوگوں اور جانوروں پرندوں وغیرہ کے حالات کنچن جنگا اور ایورسٹ کی مہموں کی داستانیں، اچھی اچھی نظمیں، معلومات معمے، شعبدے، لطیفے، نئے نئے کھیل، لیتھو اور بلاک کی بے شمار تصویریں، اس مرتبہ لڑکیوں کی دلچسپی کے مضمون بھی خاص طور سے لکھوائے گئے ہیں۔ تم یہ نمبر حاصل کرنا چاہتے ہو، تو ابھی سے اس کے خریدار بن جاؤ یا ایک روپے (ءہ) کے ٹکٹ بھیج دو، ایجنٹ حضرات کو ابھی سے باخبر رہنا چاہیے۔ اشتہارات بھی چھپ سکتے ہیں لیکن وہی جو بچوں کی دلچسپی اور فائدے سے تعلق رکھتے ہوں ؂

مکتبہ جامعہ دہلی